UNIVERSAL
LIBRARY
OU_188637
UNIVERSAL
LIBRARY

ستالن

یعنی [redacted] کی مشہور کتاب ستالن کا اُردو ترجمہ مع مقدمہ

از

محمد آصف علی بیرسٹرایٹ لا

مکتبہ جامعہ
دہلی نئی دہلی۔ لاہور لکھنؤ بمبئی

بار اول ۱۰۰۰

قیمت ۸؎

فہرست مضامین

۱	مقدمہ	۷
۲	دیباچہ	۸۰
۳	دیباچہ مصنف	۸۲
۴	پہلا باب	۸۴
۵	دوسرا باب	۹۶
۶	تیسرا باب	۱۰۴
۷	چوتھا باب	۱۱۴
۸	پانچواں باب	۱۲۹
۹	چھٹا باب	۱۴۳
۱۰	ساتواں باب	۱۴۹
۱۱	آٹھواں باب	۱۵۹
۱۲	نواں باب	۱۶۵
۱۳	دسواں باب	۱۷۴
۱۴	گیارھواں باب	۱۸۱
۱۵	بارھواں باب	۱۹۲
۱۶	تیرھواں باب	۲۰۴

۱۷	چودھواں باب	۲۱۶
۱۸	پندرھواں باب	۲۳۰
۱۹	سولھواں باب	۲۳۵
۲۰	سترھواں باب	۲۴۶
۲۱	اٹھارھواں باب	۲۵۴
۲۲	انیسواں باب	۲۶۴
۲۳	بیسواں باب	۲۷۰
۲۴	اکیسواں باب	۲۸۱
۲۵	بائیسواں باب	۲۹۰
۲۶	تئیسواں باب	۲۹۸
۲۷	چوبیسواں باب	۳۰۷
۲۸	پچیسواں باب	۳۱۵
۲۹	چھبیسواں باب	۳۲۷
۳۰	ستائیسواں باب	۳۳۴
۳۱	اٹھائیسواں باب	۳۴۴

مقدمہ

کم و بیش بائیس تیئیس برس سے روس سنجیدہ مزاج سیاسئین کے لئے نتیجہ خیز دلچسپی کا مخزن رہا ہے اور وہ اس وجہ سے کہ ۱۹۱۷ء سے روس میں ایک قسم کے نئے دور کے قیام کے سلسلے میں ایک بہت بڑا انقلاب جاری تھا جس کی بنیادیں ایک نئے معاشیاتی نظام پر قائم کی گئی تھیں۔

آج روس میں وہ میدانِ کارزار گرم ہے کہ جس کی مثال تاریخ کے صفحات میں ملنی دشوار ہے۔ یہ نہیں کہ روس میں اس سے پہلے بڑے پیمانے کی لڑائیاں نہیں ہوئیں،

یہ بھی نہیں کہ روس پر اس سے پہلے اتنی بڑی چڑھائی کبھی نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ ملک دنیا کی بڑی سے بڑی خوں ریز جنگوں کا پہلے بھی میدان رہ چکا ہے جس میں چنگیز، اغدئے تیمور اور نپولین کی لڑائیاں نسبتاً تازہ تاریخی واقعات میں شمار ہوتی ہیں، مگر جس پیمانے پر اور جن حالات میں آج روس مصافِ کارزار اور خوں ریزی کا بازار بنا ہوا ہے وہ اس سے پہلے دنیا کی تاریخ میں کسی اور زمانے میں پیش نہیں آئے۔ اور اس اعتبار سے روس کے حالات اور خصوصاً روس کی اس شخصیت کی سیرت جو آج کی دنیا میں اہم ترین شخصیتوں میں شمار ہو رہی ہے عوام کے لئے خاص دلچسپی کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

مقدمے کی ضرورت | روس کے انقلاب کا مطالعہ بڑی حد تک شخصیتوں اور سیاسی نظریوں کا مطالعہ ہے۔ اس سیرت میں گو ہر قسم کا مواد جمع کر دیا گیا ہے، مگر شخصیتوں اور نظریوں کا مسلسل حال درج نہیں ہے اور نہ روس کی تاریخ پر نگاہ ڈالی گئی ہے۔ اس وجہ سے نہایت مختصر طور پر سلسلے کی کڑیاں ملانی ضرور ہیں، ورنہ کسی مقدمے کی ضرورت نہ تھی۔

یہ سیرت | سٹالن آج روس اور روس سٹالن ہے۔ نیز سٹالن دنیا کی چھ بڑی، دلچسپ، اور کارفرما شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے۔ اس سیرت کے مصنف کو غیر جانب دار اور بے لوث کہا جاتا ہے۔ پڑھنے والے خود اس کا فیصلہ کر سکیں گے۔ اس مختصر سیرت میں مصنف نے ہر قسم کا مواد جمع کر دیا ہے جس میں سے رطب و یابس چھانٹا جا سکتا ہے۔

انقلاب | ایک جرمن حکیم یعنی ہیگل کا قول ہے کہ "کائنات عالم خدائے مطلق کی خود نوشتہ سرگذشت ہے"! اور ایک فرانسیسی حکیم یعنی برگسوں نے قدیم یونان کے مشہور حکیم ہرقلطس کے نظریے کے مطابق اس کائنات عالم کا محور "تبدیلی" کو مانا ہے۔ تبدیلی حقیقت میں "وقت" کا ناگزیر فطری خاصہ ہے۔

تاریخ کائنات متواتر انقلاب کی مسلسل داستان ہے جس میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا ہے۔ ابھی اس داستان کے ابتدائی صفحے عالم وجود میں آئے ہیں جو تمہید سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے اور اس تمہید میں انسانی تاریخ محض ایک سرخی ہے۔

عالم موجودات میں کوئی شے "محور زماں" سے باہر نہیں۔ مگر کائنات اس سرگذشت

عالم کا ایک نامکمل نسخہ ہے جو ماضی اور مستقبل کا مقام اتصال ہے اور یہ قطعی ممکن ہے کہ اس کے آنے والے باب گذشتہ ابواب سے کہیں زیادہ دلچسپ اور شاندار ہوں۔

انسان کی تاریخ | انسان کی تاریخ گو سرگذشت کائنات میں ایک سرخی سے زیادہ نہ ہو، مگر نوع انسان کی زندگی سرچشمۂ حیات کی ایک مستقل جوئبار ہے جس سے کشتِ زارِ وجود کی چند کیاریاں سیراب ہوتی ہیں۔ یہ تو کون یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انسان جامۂ حیات سے کب ملبوس ہوا، مگر آثار اور قرائن سے نوع انسان کے سفر کی تاریخ ضرور مرتب کی جاسکتی ہے۔ اور اس تاریخ میں وہ منزلیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں کہ جن سے ہماری نوع ضرور گذری ہوگی۔ اس مقدمے میں ہمیں ان تمام منزلوں کا نقشہ پیش کرنا مقصود نہیں بلکہ محض ایک منزل کا ایک موٹا سا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

روس کا انقلاب | ۱۹۱۷ء سے جو تمدنی، معاشرتی، معاشیاتی اور سیاسی تجربہ روس میں ہوتا رہا ہے، دنیا بھر میں غور سے دیکھا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسا تجربہ جس کی کامیابی پر شاید تمام نوع انسانی کی صدہا برس کی توقعات اور امیدوں کا دارومدار ہے ہر غور و فکر کرنے والے مرد اور عورت کے لئے پوری دلچسپی کا باعث ہوگا۔ دنیا کے کروڑوں انسان یہی چاہتے ہیں کہ کسی طرح ایک ایسا نقشۂ زندگی مرتب ہو جائے جو نوع انسان کی مصیبتوں کا خاتمہ کردے۔ ہر وہ دماغ جس میں غور و خوض، صلاحیت، خواہش اور ارادے کی رمق باقی ہے ہمیشہ یہی چاہے گا کہ کسی طرح دنیا خود غرضیوں، ناانصافیوں اور ان کے مکلیف دہ نتائج سے پاک کردی جائے۔ بعض لوگوں کا دعویٰ ہے کہ روس کا تجربہ اس منزل کی طرف رہبری کرتا ہے۔ اگر یہ خوش خبری درست ثابت ہو تو اس سے بڑھ کر دنیا کے لئے اور کیا نیک فال ہوسکتی ہے۔

دنیا میں روس کے انقلاب کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور روزانہ لکھی جارہی ہیں۔ یہ موافق بھی ہیں اور مخالف بھی اور بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ غیر جانبدارانہ ہیں ہمارے ملک میں بھی قریب قریب ہر ہندستانی زبان میں اس موضوع پر لکھا گیا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ ابھی بہت کچھ لکھے جانے کی ضرورت ہے۔ غیر جانبداری بھی ایک نسبتی درجہ ہے۔

ہر دماغ اپنی ساخت کے تقاضے سے مجبور ہے۔ ایک ہی حقیقت کو ہزار انسان ہزار پہلوؤں سے دیکھ سکتے ہیں اور بلکہ ایک ہی شخص ایک ہی واقع کو مختلف حالات میں مختلف پہلوؤں سے دیکھ سکتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک حقیقت کی یہ ہزاروں داستانیں نہ ہوتیں۔ عموماً اکثریت ہر چیز عملی زندگی میں اس مقام پر ٹھہرتی ہے جسے ارسطو نے "اوسطِ زریں" کہا تھا۔ مگر نگاہیں اور دل انتہائے کمال کے متلاشی رہتے ہیں اور قدم اس تلاش میں آگے بڑھتے رہتے ہیں اور یہی اگلی منزلیں پچھلیوں کی نسبت سے "اوسط زریں" اور کل کی انتہا پسندی آج کا اعتدال بن جاتی ہے۔

ممکن ہے کہ روس کا انقلاب بھی امریکہ اور فرانس کے ڈیڑھ سو برس پہلے کے انقلابوں کی طرح صرف اس آنے والے انقلاب کا ہراول ثابت ہو جس کی مفکرین پیشین گوئی کرتے چلے آئے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہی انقلاب مغز سخن قرار پا جائے اور باقی دنیا اسی نقشِ قدم پر گامزن ہو۔ بہرکیف اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔

اشتراکیت اور اشتمالیت کے قدیم خاکے

جو انقلاب روس میں رونما ہوا اس انقلاب کا جو آج روس میں نظر آتا ہے نقشِ اول تھا۔ پہلا انقلاب سال بھر کے اندر ہی جمہوری اشتراکیت اور اشتراکی طرزِ تمدن و معاشرت کی بنیاد بن گیا۔ اگر اشتراکیت سوشلزم اور اشتمالیت کمیونزم کو کہا جائے تو ان دونوں کا تخیل دنیا میں افلاطون کے زمانے سے یقینی طور پر موجود ہے۔ افلاطون نے اپنی مشہور و معروف کتاب "ریپبلک" میں جس زندگی کا نقشہ کھینچا ہے، گو اسے آج کی اصطلاحی اشتمالیت تو نہیں کہا جا سکتا مگر اس میں اشتراکیت اور جمہوریت کے وہ تمام اجزا اور عناصر موجود ہیں جن سے وقتاً فوقتاً اشتراکی اور اشتمالی طرزِ معاشرت کے نقشوں کو ترتیب دیا جاتا رہا ہے۔ کسریٰ انوشیرواں کے باپ کے زمانے میں ایران میں ایک شخص مزدک پیدا ہوا تھا جس نے اشتمالی زندگی کو اپنی مذہبی تعلیم کا جزو لاینفک قرار دیا تھا مگر نوشیرواں نے اسے اور اس کے لاکھ ڈیڑھ لاکھ معتقدوں کو ایک حیلے سے ہلاک کر دیا۔ ان قدیم اشتمالی نظریوں کے علاوہ خود ہندستان میں بھی ایک وقت غالباً مہا بھارت کی لڑائی کے بعد ایسا آیا جس میں انقلابی تحریکوں نے زور پکڑا اور ایسے مفکر پیدا ہوئے جنھوں نے قدیم طرزِ معاشرت

اخلاق، معاشیات وغیرہ سب کو ایک نئی اور انقلابی نگاہ سے دیکھا۔ چنانچہ ہمیں ایک مشہور ماہر اقتصادیات بوہتی کا ذکر ملتا ہے جس نے سارے سماج کی بنیادوں کو نئی زمین پر قائم کرنا چاہا بعض محققین کی نگاہ میں اس کا زمانہ ہندستان کے دوسرے حکماء سے پہلے ہوا ہے کیونکہ قریب قریب سب نے اس کے نظریے پر نکتہ چینی کی ہے۔ یہ مادیت کا قائل تھا اور اس کے فلسفے میں نظام انسانی کی بنیاد محض مادیات پر رکھی گئی تھی۔ اس کے بعد اور بہت سے مفکر پیدا ہوئے جنھوں نے اس کا تتبع کیا۔ مگر چونکہ مذہب ہندستان کے خمیر میں داخل ہے اور رگ و ریشے میں سرایت کئے ہوئے ہے یہ نیا نظریہ بھی رفتہ رفتہ ایک مذہب بن گیا اور مذہب بھی ایسا جسے تمام مسلمہ ہندو سماج نے ایک مضحک اور مخرب اخلاق داستان بنا دیا۔ یہی وہ مذہب ہے جو آج وام مارگ یا بام مارگ یا چارواک کے نام سے مشہور ہے۔ خود وام مارگ نام ہی یہ بتاتا ہے کہ یہ تحریک انتہا پسندی اور انقلابی خیالات پر مبنی تھی۔ وام کے صحیح معنی بائیں کے ہیں اور مذہبی اصطلاح میں ہندو "وام" ٹیڑھے کو کہتے ہیں۔ وام کا انگریزی ترجمہ "لفٹ" ہے اور اسی سے یہ صاف ظاہر ہے کہ "وام مارگی" ابتدا میں ایک انقلابی جماعت تھی جسے آگے چل کر اپنی حفاظت کے لئے ایک مذہب اختیار کر لینا پڑا جو بگڑتے بگڑتے اب ایک خفیہ اور مذموم رسموں کا خلاصہ بن کے رہ گیا۔

شہنشاہیت کے دو ہزار برس اور عواقب

ان قدیم اور متروک تحریکات کے بعد مشرق اور مغرب کی دنیا دو ہزار برس تک شہنشاہی نظام حکومت کے ہنڈولے میں جھولتی رہی۔ بڑے بڑے فاتح پیدا ہوئے جنھوں نے مشرق اور مغرب کے اقطاع ارض اور ان کی آبادیوں کو مسخر کیا، بڑی بڑی جاگیرداریوں کی بنیادیں رکھیں اور عوام الناس پر حکومت کی۔ سیاسیات اور راج نیتی کے بڑے بڑے ماہر پیدا ہوئے جنھوں نے حکومت کے اصول اور اجتماعی زندگی کے قانون بنائے اور سماج کے نظام کو قائم رکھنے کے لئے جن امراض کا محض قانون سے علاج نہ ہو سکا ان کی دوا مذہبی تعلیم و تلقین کے ذریعے سے لوگوں کے حلق سے اتاری۔ رہی مادی دنیا سو وہ اپنی ڈگر پر چلتی رہی۔ پچھلے تین سو برس میں دنیا کی بڑھتی ہوئی آبادی کا اپنے وطنوں میں دم گھٹنے لگا اور محض روزانہ کی ضروریات کے تقاضوں نے ترقی پذیر مغربی آبادی کو

وطن ترک کرنے اور دنیا کے نئے ملک آباد کرنے پر مجبور کیا۔ مشرق میں یہ صورت پہلے پیش آچکی تھی۔ پرانے طرز معاشرت کا شیرازہ بڑھتے بڑھتے اتنا الجھ گیا تھا کہ مفکرین نے اس کی گہرائیوں اور پیچیدگیوں کا از سر نو مطالعہ شروع کیا، خیالی نظریوں کو عملی زندگی کے قالب میں ڈھالنے کے تازہ ترین طریقے تجویز کئے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کے معموں کا حل نکالنے کی کوششیں کیں۔ تاریخ کی جستہ جستہ داستانوں کو اکٹھا کیا گیا اور ان کے مطالعے نے قانون قدرت کے مربوط تسلسل کی طرف اشارہ کیا۔ پیچیدہ مسائل کا استحالہ اور تجزیہ کیا گیا اور دنیا کے واقعات کی رفتار پر غور و خوض جس نے فطرت انسانی کی دشت نوردی کو ایک معنی خیز سفر کی شکل میں ظاہر کیا۔ اور وہ تمام واقعات جو الگ الگ دیکھنے سے مجنونانہ حرکات سے زیادہ حقیقت نہ رکھتے تھے قانون قدرت کی دقیق اور پر مقصد کارفرمائی کے مسلسل، مربوط اور معنی آفریں کارنامے نظر آنے لگے۔

نئے نظریے | نوع انسان کی زندگی کے ان نئے نظریوں کو نہ تو یکایک کسی ایک شخص نے پیش کیا اور نہ انھیں یکایک فروغ ہوا، بلکہ آہستہ آہستہ اور رفتہ رفتہ جوں جوں علم اور واقفیت کے دروازے کھلتے گئے، غور و فکر کے لئے نئے میدان پیدا ہوتے گئے۔ حکمت اور فلسفے کے قدم آگے بڑھتے گئے۔

قدیم زمانے میں چینی، ہندی، مصری، بابلی، سامی، ایرانی، یونانی اور رومی مفکرین، مدبرین، مذہبی پیشواؤں، حکمار اور فیلسوفوں نے انسان کے انفرادی اور اجتماعی رشتوں کی گتھیوں کو سلجھانے کی کوششیں کی تھیں۔ اور پچھلے تین سو برس میں یورپ کے مفکرین اور حکمارے نئی اور زیادہ پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کا کام انجام دیا۔ یہ تمام غور و فکر محض خیالی اور جذباتی نہ تھا بلکہ روزمرہ کی اشد ضرورتوں کی نئی الجھنوں کے مطالعے کا نتیجہ تھا۔

پندرھویں صدی سے مغربی یورپ میں ایک نئی بیداری، تازہ سرگرمی، بے چینی اور ترقی کی خواہش کے آثار نمودار ہو چکے تھے۔ اور بڑھتی ہوئی آبادی کی ضروریات زندگی نے مصنوعات کی دنیا کو وسیع کرنا شروع کر دیا تھا۔ نیز یورپ کی مغربی آبادی کی جغرافیائی حالت کا تقاضہ تھا کہ صرف ارضی پیداوار اور بری سفروں پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ بحری خزانوں سے بھی خراج حاصل کیا جائے۔ ان نئی سرگرمیوں کا تقاضہ تھا کہ بڑی کشتیاں اور جہاز بنیں،

نئے کارخانے کھلیں اور محنت و مزدوری کے نئے دروازے کھلیں۔ نیز ان تمام نئے حالات کا تقاضہ تھا کہ نئے قانون بنیں اور پرانے نظام زندگی میں تازہ وسعتیں پیدا کی جائیں۔ بہرکیف ان نئے اور روز افزوں ترقی کرنے والے حالات نے جو جو تازہ مسائل پیدا کئے ان کے حل نکالنے بھی ضروری تھے اور محض شخصی حکومت اور جاگیردارانہ نظام ان مسائل کی پیچیدگیوں کو تسلی بخش طریقے پر حل کرنے کے ناقابل تھے۔ انگلستان میں ایک قسم کی ابتدائی جمہوریت کی بنیادیں تو پہلے ہی رکھی جا چکی تھیں۔ اور حقیقت میں اس قسم کی ابتدائی جمہوریت تو کسی نہ کسی شکل میں مطلق العنان سے مطلق العنان فاتح اور شخصی فرماں روا کے زمانے میں بھی موجود رہی ہے۔ اور بعض بعض جگہ تو معاملہ اس سے بھی آگے تک چلا گیا ہے، جیسا کہ قدیم یونانی جمہوریتوں، ہندستانی پنچایتوں اور وسطی ایشیا کی مجالس شوریٰ (کرغثائی) اور قدیم عربی قبیلوں اور سامیوں کی مجالس مشاورت سے پایا جاتا ہے، مگر اس زمانے میں انگلستان میں مفکرین نے عام جمہوریت کے اصول و قواعد پر خاص طور پر نظر ڈالی ہے اور ایک خاص قسم کا جمہوری سانچہ تیار کیا ہے۔

جمہوریت کا نیا خاکہ | اس سلسلے میں ہمیں سترھویں صدی (۱۶۰۴-۱۷۰۴ء) کے ایک انگریز حکیم جون لوک کا نام خاص طور پر نمایاں نظر آتا ہے جس نے اپنی صاف، واضح، مدلل اور مؤثر تصانیف میں جمہوری نظام اور انفرادی اور اجتماعی حقوق و فرائض کو عملی اخلاقیات کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ مگر اس زمانے تک اشتراکیت اور اشتمالیت کا نظریہ نہ مکمل ہوا تھا اور نہ کسی نے اشتراکی معاشیات پر اتنی غائر نظر ڈالی تھی۔ کیمبرج موڈرن ہسٹری میں اشتراکیت یعنی سوشلزم کی تاریخ کے سلسلے میں حسب ذیل الفاظ تحریر ہیں:-

"اشتراکیت کی ولدیت ایک طرف تو رُوسو (Rousseau) کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے جسے اس کے اقتصادی پہلو کی خبر نہ ہوئی، اور دوسری طرف سین سیمون کی طرف جس نے اس کے جمہوری پہلو کو نظر انداز کر دیا۔ فشتے (Fichte) نے قریب قریب ان ہی خیالات کو فلسفے کا جامہ پہنایا اور روبرٹ اوئین نے اپنے الجھے ہوئے پروپگنڈا میں

یہی خیالات پیش کئے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوشلزم کا لفظ ۱۸۳۲ء سے پہلے بجز چند اشتمالی زندگی کی تجاویز کے ..... کبھی استعمال نہیں ہوا۔"

خیر ہمیں یہاں اشتراکیت اور اشتمالیت کی پوری تاریخ لکھنی مقصود نہیں۔ بلکہ مدعا صرف اس قدر ہے کہ یہ ظاہر کر دینے کے بعد کہ یہ "نظریہ" اپنی مکمل صورت میں زیادہ سے زیادہ سو برس پرانا ہے، اس نظریے کے امام اعظم یعنی کارل مارکس تک سلسلے کو پہنچا دیں۔ بیچ کی کڑیاں بہت ہیں مگر ہمارے موجودہ مقصد کے لئے یہ کافی ہے کہ ہم اس تذکرے میں ان کو نظر انداز کر دیں۔

کارل مارکس ابوئے اشتمالیت

کارل مارکس ایک جرمن یہودی تھا جس کا زمانہ ۱۸۱۸-۱۸۸۳ء تھا۔ اس کی فطرتی ذہانت، دقیقہ سنجی، جرأت آزما منطقی مزاج اور وسیع نظری نے اسے فلسفے کے مطالعے پر آمادہ کیا۔ اور اس کی علمی تحقیق نے بالآخر اسے نظریۂ اشتمالیت تک پہنچا دیا۔ نظریۂ اشتمالیت پر اس نے ایک مبسوط اور مدلل کتاب لکھی ہے جو عقائد اشتمالیت کی انجیل تصور کی جاتی ہے۔ اس کتاب کا جرمن نام تو داس کاپیتال ہے مگر اس کا ترجمہ "سرمایہ" کیا جائے تو ایک حد تک مفہوم ادا ہو جائے گا۔ "سرمایہ" کے تصنیف کئے جانے سے قبل کارل مارکس اور ایک انگریزی سوشلسٹ اینگلز نے ایک مشترک محضر ۱۸۴۸ء میں شائع کیا تھا۔ جو اشتمالیت کا ہمہ گیر دعوت نامہ تصور ہوتا ہے۔ اس میں اشتمالیت کے اصولوں کی وضاحت کی گئی ہے اور تمام دنیا کے "مزدوروں" کو متحد ہونے اور انقلاب کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ یہ محضر انگلستان کی سرزمین سے شائع کیا گیا تھا، کیونکہ مارکس کے خیالات نے اسے غریب الوطنی پر مجبور کر دیا تھا۔ حقیقت میں اس نے انگلستان کے مشہور کتب خانے "برٹش میوزیم" میں بیٹھ کر بڑی دیدہ ریزی اور عرق فشانی سے انگلستان کی مزدور جماعت کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنا نظریہ مکمل کیا تھا۔ اب اشتمالیت کے علاوہ خود اس کی ہیئت اصطلاح اور [redacted] ہو گیا ہے اور اس اعتبار سے اگر مارکس کو ابوئے اشتمالیت کہا جائے تو غلط صحیح نہیں ہوگا۔

مارکسیت کی بنیاد "ہمہ گیر استدلال"

مارکسیت ایک حکیمانہ مذہب ہے جس کا دارومدار عقلی دلائل

اور منطقی براہین پر ہے۔ جن اصولوں پر یہ مذہب قائم کیا گیا ہے ان کا بنیادی پتھر "مادی ارتقا" ہے یعنی یہ تمام کائنات مادیت کا کارخانہ ہے جو اپنے معینہ قوانین کے مطابق جادۂ ارتقا پر گام زن ہے۔ انسان اس سلسلۂ ارتقار کی ایک کڑی ہے، مگر ایسی کڑی ہے جو ارادے اور فعالیت سے متصف ہے۔

اس مذہب میں یہ مانا گیا ہے کہ انسان کی تاریخ کائنات عالم کی تاریخ کا ایک جزو ہے اور اس جزو کو گذشتہ ابواب سے ملا کر پڑھا جائے تو انسان کے سفر زندگی کی منازل صاف نظر آنے لگتی ہیں۔ فطرت کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر "وجود" کی ایک ضد ہوتی ہے اور ضدین کے تصادم سے ایک تیسرا "وجود" پیدا ہوتا ہے جس میں ضدین کے مخصوص خواص آجاتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ ضدین سے مختلف ہوتا ہے، پھر اس "وجود" کو ایک اور نئی نفی یا ضد سے واسطہ پڑتا ہے اور ان کے تصادم سے ایک چوتھا وجود پیدا ہوتا ہے۔ اسی سلسلے کے قائم رہنے کا نام ارتقا ہے۔ اس نظریے کے بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم اور مستقل کتاب کی ضرورت ہے، مگر عطر اور خلاصہ وہی ہے جو بیان ہوا۔ اس طرزِ استدلال کو اگر انسان کی تاریخ پر منطبق کیا جائے تو اس سے ایک نقشہ تیار ہوگا جو انسان کی ترقی پذیر فعالیت کا صحیح خاکہ ہوگا۔ اس خاکے کی تفصیل کہیں آگے آئے گی۔

حقیقت میں حکیم ہیگل نے یہ طرز استدلال مابعد الطبیعیات کے مطالعے اور حقیقتِ مطلق تک پہنچنے کے لئے وضع کیا تھا جسے فلسفے میں "استدلالِ ثلاثہ" بھی کہا گیا ہے۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ وہ حقیقت جس کی عقل کو تلاش ہے، محض حواس کے دروازوں سے واضح ہو کر سامنے نہیں آتی بلکہ بہت سے پردوں میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اس استدلال کے ذریعے سے وہ ان پردوں کے ہٹانے کا کام لیتا ہے اور بالآخر حقیقت مطلق یعنی خدائے ذوالجلال تک پہنچ جاتا ہے جس کا مظہر وہ کائنات عالم کو مانتا ہے۔ مارکس نے اس طرزِ استدلال کو تو اختیار کیا مگر اس نے کہا کہ "اسے سیدھا کر لینا چاہیے" یعنی نیچے سے اوپر کی طرف نہیں بلکہ اوپر سے نیچے کی طرف آنا چاہیے۔ چنانچہ اس نے عالم محسوس پر دار و مدار کر کے انسان کی تاریخ اور اس کے اعمال کے مختلف شعبوں اور زمانوں کو اس استدلال کی چھلنی

میں پھانا۔

تصادم ضدین اور خلاصۂ ضدین

مارکس نے اس "ہمہ گیر طرز استدلال" کو اپنے نظریۂ اشتمالیت کا سنگ بنیاد بنایا اور نوع انسان کی ترقی اور تاریخ کا معاشیاتی خوردبین سے مطالعہ کرکے، تجربے اور استحالے کے بعد وہی نتیجہ نکالا جو افلاطون نے نکالا تھا یعنی انسانی حرکات و سکنات کے ابتدائی محرک ناقابل انکار جسمانی تقاضے ہیں جن سے چارہ نہیں۔ جو قوانین قدرت ان تقاضوں میں کارفرما ہیں ایسے ہی ناگزیر اور لابدی ہیں جیسے طبیعی دنیا کے قوانین۔ پیدا ہونے کے دن سے بچے کی خوراک، پوشاک اور مختلف جسمانی ضرورتیں شروع ہو جاتی ہیں اور ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے جسمانی اور دماغی سرگرمیوں کا ایک پورا نظام درکار ہے۔ یہ نظام اجتماعی زندگی کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور اجتماعی زندگی انفرادی اور اجتماعی رشتوں جسمانی محنت اور دماغی کاوش کے قانون چاہتے ہیں۔ ایک طرف دنیا کے فطرتی خزانے ہوتے ہیں، دوسری طرف انسان کی دماغی کاوش اور جسمانی مشقت اور ان عناصر سے نوع انسان کا اقتصادی نظام تیار ہوتا ہے۔ اور اس نظام سے قانون، رسوم، روایتیں اور مذاہب مرتب ہوتے ہیں۔ ان تمام حقیقتوں کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ نوع انسان کی تاریخ معاشرتی اور معاشیاتی اصولوں کی کارفرمائی کی تاریخ ہے۔ اور ہر معلول حقیقت کی تہ میں فطرتی تقاضوں اور جبلی عادتوں کا جال بچھا ہوا ہے جس کے تجزیے سے اقتصادی اور معاشیاتی قانون اور اصول ترتیب پاتے ہیں۔ ان اصولوں کی روشنی میں گذشتہ زمانے کی تاریخ اور آنے والے زمانے کا نقشہ آئینہ یا جام جہاں نما بن جاتا ہے اور اس جام جہاں نما کے سمجھنے والے پوری پیش بینی سے کام لے سکتے ہیں۔

اس اجتماعی نظام کا تقاضہ ہے کہ اس میں ہر مثبت حقیقت کی ضد پیدا ہو اور ضدین کے تصادم سے ایک نئی حقیقت صورت پذیر ہو جو ضدین کا خلاصہ اور عطر ہو اور اس سلسلۂ تصادم ضدین اور خلاصۂ ضدین سے نظام نوع ترقی کرے اور مقصد حیات کی اگلی منزلوں تک پہنچے۔

انسانی تاریخ اور قیاس

اس نظریے کی مدد سے انسان کی تاریخ کو قیاس کی روشنی میں

دیکھا گیا ہے۔ عقلی و نقلی مواد، فطرتی اور مصنوعی آثار، مادی شواہد اور قرائن منطقی سے یہ نتیجہ نکالا گیا ہے کہ انسان بالکل ابتدائی زمانے میں جس کا امتدادِ زمانہ کے لحاظ سے یقینی تعین دشوار ہے، فطرتی زندگی کی ابتدائی صورت میں یعنی جدا جدا کنبہ بنا کے رہتا ہوگا۔ کنبے سے مراد ماں باپ اور بچے ہیں۔ فطرتی زندگی کا قدرتی اور پہلا مرکز کنبہ ہی ہے۔ پھر کئی کنبوں کی کڑیاں جڑ کر قبیلہ اور کئی قبیلے مل کر ایک بڑا گروہ بنتا ہے جسے قوم کہا جا سکتا ہے۔ اس ابتدائی زمانے میں دنیا کے ہر قسم کے ذخیرے بہت اور انسانوں کی آبادی کم تھی۔ اتطاع ارض کی جغرافیائی حالت اور خوراک کے سامان کی کثرت یا قلت کے اعتبار سے انسانوں کے کنبے اور قبیلے اپنی ضرورتیں پوری کرتے تھے۔ بڑی آبادی کی خوراک ایک قسم کی ہوتی ہوگی اور ساحلی آبادی کی دوسری، سرسبز و شاداب وادیوں میں رہنے والے پھلوں اور جانوروں کے شکار سے پیٹ پالتے ہوں گے اور دریاؤں اور سمندر کے کناروں کے رہنے والے مچھلیوں اور خودرو پھلوں وغیرہ پر گذارہ کرتے ہوں گے۔ اس زمانے میں کنبوں کا بڑا وقت خوراک کا سامان جمع کرنے، شکار کرنے اور اسی قسم کی محض ابتدائی ضرورتیں پوری کرنے میں صرف ہوتا ہوگا۔ انسان غاروں میں اور مچانوں پر رہتے ہوں گے، درختوں کی چھالوں، پتوں اور جانوروں کی کھالوں سے تن ڈھکتے ہوں گے۔ شکار کے لئے پتھروں اور لکڑیوں سے کام لیتے ہوں گے، جانوروں کی ہڈیوں کو بھی کام میں لاتے ہوں گے۔ غرض ابتدائی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے نہ معلوم کتنی مدت تک انسان "خوراک جمع" کرنے کے شغل میں کاٹا گیا۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کو حشرات الارض اور خونخوار درندوں کا بھی مقابلہ پیش آتا ہوگا اور دوسرے کنبوں سے بھی ٹکریں ہوتی ہوں گی آج بھی اس قسم کی ابتدائی زندگی کے نمونے دنیا کے غیر مہذب کونوں میں موجود ہیں۔

رفتہ رفتہ کنبے اور قبیلے بڑھ کر بڑے بڑے گروہ ہو گئے۔ ان گروہوں کی اجتماعی زندگی نے صرف خوراک، پوشاک اور رہنے سہنے ہی کے نہیں بلکہ انفرادی اور اجتماعی رشتوں کے نئے مسئلے پیدا کئے ہوں گے، بڑھتی ہوئی آبادی نے غلہ بدوشی کو دشوار بنا دیا ہوگا اور اتنی بڑی تعداد کا گذارہ محض خودرو پھلوں اور شکار کے گوشت پر ناممکن کر دیا ہوگا۔ یہ کہنا دشوار ہے

کہ یہ ابتدائی دور کتنی مدت تک رہا۔ مگر یہ یقینی امر ہے کہ بڑھتی ہوئی ضرورتوں نے اس "خوراک جمع" کرنے کے دور کو اگلی منزلوں کی طرف ڈھکیلا۔ تفصیلی حالات کے لئے تو ایک مستقل تصنیف درکار ہے مگر یہاں ہم موٹے موٹے ٹکڑوں پر اکتفا کریں گے۔ ابتدائی شکار کے دور میں انسان نے جنگلی جانوروں کے بچے پکڑ کر پال لئے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے ریوڑ اور گلے بن گئے اور ان کے گوشت اور دودھ پر عرصے تک گذر ہوتی رہی۔ ریوڑوں اور گلوں کا دور تو آج بھی موجود ہے۔ گھوڑے گدھے، بیل، اونٹ اور اسی قسم کے پالتو جانوروں کے سبب انسانی نوع کی معاشرت میں ایک تازہ اقتصادی عنصر داخل ہوگیا۔ اس سے اگلے دور کی طرف قدم بڑھا یعنی ادھر بڑھتی ہوئی آبادی کا تقاضہ تھا کہ اقطاع ارض میں پھیلیں اُدھر جو خانہ بدوشی سے تنگ آگئے ہوں گے انھوں نے مستقل بستیوں کی فکر کی ہوگی۔ ملکیت اور قبضے کے مسئلے پیدا ہوئے ہونگے۔ اب وہ زمانہ آچکا تھا کہ انسان کھیتی باڑی کا کام بھی شروع کردے۔ چنانچہ دریاؤں کی وادیوں دوآبوں اور زرخیز زمینوں میں مستقل بستیاں بسائی گئیں اور تہذیب کا چوتھا یعنی زراعتی دور شروع ہوگیا۔ اس زراعتی دور میں مصنوعات اور ابتدائی حرفوں کا وجود میں آنا بھی زندگی کے لوازم میں تھا۔ اور "تبادلہ" اجناس و اشیاء ضرورت کی رسم کا بھی آغاز ہونا ضروری تھا۔ ہر قدم پر اقتضاءیات کے سانچے میں تبدیلی ہوتی جاتی تھی اور انسانی ضروریات کے قوانین کی ترکیب کا نقشہ بدلتا جاتا تھا۔ مستقل آبادیوں کے نظام میں دیہاتی اور قصباتی، زراعتی اور تجارتی آبادیوں کی تقسیم اور دماغی، انتظامی اور پیشہ ور طبقوں کی تفریق کا پیدا ہونا لابدی تھا۔

نوع انسان کے قافلوں کے جس تہذیبی سفر کو یہاں چند لفظوں اور سطروں میں پورا کردیا گیا ہے وہ حقیقت میں ہزاروں برس میں اس منزل تک پہنچا ہوگا۔ اس دور میں بھوک پیاس، کپڑے لتے، گھربار اور ماں باپ بننے کی خواہشوں کو نسبتاً آرام اور اطمینان سے پورا کیا جاتا ہوگا۔ مگر اس منزل تک پہنچنے سے پہلے کنبوں، قبیلوں، گروہوں اور قوموں کو نہ معلوم کیسی کیسی سخت کشمکشیں پیش آئی ہوں گی اور کیا کچھ کشت و خون، جنگ و جدل نہ ہوا ہوگا۔

تہذیب کا پہلا تاریخی دور

یہاں سے مہذب اور غیر مہذب، متمدن اور خانہ بدوش قوموں اور گروہوں کی ایک تازہ تقسیم ہوجاتی ہے۔ اور دنیا بھر میں مختلف درجوں

کی تہذیب اور تمدن اور خانہ بدوشوں کی سرگرمیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ چین، وسط ایشیا، ہندستان، مصر قدیم اور یورپ کے بعض حصے آباد نظر آتے ہیں۔ مستقل آبادیاں عموماً بڑے بڑے دریاؤں کے کناروں پر بستی ہیں اور خانہ بدوش گروہ ایک خود رو چراگاہ سے دوسری چراگاہ کے سفر میں مشغول نظر آتے ہیں۔ گروہوں کے بزرگ اور فن سپہ گری کے ماہر قوموں اور گروہوں کے سردار بنتے ہیں۔ عام اخلاقیات اور مذہبوں کے ڈھانچے تیار ہوتے ہیں۔ قوموں کی جنگیں بڑے بڑے پیمانے پر ہونے لگتی ہیں۔ پیشوں اور حرفوں کی تقسیمیں شروع ہوتی ہیں۔ ملکیت، جائداد، قبضہ، رسوم زندگی، معاہدہ اور منظم اور متمدن زندگی کے قانون بنتے ہیں۔ سلطنتیں اور جاگیرداریاں قائم ہوتی ہیں۔ تجارت کا نظام قائم ہوتا ہے۔ انفرادی منافع کا فطری قانون کام کرنے لگتا ہے۔ تبادلۂ اجناس کی جگہ "سکہ" منجمد محنت اور مشقت کا نشان اور اجناس، اشیائے ضرورت اور محنت مزدوری کی "قیمت" بن جاتا ہے۔ اصل و سود کی رسم جاری ہوتی ہے۔ متمدن و مہذب زندگی کا جال پھیلتے پھیلتے اتنا پیچیدہ ہو جاتا ہے کہ ہر کام کے لئے ایک جداگانہ پیشہ اور ہر پیشے میں مقابلہ اور مسابقت کا دور شروع ہو جاتا ہے۔

اب انسان کے چند کنبے بڑھتے بڑھتے کروڑوں کی تعداد میں آباد نظر آتے ہیں۔ ایک باپ کی اولاد ہزار برس میں ایک دوسرے سے بیگانہ اور ایک دوسرے کے خون کی پیاسی نظر آنے لگتی ہے۔ خوش حال اور ناداراں، ذی فہم اور بیوقوف، ہوشیار اور غبی، محنتی اور کاہل کی تعیینیں ہو جاتی ہیں۔ زیادہ منظم قومیں منتشر اور کمزور آبادیوں کو زیر نگیں کرنے لگتی ہیں۔ اس دور میں پہلے قوموں کی سرداری اور پھر شاہی اور شہنشاہی چمکتی ہے۔

شاہی نظام جاگیرداریوں اور منصب داریوں کے نقشے کو مرتب کرتا ہے، اور متمدن آبادیوں کی بڑھتی ہوئی ضرورتیں مصنوعاتی نظام کو تجارتی شیرازے میں باندھتی ہیں۔ ملکیت، قبضہ اور منافع کے محرکات اس نظام کو ترقی دیتے ہیں۔ تجارتی اور مصنوعاتی نظام چھوٹے اور گھریلو پیمانے سے بڑے اور منظم پیمانے پر پہنچ جاتا ہے۔ مصنوعات کی مانگ انفرادی دستکاری کو کلوں اور کارخانوں کی مصنوعات سے بدل دیتی ہے۔ اور اس طرح ایک نیا نظام تہذیب

پیدا ہوجاتا ہے اور یہ انقلابات وسائل مصنوعات اور ذرائع پیداوار کی تبدیلیوں سے رونما ہوتے ہیں۔

سرمایہ داری کا نظام کاشتکاروں کی ہمیشہ ہر نظام میں باقی شہری، قصباتی اور دستکار یا مزدور پیشہ آبادی کے مقابلے میں کثرت ہوتی ہے اور قدرتی طور پر یہ آبادی بکھری ہوئی ہوتی ہے اور زمینوں کی کاشت کی وجہ سے مجبور ہوتی ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ اسی طرح دستکار، شہروں میں بسنے والے، تاجر پیشہ اور مزدور پیشہ طبقے اجتماعی صورت میں ایک ہی جگہ جم کر رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اور اس طرح رفتہ رفتہ وہ چھوٹے نظام جن میں پہلے صرف قبیلوں کے سردار حکومت کرتے تھے بادشاہوں کے بڑے نظام بن جاتے ہیں۔ قوموں کے سرداروں اور شاہی حاشیہ نشینوں کو جاگیریں عطا ہوجاتی ہیں اور حاکم اور رعایا کی تقسیم بن جاتی ہے۔ اس شاہی اور جاگیردارانہ نظام میں "انفرادی منافع اور ملکیت" کے محرک اصول شدت سے کام کرنے لگتے ہیں اور تجارت اور مصنوعاتی کارخانوں کے بڑے بڑے اجارہ دار پیدا ہوجاتے ہیں۔ مسابقت اور مقابلہ کے فطری قوانین ان بڑے اجارہ داروں اور سرمایہ داروں کو گروہ بندی پر مجبور کرتے ہیں، اور یہ سرمایہ دارانہ گروہ بندی پرانے شاہی نظام کو شہنشاہیت کے وسیع تر حریص تر اور ہوس افزا نظام میں تبدیل کردیتی ہے۔ اور بالآخر شہنشاہیت اور سرمایہ داری ایک ہی نظام کے سیاسی اور تجارتی رخ بن جاتے ہیں جس میں سرمایہ داری حقیقت میں شہنشاہیت کو آلۂ کار بنالیتی ہے۔

طبقاتی جنگ اس مرحلے پر پہنچ کر سرمایہ داری کا نظام دنیا کے ہر شعبے میں بہت بڑی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ علوم و فنون، صنعت و حرفت اور تہذیب کے کل کارخانے سرمایہ داری کی چھاؤں میں بڑی ترقی کرتے ہیں اور اقلیت کا معیار زندگی اور عیش و عشرت کا پیمانہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اکثریت اور اقلیت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آنے لگتا ہے۔ یہاں نظریاتی اصول کو منطبق کیا جائے تو سرمایہ داری ایک مثبت حقیقت بن جاتی ہے اور مزدور پیشہ طبقہ اس کی ضد ہوجاتا ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس

"مزدور طبقہ" میں کاشتکار شریک نہیں ہیں۔ اس پر ہم کسی دوسری جگہ نظر ڈالیں گے۔ اب نظامِ سرمایہ داری ایک مثبت حقیقت ہے اور "مزدور پیشہ طبقہ" اس کی ضد تو تصادم ضدین لازمی ہو جاتا ہے۔ اس تصادم کو اشتالیت کے نظریے میں "طبقاتی جنگ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طبقاتی جنگ نظریاتی پہلو سے اس لئے ناگزیر ہے کہ سرمایہ داری کا نظام انفرادی ملکیت اور منافع پر قائم ہے اور منافع کی حرص، مسابقت اور مقابلہ کے اصولوں کے ماتحت مزدور پیشہ طبقے کی محنت کی جائز مزدوری کاٹنا جائز سمجھتی ہے۔ دنیا کے سرمایہ دارانہ نظام نے (باوجود اس کے کہ ہر فرد دوسرے کو رقیب گردانتا ہے) مزدوروں کے مقابلے میں تمام رقیبوں کو متفق اور متحد کر دیا ہے۔ اور اسی وجہ سے تمام مزدور بھی متحد اور متفق ہو کر اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ کاشتکار اس جنگ کا کارگر عنصر نہیں بن سکتا، لیکن اگر تمام مزدور اتفاق اور اتحاد کر لیں تو وہ اس انفرادی ملکیت کے سرمایہ دارانہ نظام کو معطل اور مفلوج کر سکتے ہیں۔ اور اسی نظریے کے مطابق وہ ایسا کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

شہنشاہیتوں کی جنگ اس نظریے کا یہ بھی نتیجہ ہے کہ گو مزدوروں کے مقابلے میں تو سرمایہ دار رقیب متحد اور متفق ہو جاتے ہیں مگر حرص اور طمع کا جذبہ سرمایہ دارانہ شہنشاہیتوں کو ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا دیتا ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ شہنشاہیتیں ایک دوسرے کو زک پہنچانے اور تمام دنیا کو ایک ہی سرمایہ دار شہنشاہیت کا محکوم اور تابع بنانے پر مجبور ہیں اور اس غرض کے لئے وہ تمام حربے استعمال کرتی ہیں، اور اکثریت یعنی کسان اور مزدور کو بھی اس مطلب کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ مگر ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ یہ سارا نظام ان شہنشاہیتوں کے تصادم سے درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ اور مزدور پیشہ طبقے کو اپنی حکومت یا ڈکٹیٹری قائم کرنے کا موقع ملے گا۔

مزدور طبقہ کی حکومت اس کے ساتھ ہی اس نظریے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انسان کی سرگرمیوں کی تاریخ نوعِ انسان کی اکثریت کی خواہش اور خواہش کو عملاً پورا کرنے کی تاریخ ہے۔ اس لئے جس وقت اکثریت کی خواہش کا اندازہ ہو جائے، تو ایک کارفرما، جوشیلی اور جنگجو اقلیت کو چاہئے کہ وہ بجائے اس کے کہ واقعات کی آہستہ رفتار کا انتظار کرے "تاریخ" کو آگے ڈھکیل دے"

اور ایک متشدد انقلاب کر کے حکومتوں کی باگ ڈور خود ہاتھ میں لے لے اور ایک نئے دور اور نئے نظام معاشرت، تمدن، اقتصادیات اور مادی اخلاقیات کو پورے انتظام اور استقامت کے ساتھ نافذ اور قائم کر دے۔ اس نئے نظام میں انفرادی ملکیت، منافع، مسابقت، مقابلہ اور کسی قسم کی انفرادی خود غرضی کی جگہ نہ ہوگی۔ "ہر متنفس کل نوع انسان اور کل نوع انسان ہر متنفس کے مفاد کے لئے سرگرم کار نظر آئے گا" اور دنیا کے تمام قدرتی اور فطرتی خزانے کل نوع انسان کے مفاد کے لئے کام میں لائے جائیں گے۔ مذہبوں کی دیواریں لوگوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں رکھیں گی، اور انفرادی آزادی صرف اجتماعی مفاد کی پابندی پر تو مجبور ہوگی ورنہ اور کسی قسم کی رسمی اور قانونی پابندی کسی شخص پر عائد نہ کی جائے گی۔ ہر شخص کے فرائض اور حقوق یکساں ہوں گے، اور ہر متنفس کو پورا موقع ہوگا کہ وہ اپنی خداداد قابلیت کی معراج کو پہنچے اور جب تمام دنیا میں یہ اشتراکی یا اشتمالی نظام جاری اور ساری ہو لے گا تو خود مزدور طبقے کا حکمرانہ اقتدار بھی شفق کے رنگ کی طرح آہستہ آہستہ خود بخود مفقود ہو جائے گا۔

اس دنیا اور اس کے خفیہ اور ظاہر خزانوں اور فطرت کے پوشیدہ رازوں کے صحیح وارث نوع انسان کے کل افراد انفرادی اور اجتماعی صورت میں ہیں اور یہ حق کسی خاص فرد، جماعت، مخصوص قوم یا نسلی گروہ کو تنہا نہیں پہنچتا۔ شخصی اقتدار، مطلق العنان حکومت اور انفرادی ملکیت نوع انسان کے فطرتی حقوق اور قدرتی ورثہ کی نفی ہے، اور عوام کو حق ہے کہ وہ اس قسم کے غاصبانہ اداروں کا خاتمہ کر دیں۔

اشتمالیت اور مذہب اشتمالیت کے نظریے میں "مذہب" افیون کی چسکی سے زیادہ نہیں۔ لوگ مذہب کی سرشاری میں اپنے جائز حقوق اور سرگرمیوں سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں علم النفسیات کے استاد اور ماہر فلسفہ کی تحقیق کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان پیدائش کے وقت سے اپنے گرد و پیش کے اثرات کو اسی طرح قبول کرتا ہے جس طرح ایک سفید کپڑا اس رنگ کو جس میں اسے ڈبو دیا جائے۔ وہ اس کا بھی قائل ہے کہ فطرت انسانی کو جس طرح ڈھالا جائے ڈھل سکتی ہے اشتمالی نظریے میں انسانوں کی قدیم اور روایتی عادتیں اور جبلی خصلتیں گرد و پیش کے حالات بدل دینے سے قطعاً بدلی جا سکتی ہیں اور فطرتی خود غرضی کو محض تعلیم اور تربیت سے بیخ و بن سے

اکھاڑا جاسکتا ہے، خود غرضی کے استیصال کے ساتھ اجتماعی مفاد کی خاطر سرگرم کار ہونے کا جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے۔ بہرکیف مذہب اور اخلاقی پابندیوں کی ان رکاوٹوں کی جو قدیم نظام زندگی کی پیداوار ہیں ایک ایسے نظام زندگی میں جس کا دارومدار تمامتر عقل، تمیز فطری اور گرم جوشی حیات پر ہے، قطعی گنجائش نہیں ہے۔ انسان ایمان بالغیب اور علم بالوحی کی تنگنائے سے نکل کر اپنی زندگی ذاتی عقل، کاوش ذہنی اور تمیز فطری کی روشنی میں بسر کرے تو دنیاوی اور مادی ترقی کے نئے دروازے آپ سے آپ کھل جاتے ہیں اور بے چون وچرا تقلید کی رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ یہ تمام باتیں نظریۂ اشتمالیت کا ضروری اور اتنا ہی اہم جزو ہیں جتنا اس کا معاشیاتی پہلو۔

نظریۂ اشتمالیت اور بعض اور امور

نظریۂ اشتمالیت پر مختلف پہلوؤں سے مختلف قسم کے اعتراض وارد ہوتے ہیں ان میں سے ہم صرف ان کی طرف اشارہ کریں گے جو عقل، تمیز فطری اور ذہنی کاوش پر انحصار کرنے والے مفکرین کی جانب سے ہوتے ہیں۔ (۱) کہا جاتا ہے کہ اس نظریے میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ اس میں تعمیری نقشہ مکمل نہیں کیا گیا۔ انفرادی ملکیت اور منافع کی حرص کا استیصال کر دینے کے بعد موجودہ نظام زندگی کا سارا ڈھانچہ بدل جاتا ہے اور موجودہ قوانین کا سارا ذخیرہ دفتر پارینہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مگر پھر اس کے بعد جو نظام زندگی قائم ہونا چاہیے اس کی تفصیلات پر نظر نہیں ڈالی گئی۔ اس بوسیدہ گھر کو گرا دینے کے بعد جو نیا گھر تعمیر ہونا ہے اس کا نقشہ مکمل اور تفصیلی صورت میں اس نظریے میں نہیں بیان کیا گیا۔ حتی کہ یہ بھی صاف نظر نہیں آتا کہ محنت مزدوری کا معاوضہ اور اجرت کیا اور کس ڈھنگ سے طے ہوگی۔ مختلف ممالک میں خود مزدوروں کے طبقوں کا معیار زندگی مختلف ہے۔ امریکہ کے مزدوروں کی ایک یا دو روز کی مزدوری ہندوستان کے مزدوروں کے بعض طبقوں کی مہینہ بھر کی مزدوری سے زیادہ ہے ان کا طرز معاشرت ہندوستان کے نچلے اوسط طبقے سے بہتر ہے اس صورت میں چین اور ہندوستان کے غریب مزدوروں کی خاطر ترقی یافتہ ملکوں کے مزدور اپنے معیار زندگی کو کیوں گھٹائیں اور ظاہر ہے کہ اگر دنیا بھر کا نظام بھی صرف مزدور طبقے کے ہاتھ میں آجائے تو ترقی یافتہ ملکوں کا معیار پست اور پس ماندہ ملکوں کے معیار سے اونچا رہنا

لازمی ہے کیونکہ ہر فرد کو اس کی ضرورت کے مطابق محنت کا معاوضہ ملے گا اور اسے اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کام کرنا پڑے گا۔ ان پیچیدگیوں کا کیا حل ہے اور محنت مزدوری کا معیار کیا قرار دیا جائے گا، بات صرف عام خاکوں اور اصولوں کے بیان کر دینے سے ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ایک نظام کے ختم کرنے کے بعد اور دوسرے نظام کا مکمل اور تفصیلی نقشہ بھی سامنے آنا چاہیے۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب نئے نظام کا مرکزی مدعا اور مقصد "جمہوریت" اور اکثریت کو اقلیت کے مقابلے میں برسر اقتدار لانا ہے، تو صرف مزدور پیشہ طبقے کی تحکمانہ حکومت کے کیا معنی۔ اگر کاشتکار کا شمار مزدور پیشہ طبقہ میں نہیں کیا جاتا تو ظاہر ہے کہ مزدور پیشہ طبقہ کاشتکاروں کے مقابلے میں اقلیت میں رہ جاتا ہے۔ اور اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اقلیت بھی "قوت" اور "اقتدار" کی اجارہ داری کی حرص سے مغلوب نہ ہو جائے گی اور (بجائے مزدور طبقہ کی تحکمانہ حکومت کے رفتہ رفتہ رنگ شفق کی طرح اڑ جانے کے) ایک نئی "حاکم جماعت" دنیا میں پیدا نہ ہو جائے گی؟ بہرصورت چونکہ انقلاب کرنے اور کرانے کی ذمہ داری بھی "ایک اقلیت" کی بنا دی جاتی ہے، کیا یہ ممکن نہیں کہ جن خرابیوں کا استیصال مقصود ہے وہی کسی دوسری صورت میں رونما ہو جائیں اور وہ قوت جو اکثریت کے ہاتھ میں آنی چاہیے پھر ایک اقلیت کے چند اشخاص کے ہاتھ میں چلی جائے۔

(۳) تیسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اگر "ہمہ گیر استدلال" کے مبادیات درست ہیں اور تصادم ضدین کا نظریہ صحیح ہے تو وہ "مرکب" جو سرمایہ داری اور مزدور طبقے کے تصادم سے پیدا ہوگا، خود ایک مثبت حقیقت بن جائے گا اور اس کی ضد کا وجود میں آنا اور پھر تصادم ضدین ہونا لازمی ہے۔ اس اعتبار سے دائمی امن اور استیصال جنگ محال ہے۔ بلکہ معاملہ صرف اس حد تک پہنچتا ہے کہ طبقاتی جنگ کا نقشہ بدل جاتا ہے اور معرکہ آرائی کے لئے ایک نیا میدان عمل جاتا ہے جس کے آلات حرب اور مہمات نئے ڈھنگ کے ہوں گے۔ اعتراضات بہت سے ہیں مگر ہم نے صرف تین موٹی موٹی سرخیاں یا عنوان چھانٹ لئے ہیں۔

جواب | ان تمام اعتراضات کے جو جواب دیئے جاتے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے

کہ اس نظریے کی جان یہ ہے کہ عقل اور تمیز فطری واقعات اور حالات کو ہمیشہ اس نگاہ سے دیکھے کہ ان کا اشارہ کس منزل کی طرف ہوتا ہے۔ نظریے کی اصطلاح میں اسے حقیقت معنوی یعنی حقیقت متقاضی کا مطالعہ کہتے ہیں اور حقیقت معنوی حقیقت ظاہری کے تسلسل سے مرتب ہوتی ہے۔ کارفرما دماغوں کا فرض ہے کہ وہ کوئی قدم اٹھانے سے پہلے حقیقت معنوی کے تقاضے پر غور کریں اور تعلیم و تربیت، نشر و اشاعت اور ہر ممکن ذریعے سے دماغوں کو نظریاتی انقلاب کی طرف مائل کریں۔

تعمیری نقشے کے نامکمل ہونے کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ انقلاب سے جو حقیقت وضع وجود میں آئے گی وہ اپنے تقاضے کا خود راستہ نکالے گی۔ عام اصول اور خواہشوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اس دروازے سے راہ خود نظر آنے لگے گی۔ "اقلیت" کی تحکمانہ حکومت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ اسے ایک چند روزہ عارضہ تصور کرنا چاہیے جس کے بعد مکمل صحت لازمی ہے۔ نظریاتی تصادم ضدین کی نسبت یہ جواب دیا جاتا ہے کہ موجودہ نظام میں ضدین صرف انفرادی ملکیت اور طمع منافع کا نتیجہ ہیں۔ ان دونوں علتوں کے استیصال کے بعد خود مرض کا استیصال ہو جائے گا۔ اگر کوئی نئی ضد پیدا ہوگی بھی تو حقیقت واضع کا تقاضہ خود اپنی راہ نکال لے گا۔

ان جوابوں کے باوجود بہتیرے مفکر آج بھی ایسے ملتے ہیں جو اشتراکیت یعنی سوشلزم کے شدت سے حامی ہیں مگر جن کی ان جوابوں سے تشفی نہیں ہوتی۔ بہرکیف ہمارا مقصود ان تمام تفصیلات کی داستان بیان کرنا نہیں بلکہ پڑھنے والوں کو چند موٹی موٹی باتوں سے آگاہ کر دینا ہے۔ متجسس طبیعتیں مفصل اور مبسوط کتابوں کی طرف خود متوجہ ہو سکتی ہیں۔

فلسفہ اور حکمت کی رو سے مارکسی نظریۂ مادیات اور قدیم اور جدید کمال طلب حکمت کے نظریات میں سب سے بڑا فرق یہ ہے کہ مارکس کا نظریۂ مادیات عالم موجودات کو جز تقلیل کا کارخانہ مانتا ہے اور ترقی کو جز تقلیل کے لابدی نتائج ٹھیراتا ہے اور کمال طلب مذاہب حکمت آج بھی ارسطو کے نظریۂ علت و معلول کے قائل ہیں اور ان کا ایمان ہے کہ عالم موجودات کی ترقی اس لطیف ترین علت نمائی کی مرہون ہے جسے کمال مطلق کہنا چاہیے

اور یہ کمال مطلق ایک مقناطیس کی طرح عالم موجودات کو کمال کی منزل کی طرف کھینچ رہا ہے، یعنی انقلاب یا ترقی کا "سبب اعلیٰ" مستقبل لایزال میں پنہاں اور عالم موجودات کی منزل ہے نہ کہ زمانۂ ماضی کا سلسلۂ عمل۔ یہ ایک گہرا اور قابل غور مسئلہ ہے مگر اس کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں۔

افلاطون سے بھی مارکس کا اختلاف ظاہر ہے۔ افلاطون نے فطری تقاضے کو علت انتقاد قرار دیا اور مارکس ذرائع پیداوار و وسائل مصنوعات کی تبدیلی کو وجہ ترقی قرار دیتا ہے۔ بہرکیف ان دماغوں میں جنھوں نے روس کے انقلاب کو موجودہ شکل دے دی یہی اشتمالیت کا نظریہ کام کر رہا تھا۔

اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم روس کے حالات اور اس ملک کی تاریخ پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لیں تاکہ "ہمہ گیر استدلال" اور "حقیقت واضح" کے تقاضے کسی حد تک تو پورے ہو جائیں۔ یہ تو ناممکن ہے کہ یہاں روس کی مکمل تاریخ پیش کی جائے۔ یہ کام تو ایک ضخیم تصنیف کا مستحق ہے مگر ہاں ایک اڑتی ہوئی نظر ضرور ڈالی جا سکتی ہے۔

ملک روس کا رقبہ، آبادی اور مذاہب

ملک روس کا رقبہ آج اسی یا نوے لاکھ مربع میل اور آبادی اٹھارہ یا انیس کروڑ کے درمیان ہے۔ یہ ملک نقشوں میں ایشیا اور یورپ دونوں براعظموں کی پیشانی نظر آتا ہے۔ شمال میں بحر منجمد ہے، مشرق میں بحرالکاہل، مغرب میں بحیرۂ بالطیک، سویڈن اور ناروے کا جزیرہ نما اور پولینڈ اور جنوب میں ہنگری، رومانیہ، بحر اسود، ترکی، ایران، افغانستان، ہندوستان، تبت اور چین کی سرحدیں ہیں۔

اس ملک میں عیسائی، یہودی اور مسلمان مذاہب کے لوگ اشتمالی عقائد کے پیروؤں کے دوش بدوش رہتے ہیں۔ اشتمالی عقائد کے پیروؤں کی تعداد ۱۹۳۱ء تک آٹھ لاکھ کے قریب تھی۔ پچھلے دس برس میں نہ معلوم اس تعداد میں کتنا اضافہ ہوا ہے۔ جنوبی روس اور وسطی ایشیا کی ریپبلکوں میں قریب قریب کل آبادی مسلمان ہے، گویا ایک تہائی کے قریب قلمرو روس کی آبادی مسلمان ہے اور اس آبادی کی سرحدیں بھی عموماً ان ممالک سے

متصل ہیں جن کی قریب قریب ساری آبادی مسلمان ہے مثلاً ترکی، ایران اور افغانستان۔ چین کے اس صوبے میں جسے سنکیانگ کہتے ہیں اور جس کا سلسلہ شمالی ہند کے گلگت اور چترال کے علاقوں سے متصل یا ملحق ہے مسلمانوں کی آبادی ہے۔ اس کے علاوہ وسطی ترکستان، ازبکستان، تاجکستان، آذربائیجان، مازندران اور بحیرۂ خضر اور بحر اسود کی ساحلی آبادیوں، بلس عربیہ کے اس علاقے میں جو ابھی رومانیہ سے لیا گیا ہے نیز گرجستان میں جو سٹالن کا وطن ہے مسلمان آباد ہیں۔ عیسائی زیادہ تر شمالی اور شمال مغربی روس اور سائبیریا کے حصوں میں آباد ہیں۔ یورپی روس میں یہودی بھی پائے جاتے ہیں بالخصوص شمال مغربی روس میں۔

اگر اشتمالیت کو بھی مذہب کا درجہ دیدیا جائے تو ہم روس کا سرکاری مذہب اشتمالیت کو مان سکتے ہیں۔

روس کی آبادی کا نسلی تعلق

انھیں چھوڑ کر جو آج بھی ایشیا میں آباد ہیں روس کی باقی آبادی بھی بڑی حد تک ایشیائی نژاد ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کل روس کی تین چوتھائی آبادی کے آباؤ اجداد مشرقی تھے تو شاید یہ بھی حقیقت کا پورا اظہار نہ ہوگا۔ روس تو روس فن لینڈ اور پولینڈ مغرب میں اور یورپ کی مشرقی سرحد سے ہنگری تک وسط یورپ کی آبادی کا بیشتر حصہ وہ ہے جن کے بزرگوں کا اصلی وطن شرق میں تھا۔

بعض محققین کا یہ قول ہے کہ دنیا کے مختلف اقطاع انسانی تہذیب کے گہوارے رہ چکے ہیں یعنی بنی آدم کی تہذیبی طفولیت کا پالنہ صرف ایشیا ہی کا براعظم نہیں ہے۔ بلکہ شمالی یورپ کا وہ علاقہ جو بحر منجمد سے ملحق ہے، افریقہ کا وہ حصہ جو دریائے نیل سے سیراب ہوتا ہے، چین اور ہندوستان کے وہ علاقے جن میں بڑے بڑے دریاؤں کی وادیاں ہیں آگے پیچھے ایک ہی وقت میں بنی نوع انسان کی تہذیب کے ہنڈولے رہے ہیں۔ کچھ محققین سرزمین عرب کو جس میں سومیریہ، بابل نینوا اور اور قدیم قوموں کے وطن شریک ہیں، بنی آدم کا ملجا و ماوا تصور کرتے اور تمام نوع انسان کو حامی اور ہامی قبیلوں اور نسلوں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔ یہ بحث تو طویل ہے مگر تاریخی شہادتوں اور اغلب قرائن

سے یہ بات روشن کی طرح ظاہر ہے کہ انسانی تہذیب کی پود پہلے مشرق کے افق پر پھٹی اور تمدن کی کرنیں اسی سرزمین سے اقطاع عالم میں پھیلیں۔ اس مشرقی افق کی سرحدوں میں وادیٔ نیل اور وادیٔ دجلہ و فرات بھی آجاتے ہیں۔

جملہ معترضہ | محققین کا ایک گروہ جس میں مرحوم بال گنگادھر تلک بھی شریک ہیں اس خیال کا ہے کہ نوع انسان کی اس شاخ کا جسے آریا نسل کہا جاتا ہے اصلی مولد و مسکن بحر منجمد شمالی کے ساحلی اقطاع میں تھا۔ اور اس زمانے کا تعین ہزاروں برس پہلے کیا جاتا ہے خود تلک کی تحقیق کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ منجمد شمالی میں آریائی قیام کے زمانے کو ساڑھے چار ہزار برس سے اونچا تصور کرتے تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ یونانیوں اور ایرانیوں کی اصل بھی آریا تھی اور وہ جرمنوں اور شمالی یورپ کے باشندوں کو بھی آریا نسل سے مانتے تھے۔

اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو ممکن ہے کہ آریا نسل اپنے منجمد شمالی وطن کو چھوڑنے کے بعد یورپ اور ایشیا میں پھیلی ہو اور اس نسل کے کچھ لوگ بحر اسود اور بحیرۂ خضر کے اطراف میں اور کچھ مغربی یورپ اور باقی وسط ایشیا، ایران، افغانستان اور ہندستان آئے ہوں۔ مگر اس نظریے کی صحت کوئی یقینی نہیں ہے۔ تحقیق کا میدان وسیع ہے اور ابھی محققین کسی آخری فیصلے تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔

مسلمہ تاریخی شہادت ایرانی، یونانی، رومی اور دوبارہ ایشیائی اقتدار | مسلمہ تاریخی شہادت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ گوتم بدھ کی ولادت (پانچ سو سال قبل مسیح) سے کئی سو سال پہلے ایرانی آریاؤں کی سلطنت اس زمانے کی مہذب دنیا میں ایشیائی طاقتوں میں چین اور مصر سے کم درجے کی نہ تھی۔ ہندستان کے آریا تو ہندوکش پار کرنے کے بعد ایک ایسے ملک میں پہنچ گئے تھے جس کی بری سرحدیں آسمان بوس پہاڑوں کی گودی میں محفوظ تھیں اور اس ملک کی وسعت اور اس کی اصل آبادی اور اونچے درجے کی متمدن و اور قوموں کے مقابلے نے انھیں ان سرگرمیوں پر قانع رکھا جو اس نقل وطن سے لازم ہو گئی تھیں۔ ہندستان کے یہ نئے مہمان اپنے ہی بھائی بندوں کے جتھوں کو وسط ایشیا اور افغانستان میں بھی چھوڑ آئے تھے۔ ایرانی

آریاؤں کے سامنے مشرق، مغرب اور شمال کے وسیع ملکوں کے راستے کھلے تھے۔ چنانچہ اس زمانے میں ایران کی قومی اور منظم سلطنت کا پھیلاؤ متذکرہ بالا تینوں سمتوں میں جاری تھا۔ دارائے گشتاسپ کے زمانے تک خطا و ختن، پنجاب شمالی سندھ، بلوچستان تک مشرق میں، یونان تک مغرب میں، شمالی مصر کی سلطنت کی سرحدوں تک جنوب میں اور جنوبی روس یعنی بحر اسود کے ملحق علاقے تک شمال میں ایران کا اقتدار تھا۔ اس کے بعد یونان اور مقدونیہ کا اقتدار بڑھا اور قدیم ایرانی سلطنت کے علاقوں میں پھیل گیا۔ یونان اور مقدونیہ کے بعد روم کی باری آئی اور روم کے زوال کے بعد بیزنطی اقتدار جنوبی روس میں قائم ہوا اور پھر روسی علاقے کا بیزنطی اقتدار مغل خوانین، تاتاریوں اور ترکوں کے ہاتھوں سے زیر و زبر ہوتا رہا۔ اس مدوجزر میں سات آٹھ سو برس قبل مسیح اور ساڑھے آٹھ سو برس بعد مسیح گذر گئے۔

روس میں یورپی حکومت کا آغاز ۸۶۲ء

رومی شہنشاہیت کا زوال شروع ہوتے ہی یورپ میں افراتفری پڑ گئی۔ شمالی یورپ کی جنگجو قوموں نے ہر چہار طرف تگ و تاز اور لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ ان جرمی قزاقوں نے انگلستان، فرانس، جرمنی، ڈنمارک اور سسلی کے جزیرے تک معرکہ آرائیاں کیں اور کہیں کہیں حکومت بھی قائم کر دی۔

ساتویں صدی کے آخر اور آٹھویں کی ابتدا میں مسلمان عربوں نے ایران کی سلطنت کو فتح کیا اور ایک طرف ایران کے بلوچی، کرمانی اور سندھ کے علاقے پر، دوسری طرف بحیرۂ خضر کے شمال، خطا و ختن اور مشرقی روس کے جنوبی حصے تک اور تیسری طرف بیزنطی حکومت کے کل عربی علاقوں یعنی شام وغیرہ تک قابض ہو گئے۔ نویں صدی کے آخر میں مشرقی روس کی جنوبی سرحدوں پر وسط ایشیا سے بحر اسود تک مسلمانوں کی حکومتیں نظر آنے لگیں۔

۸۶۲ء میں رُورک (Rurik) اپنے شمالی قزاقوں کو لے کر روسیوں پر ٹوٹ پڑا اور بحیرۂ بالطیک سے بحر اسود تک اس کا اقتدار ہو گیا۔ کم و بیش تین سو برس تک رورک کا خاندان مغربی روس میں حکمراں رہا۔ اس زمانے میں حکومت کا نظام جاگیرداری نظام تھا۔ مقامی جاگیردار زمینوں اور شہروں کے مالک ہوتے تھے اور "رعایا" ان جاگیرداروں کے غلاموں اور کمیوں کی حیثیت سے زمینیں جوتتی بوتی تھی۔ اس تین سو برس کے عرصے میں بھی مشرقی روس کی

ایشیائی آبادی، وسط ایشیا کے خانہ بدوش خوانین، تاتاریوں، ترکوں، ایرانیوں اور بحیرۂ خضر کے اردگرد اور بحر اسود کے جنوب اور مشرق میں ارمنی یعنی ایران نژاد عیسائیوں اور بیزنطیوں کے حوالہ رہی۔ ہزارویں صدی کے آخر میں ترک اور عرب یورپ کے مشرق میں پہنچ چکے تھے بیزنطی حکومت کا چراغ قسطنطنیہ میں ٹمٹما رہا تھا۔ مشرقی روس میں مغلوں اور تاتاریوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔

فلادیمیر اور اسلام | رورک کے خاندان میں ۹۸۰ء میں ایک حکمراں پیدا ہوا جس نے پینتیس برس تک بڑی شان و شوکت اور اولوالعزمی سے حکومت کی۔ اس گرم جوش اور حوصلہ مند بادشاہ کا نام فلادیمیر تھا۔ اس نے روس کے نظام زندگی میں انقلابی تبدیلیاں کیں۔ لباس، وضع قطع، طرز معاشرت کل شعبوں میں بڑی بڑی تبدیلیاں ہوئیں اور شاندار عمارتیں اور شہر بنے۔ اس انقلاب پسند بادشاہ نے صرف یہیں تک قناعت نہیں کی بلکہ مذہب کے مسئلے کو بھی ہاتھ میں لیا۔ ابھی تک روس کے اس علاقے میں جو فلادیمیر کی قلمرو میں تھا مذہبی عقائد کا عجیب حال تھا۔ عموماً شمالی فاتحوں کے مذہب کی پیروی ہوتی تھی۔ فلادیمیر اس مذہب سے بددل تھا اور یہ چاہتا تھا کہ مہذب اور متمدن دنیا کے کسی ایسے مذہب کو رائج کرے جو اس زمانے کے مذاہب میں بہترین نظر آئے۔ بلغاریہ تک اسلام پہنچ چکا تھا۔ چنانچہ علاوہ عیسائیت کے فلادیمیر نے اسلام کے متعلق بھی تحقیقات کرائی۔ اور اگرچہ بعض اور اعتبار سے وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوا مگر محض اس وجہ سے کہ "شراب سے روسیوں کا عیش وابستہ ہے اور وہ اس مسرت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے" اس نے اسلام کو خارج از بحث قرار دے دیا، اور بالآخر یونانی مذہب عیسائیت خود بھی اختیار کیا اور اپنی تمام قلمرو میں جبریہ رائج کرادیا۔ فلادیمیر کے انتقال کے بعد اس کے جانشینوں میں ۱۲۲۴ء تک سخت اور شدید مناقشے جاری رہے اور رورک کے خاندان نے اپنے مورث اعلیٰ کی بنائی ہوئی حکومت کو آپس میں لڑ لڑ کر کھوکھلا کر دیا۔

چنگیز اور روس | تیرھویں صدی کی ابتدا میں قراقرم سے جو منگولیا کے شمال میں واقع ہے ایک عظیم الشان عالمگیر، فولادی عزم رکھنے والی شخصیت تیموجن چنگیز خاں اعظم پیدا ہوئی جس نے بیس بائیس برس کے دوران میں علاوہ اپنے قرب و جوار کے ممالک کے چین، تاتار، خطا، ختن،

ترکستان، اُزبکستان، تاجکستان، بلخ و بخارا، ایران، عراق، آذربائیجان، جرجان، پاگرجستان، افغانستان اور دریائے سندھ تک بالائی ہندوستان تو ایک طرف فتح کیا۔ دوسری طرف سلجوقی ترکوں کی خوارزمی سلطنت کا خاتمہ کرکے اپنے پوتے باطو کو بحیرۂ خضر سے آگے کل ممالک روس و یورپ فتح کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ چنانچہ باطو کی سرداری میں قریب قریب کل قلمروئے روس ممالک محروسہ خوانین قراقرم میں شریک ہوگئی۔ اور خوانین طبل جنگ اور پرچم فیروز سندی بحیرہ بالطیک کے ساحل تک ایک طرف اور دریائے ڈینیوب کے شمالی کناروں تک دوسری طرف پہنچ گیا۔ گویا نصف یورپ خوانین کی حلقہ بگوشی میں آگیا۔ اس میں روس بھی شریک تھا۔ ۱۲۲۷ء میں چنگیز راہی عدم ہوا اور اُغدے خاں اس کا فرزند اس کا جانشین ہوا۔ مغلوں اور تاتاریوں کا حیرت انگیز سیلاب جرمنی کی سرحدوں تک پہنچ کر ٹھیر گیا۔ اور اس کی وجہ ایک یہ ہوئی کہ ۱۲۴۱ء میں خاں اُغدے خاں کا انتقال ہوگیا۔ بہرکیف باطو خاں کے ہمراہی تاتاریوں نے جو سلطنت "گروہ زریں" کی ماورائے النہر یعنی بحیرۂ خضر اور بحیرۂ اسود کے شمالی ساحلوں سے پرے یورپی روس میں قائم کی تھی۔ وہ اس کے بعد بھی قریب دو سو برس تک قائم رہی یہی وہ علاقہ ہے جو تاریخ میں قپچاک کے نام سے ملتا ہے۔ ۱۲۷۰ء میں خوانین کی عظیم الشان سلطنت کی شرقی سرحد بحرہ چین کے ساحل پر تھی اور شمالی سرحد بحر منجمد شمالی سے ملحق تھی۔ مغرب میں بحیرۂ بالطیک کا کل شمالی حصہ اس سلطنت میں شریک تھا یعنی پولینڈ اور موجودہ لتھونیا وغیرہ کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بھی خوانین کی باجگزار تھیں۔ حتیٰ کہ موجودہ ہنگری بھی اسی سلطنت کے سایہ عاطفت میں تھی۔ ترکستان اعظم میں چغتائی سلطنت قائم ہوگئی تھی جس میں سے تیمور اعظم پیدا ہوا جس نے پندرھویں صدی کی ابتدا میں خوانین، تاتاریوں، سلجوقیوں اور زمانہ ماضی کے کل فاتحوں کے کل کارناموں کو بھلا دیا۔ اس کا بیان آگے چل کر آئے گا۔

ایوان کلیتہ | ۱۳۲۸ء میں ماسکو کے امرائے کبیر میں ایک شخص ایوان پیدا ہوا۔ جسے خوانین تاتار نے خریطہ برداری کی خدمت پر مامور کیا اور آج بھی تاریخ میں اس کا نام ایوان کلیتہ لکھا جاتا ہے۔ اس نے تمام دوسرے اکابر روس کو پیچھے ہٹا یا اور خود خوانین کی حاشیہ برداری سے اپنی جگہ مضبوط و مستحکم بنائی حتیٰ کہ آگے چل کر اس کے جانشینوں نے خوانین تاتار کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ اور خود فرمانروائے روس بن گئے۔

جملہ معترضہ ستالن اور قدیم خوانین | یہاں اس حقیقت کا ظاہر کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ کوہ قاف کی وہ وادی جو بحیرۂ اسود اور بحر خضر کے مابین واقع ہے۔ قفقاز اور گرجستان یا جرجان کہلاتا ہے اور جرجان کا پایہ تخت شہر طفلس قدیم شہروں میں سے ہے جس نے تاتاریوں اور سلجوقیوں اور تیمور اعظم کے زمانے میں بڑے بڑے انقلاب دیکھے ہیں۔ گویوں تو قراقرم سے لے کر حوانتہائی شرق ایشیا میں واقع ہے بحر بالطک تک کم سے کم معلوم تاریخی زمانے میں کم و بیش ڈیڑھ ہزار برس تک، مغل تاتاری، ترکی اور اگھی قبیلوں اور قوموں کے بزرگوں یعنی خانوں یا ہانوں (جنھیں یورپی مؤرخ ہن لکھتے ہیں) کا رزمی جولانگاہ رہا ہے۔ مگر طفلس کا ذکر ہمیں خصوصیت کے ساتھ خوارزمی سلطنت اور تیموری فتوحات کے سلسلے میں بار بار ملتا ہے۔ چنانچہ ارپ ارسلان سلجوقی سلطان مغرب کے آخری جانشین جلال الدین شاہ خوارزم نے جو چنگیز کے تعاقب سے بھاگ کر ہندوستان میں دریائے سندھ کے پنجابی علاقے میں پناہ گزین ہو گیا تھا۔ خان اُغدئے کے انتقال کے بعد آخری بار طفلس پہنچ کر چالیس ہزار افواج کی سترہ دن میں کرمان تک ایک ہزار میل کی یلغار کی تھی۔ مگر شکست کھائی اور آخر کردستان میں بے کسی کے عالم میں راہی عدم ہوا اور اس کے ساتھ ہی سلجوقی شہنشاہیت کی شمع بھی بجھ گئی۔ شاید یہیں یہ ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ طفلس تاتاریوں اور سلجوقیوں ہی کا نہیں بلکہ امیر تیمور کی سلطنت کے دوران میں بھی مغلوں کا مقبوضہ رہا ہے

بلکہ تیمور نے طفلس ہی کو روسی فتوحات کا مرکز بنایا تھا اور صحیح معنوں میں طفلس صرف انیسویں صدی میں ترکوں کے قبضے سے نکلا ہے اس کا شمار خود مغربی روس کے حلقوں میں ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد تک ایشیائی علاقہ میں ہوتا رہا ہے۔ اور شاید مغربی یورپ کی نگاہ میں تو تمام روس ایک مشرقی ملک اور مشرقی طاقت ہے۔ اس تاریخی حقیقت سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ جرجائی "کوکو" المعروف بہ ستالن جس کی یہ سیرت ہے کس سرزمین اور کن ایشیائی گرد و پیش اور کن تاریخی واقعات کی پیداوار سمجھا جاسکتا ہے تلاش صحیح ممکن ہے کہ اس کا شجرہ نسب انہی فولادی ارادے رکھنے والے ایشیائیوں سے جا ملے جنھوں نے دنیا کی وسیع ترین حکومتیں قائم کی تھیں۔

ایوان کلیتہ کے فرمانروا کا خاتمہ

ابھی یورپی روس کی آبادی میں تاتاری حکومت کے اثرات موجود تھے کہ مغرب سے "لتھونیا" کے ملک کے کلیتہ سے جو بحیرۂ بالٹک پر واقع ہے حملہ آور نمودار ہوئے اور انھوں نے ایوان کلیتہ کے خاندان کی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں اور یونانی عیسائی مذہب رکھنے والے روسی مجبور ہوئے کہ "ہیرکون" (جو ممکن ہے برق اور برق سے کوئی رشتہ رکھتا ہو) یعنی برق کے دیوتا کے آگے سجدہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔ کیونکہ لتھونیہ کے باشندے اسی دیوتا کو پوجتے تھے۔ مگر انھوں نے تاتاریوں کے سخت گیر حملوں کے مقابلے میں ان نئے حملہ آوروں کے نرم خو لیکس وصول کرنے والوں کو غنیمت سمجھا۔ یہ واضح رہے کہ یہ نئے مغربی حملہ آور بھی یہودیت کے اثرات کے حامل تھے۔ یعنی لفظ ہر عیسائیت کے ساتھ یا پہلے ہی یہودی النسل لوگ بھی لتھونیا اور پولینڈ کے علاقوں میں اپنا رنگ جما چکے تھے اور ہمارا خیال ہے کہ غالباً اس آبادی میں خوانین قراقرم کے اس حملے کے باقیات الصالحات جو باطوخاں نے ساحل بالٹیک تک پہنچا دیا تھا ضرور باقی رہے ہوں گے۔

روس کے تین ٹکڑے چودھویں صدی

چودھویں صدی سے روس کے دو بلکہ یوں کہئے کہ تین ٹکڑے ہوگئے۔ ایک تو شمال میں روس کوچک جس میں لتھوینیا اور پولینڈ شریک ہیں اور دوسرا روس اعظم جس کا مرکز ماسکو تھا اور جس میں تمام جنوبی روس بحیرۂ خضر وغیرہ تک شریک ہے اور تیسرا حصہ اس روس کا تھا جو درحقیقت اول دن سے قطعی اور خالصتہً ایشیائی نسل اور ایشیائی ذہنیت اور ایشیائی گرد و پیش میں پورے سائبریا میں بستا چلا آیا ہے اور آج تو روس کی حکومت کی سرحدوں میں قدیم خافان منن اور قدیم تاتار اور ترکستان وغیرہ کا وہ تمام حصہ بھی شریک ہے جو دریائے جیحوں کے شمال اور وسط ایشیا میں واقع ہے۔

ماسکو کا تازہ عروج

اگرچہ ۱۳۸۰ء میں ایک ماسکوی امیر نے جس کا نام ویتری دونسکوا تھا مقام کولیکوفو پر تاتاریوں کو شکست دی۔ پہلی بار ان روسیوں میں جو اب قدیم روسی تصور ہونے لگے تھے قومی خودداری کا جذبہ جاگا مگر تاتاریوں نے اس کے بعد بھی خاص ماسکو پہنچ کر کولیکوفو کی ہزیمت کی پاداش میں ماسکو کی آبادی کو سخت قسم کی سزا دی۔ کولیکوفو کے معرکے نے یورپی روسیوں، سلافوں اور فنوں میں جو کبھی قدیم زمانے میں ایشیا ہی سے نکل کر ان ملکوں میں آباد ہوگئے تھے۔ ایک نئی قومیت کی روح پھونک دی اور ان میں حب وطن، قومی وقار اور مذہبی اتحاد کا ایک تازہ جوش پیدا کر دیا۔

تیمور اور روس

مگر ایک مشہور انگریز مورخ کا خیال ہے اور ہم بھی سمجھتے ہیں کہ یہ خیال درست ہے کہ روسی قومیت کی پیدائش دیتری دونسکوا کی اس درجہ مرہون منت نہیں سمجھنا چاہیے جس قدر امیر تیمور کی عالم گیر فتوحات کی۔ کیونکہ تیمور نے ۱۳۹۰ء میں "گروہ زریں" کی تاتاری حکومت پر یورش کی اور انھیں اس درجہ کم زور اور مضمحل کر دیا کہ اس کے بعد مسکوی محبان وطن کا کام آسان ہوگیا۔ اور انھوں نے رفتہ رفتہ تاتاریوں کے سخت گیر پنجہ سے

اپنے ملک کو آزاد کر لیا۔

مشرق و مغرب یا ایشیا اور یورپ کی تاریخ کا تمام تر نقشہ آج ہمیں بدلا ہوا نظر آتا اگر مشرق کے ان فاتحوں کے جانشینوں نے جنھیں حالات اور واقعات نے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار نصف کے قریب مشرقی اور ایک چوتھائی کے قریب مغربی یورپ فتح کرنے کا موقع دیا۔ مستقل حکومت کا نظام مکمل کر لیتے۔

ہسپانیہ تک مغرب میں اور قریب قریب پولینڈ اور ہنگری تک مشرقی یورپ میں ایشیائی قبضہ کئی صدی تک برابر رہا۔ مگر ایک فاتح کے فتوحات دوسرا فاتح آگے بڑھ کے زیر و زبر کرتا رہا۔ گو ہسپانیہ کا عشر تو اور دھجوں سے یہ ہوا کہ بالآخر سپین کے سرزمین میں ایک عرب باقی نہ رہا اور سات سو سال کا کارخانہ سر تا سر درہم برہم ہو گیا مگر مشرقی اور شمالی یورپ میں یہ آفت برپا رہی کہ سلجوقیوں کو چنگیز خاں اور اس کے جانشینوں نے تباہ و برباد کیا۔ اور چنگیز خانیوں کو تیمور نے بلکہ سلجوقیوں کے بعد عثمانیوں کو بھی تیمور ہی نے کم زور اور ایک حد تک بے کار کر دیا تھا۔ ورنہ وہی سلطان بایزید جیسے انقرہ کے میدان میں تیمور نے شکست دی اور گرفتار کیا۔ اس تباہ کاری کی آندھی سے پہلے قسطنطنیہ اور قیصر پیرنطیس کے خاتمے کی تیاری کر رہا تھا۔ تیمور کے شہسواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں نے صرف تاتاریوں کے زریں گروہ کی روسی حکومت کو ہی تہ و بالا نہیں کیا بلکہ عثمانلی ترکوں کے بھی اس طرح چھکے چھڑوا دئے کہ قسطنطنیہ کی فتح چالیس پچاس سال کے واسطے ملتوی ہو گئی۔ امیر تیمور چغتائی کا پرچم فیروز سندی درہ دانیال اور ساحل باسفورس سے ادھر نہیں پھڑا۔ بلکہ اس نے شام فتح کیا اور ایک طرف مصر کے مملوکوں کی حکومت کو باج گذار بنا دیا۔ اور دوسری طرف قیصر روم سے خراج حاصل کیا بلکہ عثمانلی ترکوں کے سلطان سلیمان کو رومانیہ کی حکومت کا فرمان عطا کیا۔ شمال میں بھی تیمور نے کل روس کا علاقہ فتح کیا، اور بالآخر وہ منطقہ منجمد شمالی کے اس علاقے تک پہنچ کر ٹھہرا۔ جہاں سورج آدھی رات

تک غروب نہیں ہوتا۔ بایں ہمہ موجودہ روس کا جنوبی حصہ جس میں قفقاز، جرجان، ماوراے النہر وغیرہ بہت بڑا ملک مع کریمیا، بسرابیا وغیرہ صوبوں کے شریک ہے انیسویں صدی تک عثمانی ترکوں کے مقبوضات میں رہے۔ کیونکہ ۱۴۵۳ء میں عثمانلیوں نے قیصر کی سلطنت پر قبضہ کرلیا تھا۔

ایوان اعظم | ۱۵۶۳ء میں ایوان اعظم نے (یہ دوسرا ایوان ہے) اس خیال سے کہ اب عثمانی ترک بنیز مطلق سلطنت کا خاتمہ کرچکے تھے۔ اپنے آپ کو قیصر روم و قسطنطنیہ کا جانشیں اور وارث سمجھ کر "زار" کا لقب اختیار کیا۔ شاید یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ اس لفظ قیصر اور کسریٰ ایرانی میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں "کسرا" ایران کے ان صاحب جبروت فرماں رواؤں کا لقب تھا۔ جنھوں نے یونان کے افق تاریخی پر چمکنے سے پہلے دریائے سندھ کے کنارے سے لے کر یونان کے ملک تک فرماں روائی کی تھی۔ جس طرح مصر قدیم فتح کرنے کے بعد خود اشور و بابل میں فرعون کا لقب فرماں رواؤں نے اختیار کرلیا تھا۔

'کسرا' کا لقب بھی عجب نہیں کہ اپنی قدیم دل کشی اور تاریخی عظمت کے لحاظ سے رفتہ رفتہ یونانیوں کے رومی فاتحوں نے اختیار کرلیا ہوگا اور ظاہر ہے کہ کسرا اور لاطینی کیسر میں بہت ہی خفیف سا فرق ہے

سترھویں صدی میں روس کا نظام زندگی | روس کو چک یعنی اس علاقے میں جو بحیرہ بالٹک کے کنارے سے لے کر پولینڈ تک پھیلا ہوا تھا۔ مغربی زندگی کا وہ نقشہ سامنے تھا جس میں رومی اور مغربی دنیا کے اصول زندگی کی تقلید نظر آتی تھی۔ اور ماسکو کے مرکز سے لیکر باقی تمام مشرقی روس میں زندگی کے نقشے میں مشرقیت غالب تھی۔ اس شرقی نظام میں بیشتر حصہ جاگیرداری کا تھا بڑے بڑے زرعی علاقوں پر ماسکو کے "ڈیوک" قابض تھے جو انھیں زار روس کی طرف سے جاگیر میں عطا ہوئے تھے کل سرزمین روس کا جاگیردار اعظم خود زار روس تھا اور کل زرعی زمین اس کی ذاتی جائداد اور ملکیت تھی جسے اس کی رعایا

اس کے جاگیرداروں کی نگرانی اور ضمنی ملکیت میں سرکار روس کے لئے جوتنی ہوتی تھی۔ یہ جاگیردار ان زمینوں کو اپنے کارندوں کے ذریعے جس طرح چاہتے تھے اٹھاتے تھے اور جس کسان رعایا کو چاہتے زمینیں دیتے اور جب چاہتے انھیں بے دخل کر دیتے تھے۔ تمام روس کے براعظم میں یہ حلقہ بگوش رعایا زار اور اس کے بڑے اور چھوٹے جاگیرداروں اور زمینداروں کے رحم پر تھی۔

تمام نظام زندگی صرف تین طبقوں میں تقسیم تھا، روسا، اور امرا، جو (دربار زار کے حاشیہ نشین تھے) اور اہلکاران سلطنت کے محلات ایک قسم کی مشرقی شان و شوکت اور عیش و آرام کا گہوارہ تھے۔ جہاں ہر قسم کے لہو و لعب اور تعیش کے سامان تھے دوسری طرف غریب غربا اور کسان رعایا کے جھونپڑے انتہائی محنت مشقت اور جفاکشی کے باوجود، افلاس فاقہ کشی اور مصیبت کا منظر پیش کرتے تھے۔ مگر انسانی فطرت کا تقاضا سخت سے سخت افلاس اور مصیبت کے باوجود تفریح کے موقعے ضرور پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی تفریح کے سامانوں میں کھیل تماشے اور راگ رنگ کا ایک نچلے درجے کا نقشہ ضرور ملتا تھا۔ اور شراب خواری اس درجہ عام تھی کہ عورتیں (جو عموماً شراب خوار ممالک میں بھی بدمستی سے پرہیز کرتی ہیں) یہاں بالکل مردوں کی طرح بدمست نظر آتی تھیں۔ ایک انگریز مدبر کا قول ہے کہ چونکہ ماسکو کے "گرینڈ ڈیوک" یعنی جاگیرداران عظام نے حکومت لڑکر تو حاصل کی نہ تھی بلکہ وہ تاتاریوں کو رشوت کے لقمے دے دے کر اس مرتبے کو پہنچے تھے۔ اس وجہ سے روسی زندگی کے نظام میں ایسے امراض خبیثہ پیدا ہو گئے تھے کہ ان کا ازالہ کسی طرح بھی ممکن نظر نہ آتا تھا۔ اس مصنف نے ان امراض کو سرطان سے تعبیر کیا ہے جو لاعلاج اور مہلک سمجھا جاتا ہے۔ بہرکیف اور جو کچھ بھی ہو مگر سترھویں صدی تک یورپ والے روس کو ایک ایسا مشرقی ملک تصور کرتے تھے کہ ایک مرتبہ فرانس کے شہنشاہ ہنری ششم کے دربار میں سنجیدگی سے اس تجویز پر غور کیا گیا کہ ان مشرقی روسیوں کو یورپ کی سرزمین سے نکال باہر کیا جائے

چونکہ اسی سلسلے میں ترکوں کو بھی سرزمین یورپ سے خارج کر دینے کی تجویز پر غور کیا گیا تھا۔ شاید یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مغربی دنیا بے وجہ مشرق سے برسرپیکار نہ تھی۔ کم و بیش بارہ بلکہ شاید پندرہ سو برس پہلے سے ایشیا زادوں نے مشرقی یورپ کا ہی نہیں بلکہ وسطی یورپ کا بھی اور ساتویں صدی عیسوی سے مغربی یورپ کا بھی ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ گاہ و ناگاہ مشرقی افق پر گرد و غبار نظر آتا تھا اور اس گرد و غبار سے نبرد آزماؤں کے پرے فتح و نصرت کے طبل بجاتے نکلتے۔ اور مغربی باشندوں کے تیروں اور تلواروں کو بے کار کر دیتے تھے اگر اس آفت سے تنگ آکر وہ بے چارے ان مشرقیوں سے نجات حاصل کرنے کی فکر کرتے تھے تو کیا بے جا تھا۔ کون غیروں کی حکومت اور اپنی غلامی یا غیروں کے حملے کے خطرے سے خوش ہو سکتا ہے۔ ہاں تعجب اس پر ہوتا ہے کہ آج کے دن بھی یورپ کے سنجیدہ مؤرخ ان معرکوں اور مشرقیوں کا ذکر کرتے ہوئے ایسے لب و لہجہ سے کام لیتے ہیں کہ اس گذشتہ دور کی تمنی اُن کے ایک ایک لفظ سے ٹپکتی ہے۔

مغربی اور جنوبی یورپ کا طرز معاشرت

بہرکیف یہ واقعہ ہے کہ اس زمانے کا روس توہم پرستی، مذہبی جنوں، افلاس اور امارت کی افراط و تفریط جہالت اور بیدردی کے افسوسناک منظر پیش کرتا ہے۔ جنوبی یورپ یعنی اٹلی اور سسلی نیز اسپین اور پرتگال کی ریاستیں۔ خصوصاً اٹلی میں وینس اور جنیوا سے گذشتہ چھ سو برس سے عربوں سے روابط کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ ایک خاص قسم کی تجارتی ذہنیت پیدا کر چکے تھے۔ اب خواہ اسے گذشتہ یونانی اور رومی اثرات کا بقیہ تصور کیا جائے یا عربوں سے روابط کا مگر یہ واقعہ ہے کہ جنوبی یورپ کی دنیا دوسری تھی اور خصوصاً فرانس کا ستارہ اس وقت عروج پر تھا۔ موجودہ زمانے کی تہذیب کا سب سے بڑا مغربی مرکز اس وقت فرانس تھا پیرس کی شائستگی، تہذیب، تمدنی اور معاشرتی سامان عیش و عشرت۔ زندگی کا

معیار اور خوش بسری اور تہذیب کی کسوٹی سمجھے جاتے تھے۔ صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی یورپ کا جنوبی حصہ اور فرانس ترقی کے میدان میں پیش پیش نظر آتے تھے۔ سکندر مقدونوی کے بعد اسکندریہ، اسکندریہ کے بعد روما الکبریٰ اور اس کے بعد یورپ میں ایک طرف غرناطہ اور دوسری طرف قسطنطنیہ اور اب ان دونوں کے ختم ہو چکنے کے بعد پیرس یا بہ تلفظ فرانسیسی پاری ہی وہ مرکز تھا، جو تہذیب دنیا کا نقطۂ تصور ہوتا تھا۔ اور اس دور میں روس ایک مشرقی خطۂ ارض شمار ہوتا تھا۔ جہاں کی دنیا ہر اعتبار سے ایشیائی دنیا کا وقیع سمجھی جاتی تھی۔ اگرچہ نویں صدی عیسوی سے سولھویں صدی کے آخر تک مغربی روس میں سوئیڈن کے ایک خاندان روریک کا اقتدار رہا۔ روس کی آبادی مشرقی ہی کا علاقہ تصور ہوتی رہی۔

روما نوف کی حکومت کا آغاز

۱۶۱۳ء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ روریک کے خاندان کا آخری جانشین ویتری ایک غاصب کی حیرت انگیز کارستانیوں سے مقفود الخبر ہو چکا تھا اور ماسکو میں پولینڈ کا بادشاہ روس کی حکومت کا مدعی تھا۔ اچانک روس کے مذہبی پیشواؤں نے یہ فیصلہ کیا کہ ملک کی حکومت ایک قومی زار کے ہاتھ میں ہونی چاہیے نہ کہ پولینڈ کے بادشاہ کے۔ چنانچہ ایک شاہزادہ پوژارسکی اور شہر نشنی نوفگورود کے ایک قصائی نے ملک کو پولینڈ کی حکومت سے نجات دلانے کا بیڑا اٹھایا۔ پولینڈ والوں کو شکست فاش ہوئی اور ایک قومی مجلس نے فیصلہ کر کے میکائیل روما نوف ایک سردار قبیلہ کے بطریق اعظم کے فرزند ارجمند کو تاج شہنشاہی پہنا دیا۔ یہی زار روما نوف اول ہوا ہے۔ جس کا خاندان ۱۹۱۷ء تک روس پر حکمراں رہا۔ زار نکولس آخر اور اس کے جانشینوں کا نام و نشان انقلاب کی باد سند نے مٹا دیا۔ مگر اسی خاندان نے ایسی عظیم الشان ہستیاں بھی پیدا کیں جیسے پیٹر اعظم اور الیگزنیڈر ثانی

پولینڈ اور روس میں متواتر مناقشے جاری تھے۔ اور پولینڈ والے جو بحیرہ بالٹک کی ریاستوں پر اپنا تسلط جما چکے تھے۔ بار بار روس کی حکومت کے مدعی ہوتے تھے۔ ماسکو پر یورشیں کرتے اور شہر پر تباہی اور بربادی کے کاری زخم لگاتے تھے۔ مگر بالآخر رومانوف نے ۱۶۶۷ء میں پانچ برس کی فیصلہ کن جنگ کے بعد پولینڈ کی دیدہ دلیریوں سے نجات حاصل کی اور روس کو چک کو علاقہ محروسہ میں دوبارہ ملا لیا۔

پیٹر اعظم ۱۶۸۹ء میں پیٹر نے اپنی بہن صوفیہ کو جو بطور ولیۂ سلطنت حکمرانی کر رہی تھی۔ برطرف کر کے سترہ برس کے سن میں زمام حکومت خود سنبھال لی۔ یہ نوجوان شہنشاہ نہ صرف جسمانی قوت میں رستم و اسفندیار تھا، بلکہ ہمت حوصلہ اور تہور میں بھی اپنی مثال آپ تھا۔ نیز اولوالعزمی کے ساتھ ساتھ اس نے ایک بیقرار اور شعلہ خو طبیعت پائی تھی۔ چھ برس تک تو اس نے نظام حکومت کی طرف بس اتنی ہی نظر ڈالی کہ وزرا کارخانۂ حکومت چلاتے رہے اور وہ خود طرح طرح کی رنگ رلیوں اور قسم قسم کے کھیل تماشوں میں مستغرق رہا۔ حتیٰ کہ بازاروں میں گانے بجانے اور ناچنے سے بھی اُسے پرہیز نہ تھا۔ مگر اس کی بے چین طبیعت کے لئے یہ مشغلے ناکافی تھے۔ ایک ایسی شخصیت جس میں عزم اور ارادے کے طوفان بحر موّاج کی طرح جوش کھاتے ہوں، محض عیش و نشاط کی زندگی سے کس طرح مطمئن ہو سکتا تھا۔ کریمیا کا علاقہ تاتاریوں اور ترکوں کے مقبوضات میں تھا۔ اس نوجوان زار کو ان ترکوں اور تاتاریوں سے نبرد آزمائی کا شوق بے چین کر رہا تھا۔ بحر اسود کے کنارے شہر آزوف میں ترکوں کا سرحدی قلعہ تھا۔ زار نے سمندری بیڑے کو بڑی خوبی سے ترتیب دیا۔ اور معرکہ آزوف میں ۱۶۹۶ء میں اپنی جواں مردی کے جوہر دکھائے۔ آخر فتح ہوئی اور اس فتح کو مغربی دنیا نے نیک شگون تصور کیا۔ کیونکہ ترکوں سے برسرپیکار ہونا اور فتح مند واپس لوٹنا مغربی دنیا میں ایک شاندار بلکہ حیرت انگیز کارنامہ تصور ہوتا تھا۔ مگر

جب پیٹر نے بحر اسود کے علاقے پر نگاہ ڈالی تو قرین مصلحت یہی نظر آیا کہ اس فتح پر اکتفا کیا جائے اور شکست کے احتمال سے پرہیز کیا جائے۔ چنانچہ اس نے مغرب کی طرف نگاہ دوڑائی اور یورپی طاقتوں میں دوستوں کی تلاش کی۔ مگر اس تجسس میں میدان صاف نظر آیا اور بالآخر اس نے قرین مصلحت یہی سمجھا کہ بحیرۂ بالٹک کے قریب دارالسلطنت بنا کے مغربی دنیا سے قرب اور آئندہ تعلقات کی بنیاد رکھی جائے۔ چنانچہ اس نے شہر سینٹ پیٹرزبرگ جواب لینن گراڈ ہے بنیاد ڈالی اس شہر کے بنانے میں روس کی مظلوم رعایا کا نہ معلوم کتنا خون پسینہ ہوا ہوگا اور کتنی لاشوں کی ہڈیوں سے دلدلوں کی پوری اور نا ہموار زمین بھری گئی ہوگی۔ وہ بدبخت شہر جس کی بنیادیں بدنصیب، مظلوم اور فاقہ زدہ رعایا کی ہڈیوں پر رکھی گئی ہوں، جتنے ہولناک انقلابوں کا گہوارہ بنے تھوڑا ہے۔

پیٹر نے مغرب کے کل نظام زندگی، طرز معاشرت، تمدن تہذیب اور مادی ترقی کی شدومد سے تقلید کی اور ملک کو جبراً نئی نئی بدعتوں کے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ پیٹر اعظم مرتے دم یعنی ۱۷۲۵ء تک اندرونی اور بیرونی کش مکش میں مبتلا رہا۔ ایک طرف سویڈن، ترکوں، ایرانیوں سے معرکہ آرائیاں کیں اور دوسری طرف اندرونی نظام زندگی میں انقلابی تبدیلیاں کرتا رہا تاکہ روس کو سرتاپا مغربی معاشرت میں رنگ دے۔ اس چھتیس برس میں اس نے ایک جرار فوج، شاندار بحری بیڑا۔ اور مستقل دفتری نظام بنا ڈالا۔ مگر عام رعایا خصوصاً کاشتکار کی زندگی حلقہ بگوش غلاموں سے بدتر بنا دی اور اس نے تمام سازوسامان کی تیاری کے لئے اُن کا سارا اُنس نکال کے انھیں بے سکت کر دیا۔ حکومت روس ایک مغربی طاقت ضرور شمار ہونے لگی مگر عوام کو اس ترقی اور تہذیب کی قیمت اس سے کہیں زیادہ ادا کرنی پڑی جو یورپی مورخوں کے قول کے مطابق "قابلِ نفرت اور گمرہ منشی

طریقہ زندگی، میں ادا کرنی پڑتی تھی۔

گرد و پیش اور یورپ کا حال

اس مرحلے پر ہمیں گرد و پیش کے حالات پر بھی ایک اُڑتی ہوئی نظر ڈال لینی چاہیئے۔ دنیا کی تاریخ صرف خونخوار جدال و قتال، فتح و شکست اور حکومتوں کے انقلاب ہی پر مشتمل کر دی جائے تو تصویر کے خطوط خال تو ایک طرف پس منظر کا بھی صرف ایک دھندلا سا کونا نظر آئے گا۔ مزید برآں جدال و قتال اور حکومتوں کے انقلاب خود انسان کی ان ضرورتوں کا نتیجہ ہوتے ہیں جو مجموعی طور پر قومیں اور گروہ محسوس کرتے ہیں ورنہ یکہ و تنہا اگر صرف چند انسان جداجدا عظیم الشان سے عظیم الشان خواب بھی دیکھیں تو اُن کی تعبیر خواب پریشاں سے زیادہ نہیں ہو سکتی قوموں اور گروہوں کی ضرورتیں اور خواہشیں فطری تقاضوں سے پیدا ہوتی ہیں اور جب یہ فطری تقاضے مجموعی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ صرف اس وقت کوئی اجتماعی حرکت پیدا ہوتی ہے۔ ابتدا میں کچھ قومیں یا قبیلے اپنے گرد و پیش کے حالات سے نالاں ہو کر اپنی روزانہ ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خانہ بدوشی پر کمربستہ ہو جاتے ہیں اس خانہ بدوشی کی سخت اور جفاکش زندگی انھیں دن رات کی حفاظتی تدابیر پر مجبور کرتی ہے اور یہیں سے وہ نظام پیدا ہوتا ہے جس میں سپہ گری اور جاں فروشی کا عنصر ان قوموں کے مقابلے میں جو بے کھٹکے "متمدن اور مہذب" اور ایک بڑی حد تک سکون قلب کی زندگیاں بسر کرتی ہیں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ خانہ بدوش قومیں جب کبھی متمدن اقوام کے مقابلہ پر رزم آرا ہوتی تھیں انھیں شکست دیتی تھیں۔ گو متمدن اقوام بھی منظم جنگ جوئی کے لئے آبادی کے ایک حصے کو ہمیشہ مستعد رکھتی تھیں مگر جیت صرف ہتھیار بندی سے نہیں ہوتی بلکہ سامان حرب کے ساتھ کچھ اور بھی درکار ہے اور وہ ہے سرفروشانہ جرأت اور جذبۂ خود اعتمادی۔ جو مٹھی بھر آدمیوں کو حکومت کے قابل بنا دیتا ہے۔ تاریخ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دور کیوں جائیں خود ہمارے اپنے ملک میں اس نقطے کو متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ منظم زندگی ہی صرف کانی نہیں بلکہ زندگی کی ضرورتوں کے محرکات کے علاوہ

عزم، دور بینی، خود اعتمادی، جرأت، جفاکشی، استقلال اور ہر وقت چوکنا رہنے کی بھی ضرورت ہے۔ محض بھیڑ اور تعداد کی کثرت کسی جماعت یا گروہ یا قوم کی ترقی کی ضامن نہیں ہو سکتی بلکہ کثرت تعداد عموماً الجھنوں اور کمزوریوں کا سبب بن جاتی ہے اور قلیل تعداد میں عزم راسخ اور تنظیم کی استقامت کے بہتر موقعے ہوتے ہیں یہ تاریخ کا ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ حملہ آوروں کی تعداد کبھی لاکھوں سے آگے نہیں بڑھی مگر اس سے..... ہمیں اس نتیجے پر نہیں پہنچنا چاہیے کہ نوع انسان کی اکثریت کو ہمیشہ قلیل تعداد کی حکومت اور فرماں برداری کو انسانی قسمت کا نوشتہ تصور کر لیا جائے اور ان مصائب سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش بھی نہ کرنا چاہیے جو اس وقت تک پرانی طرز زندگی کے نقشے میں ناگزیر نظر آتی ہیں۔

عوام عموماً بھولے بلکہ توہم پرست ہوتے ہیں۔ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس کے رسم و رواج ان کی گھٹی میں پڑے ہوتے ہیں۔ خیالات صرف نئے حالات اور نئے واقعات ہی سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ بھی اس وقت اشاعت پاتے اور قابل قبول ہوتے ہیں "جب فطرتی تقاضے اُن کی تائید کریں۔ فطرتی تقاضوں میں سب سے زیادہ شدید اور ناگزیر تقاضہ تو بقائے نفس کا ہے جس کے ماتحت مختلف تقاضے پیدا ہوتے ہیں۔ "خوف" انہی تقاضوں میں سے ایک ہے اور افزائش نسل بھی بقائے نفس کا مستقل پہلو ہے اور اس لحاظ سے "محبت" اور محبت کے مختلف رشتے اسی فطرتی جذبے سے پیدا ہوتے ہیں۔ علاوہ خوف اور محبت کے روزانہ ضرورتیں جن میں خوراک، پوشاک گھر بار، کاروبار، تعلیم تربیت، تفریح اور دماغی تشفی جس میں مذہب بھی شریک ہے اسی ذیل میں آجاتی ہیں۔ ان تمام ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے انسان نے اجتماعی نظام زندگی کو ترتیب دیا ہے۔ تمدن و تہذیب کی ترقی حقیقت میں ان ہی ضرورتوں کو زیادہ حسن و خوبی سے انجام دینے کا نام ہے۔ مگر عادت ایسی بری بلا ہے کہ وہ عادتیں اور وہ خیالات جو انسان کو روز پیدائش

سے سکھائے جاتے ہیں۔ اس وقت تک تبدیل ہونے کا نام نہیں لیتے جب تک خاص حالات اور واقعات ایسی تبدیلیوں کی تحریک نہ کریں۔ انسانی تہذیب کی دنیا نے بڑھتے بڑھتے ایک ڈھانچہ اختیار کر لیا ہے۔ اس ڈھانچے میں توہمات اور مذاہب، رسوم اور رواج، جہالت اور علمیت، جفاکشی اور کاہلی غرض ہر طرح اور ہر قسم کے انفرادی اور اجتماعی نقشوں کی کھپت ہے۔ جس وقت تک لوگ کسی خاص تکلیف کو اس درجہ محسوس نہیں کرتے کہ اس کا علاج کئے بغیر اطمینان نصیب نہ ہو۔ وہ اس کا علاج تلاش بھی نہیں کرتے۔

مشرق کا اثر مغرب پر اسلامی طرز تمدن کے محرکات

یورپ کے اس مغربی حصے میں جہاں مشرقی حکومتیں تھیں۔ لوگوں کو مشرقی خیالات سے واسطہ پڑا۔ مغربی دنیا کے مصنف اس حقیقت کو ذرا دبی زبان سے اور عموماً اس طرح بیان کرتے ہیں کہ مشرق کا اثر عموماً ناقص نتائج پیدا کرتا تھا۔ مثلاً مشرقی عیش و عشرت کے معیار مغربی نظروں میں اخلاقی زندگی کو کمزور کرنے والے تھے۔ حالانکہ مشرقی عیش و عشرت کا رومۃ الکبریٰ اور اسکندریہ کی عیاشیوں سے مقابلہ کیا جائے تو مشرق کا معیار اخلاق کی کسوٹی پہ سونے کا کس دے گا اور آج کی دنیا میں تو اس موازنے کی ضرورت نہیں کیونکہ دونوں معیار ہر ایک کی آنکھ کے سامنے موجود ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ جہاں مغرب میں مشرقی فتوحات اور خصوصاً اسلامی فتوحات کا پرچم گیا وہیں مذہبی سادگی، معاشرتی مساوات اور ایک قسم کا ابتدائی اشتراکی زندگی کا نقشہ بھی گیا۔ یہ کہنا سراسر ناانصافی ہوگا کہ خواہ عربوں کے ذریعے یا سلجوقیوں، مغلوں یا عثمانلیوں کے ذریعے مغرب میں مساوات کے وہ سبق نہیں گئے جن سے رومی دنیا نے سوائے روسیوں کے اور سب کو محروم تصور کیا تھا۔ ان خیالات کی ترویج ضرور کسی نہ کسی شکل میں ہوئی ہوگی اور وہ مساوات کا نقشہ جو فوجی کیمپوں اور روزانہ کی شہری

اور دیہاتی زندگی میں ان مشرقیوں نے پیش کیا ہوگا۔ اس کا اثر رفتہ رفتہ مغربی آبادی پر ضرور ہوا ہوگا۔ بعض یورپی مصنفین نے اس کا اعتراف بھی کیا ہے۔ اشتراکی زندگی کی ابتدائی تحریکات عملی صورت میں (جیساکہ خود ایک انگریز مصنف نے تسلیم کیا ہے) ایران کے مسلمانوں میں پیدا ہوئیں۔ مگر اسلام سے پہلے فلسطین میں خود عیسیٰ ابن مریم کی تعلیم و تلقین کا عنصر یہی تھا۔ گو یونانی اور رومی شہنشاہیت کے قالب میں عیسائیت بھی ایک شاہانہ مذہب کی شکل میں ڈھل گئی تھی۔ اسلامی شہنشاہیت نے بھی اسلامی اخوت، مساوات اور اشتراکیت کو بالکل مسخ کردیا اور رومی بیزنطی اور یونانی شان و شوکت کو اولوالعزمی کا مطمح نظر بنا دیا۔ مگر بایں ہمہ وہ عنصر جو اسلامی طرز معاشرت کا غالب خاصّہ بلکہ بنیادی اصول ہے کسی وقت بھی اتنا مسخ نہیں ہوا کہ جماعتی زندگی کا وہ پہلو جس میں مساوات نمایاں نظر آتی ہے۔ دوسروں کی نظر سے اوجھل ہو جائے۔

یونانی حکماء کے نظریوں کا اعادہ

اس کے علاوہ اس امر سے بھی انکار ناممکن ہے کہ ان مشرقی فتوحات نے آٹھویں صدی عیسوی سے ہسپانیہ میں علوم و فنون کی مشعل روشن رکھی تھی اور یورپ کے ازمنۂ تاریک میں یونان کے حکماء کی تصانیف عربوں کے ذریعے سے یورپ پہنچیں۔ نیز اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ تیرھویں صدی میں جب مغربی یورپ کے ان ممالک میں جو عربوں، ترکوں اور مغلوں کے مقبوضات میں نہ تھے (یعنی فرانس، جرمنی اور اٹلی کا شمالی حصّہ۔ برطانیہ، سویڈن اور ناروے وغیرہ) ایک نئی زندگی کی سرسراہٹ شروع ہوئی تو اس میں کافی حصہ اس واقعہ کا تھا کہ

اشاعت کے ذریعے اور رسائل

کاغذ بنانے کی ترکیب چین سے ان مشرقیوں کے ذریعے یورپ میں پہنچ گئی تھی۔ اور چھاپے کے ابتدائی تجربے شروع ہو چکے تھے۔ چودھویں صدی تک عیسائی یورپ میں بھت سے

چھاپے کی کتابیں نکلنے لگی تھیں۔ اور اس نئے ذریعے نے معلومات کے دروازے کھول دیئے تھے۔ طباعت کا دروازہ کھل جانے سے اشاعت کا میدان بھی وسیع ہوگیا تھا۔ خیالات کی اشاعت اگر وسیع پیمانے پر ممکن ہو تو ظاہر ہے کہ نئے خیالات کی قبولیت کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے۔

طاعون کے اثرات یورپ کے طرز معاشرت پر

اسی کے ساتھ یہ امر بھی یاد دلانے کے قابل ہے کہ چودھویں صدی میں یورپ میں طاعون کی وبا پھیلی جو انگلستان میں ۱۳۴۸ء تک پہنچی۔ اس وبا نے بعض بعض جگہ چوتھائی اور کہیں کہیں آدھی آبادی کو قبرستان میں سلا دیا۔ اس آفت کا عیسائی یورپ پر عجیب اثر ہوا۔ ایک تو یہ کہ عوام اور امرار کے طبقوں کو یکساں طور پر فرشتۂ اجل کو خراج دینا پڑا۔ دوسرے مزدوروں اور کسانوں کی تباہی کی وجہ سے کام کرنے والوں کی تعداد گھٹ گئی۔ اور نہ صرف کھیتی باڑی پٹ ہوگئی بلکہ صنعت و حرفت پر بھی اوس پڑ گئی مگر امرار کی عیاشیوں اور فضول خرچیوں میں کمی نہیں آئی اور اس وجہ سے انھوں نے غربا پر زیادتیاں کرنا شروع کیں۔ کسانوں کو کھیتی باڑی بڑھانے اور دن رات کام کرنے پر مجبور کیا۔ اور ان مصیبت زدہ اشخاص سے جا اور بے جا وصولیابیاں جاری رکھیں۔ اب یہ نئے حالات پیدا ہوئے فطرتی جذبات کو ٹھیس لگی اور لوگوں نے سوچا کہ آخر یہ کیا بلا ہے کہ ہم ہر طرح کی تکلیف اور مصیبتیں اٹھائیں اور یہ امیر اور نواب لوگ بے مشقت اور بے غل و غش عیش و آرام سے گذاریں۔ چنانچہ انگلستان میں بھی ایک "دیوانہ پادری" پیدا ہوا جس کا نام جان بل تھا۔ اس نے کھلم کھلا امیروں اور رئیسوں کے بخیے ادھیڑنے شروع کیے اور بیس برس تک وعظ کی مجلسیں گرم رکھیں۔ یہ ۱۳۶۰ء کا ذکر ہے۔ وہ کہتا تھا کہ "اگر ہم سب آدم اور حوا کی اولاد ہیں تو یہ امیر اور غریب کی تفریق کیسی۔ یہ شریف زادوں اور مفلسوں کا

امتیاز کیسا۔ جب آدم زمین کھودتے تھے اور حوا کاتتی تھیں تو اس دن شریف اوہ کون تھا۔" غرض کہ اس قسم کے خیالات نے زور پکڑا اور یورپ کے عوام میں ابتدائی قسم کی اشتراکیت اور مساوات کی تحریکات کی بنیاد پڑ گئی۔ ۱۳۸۱ء میں واٹ ٹائلر کو جو باغی عوام کا لیڈر تھا۔ برسرِ عام لندن کے میئر نے تہ تیغ کر دیا۔ جرمنی میں بھی ۱۵۲۵ء میں مذہبی اشتمالیت کی تحریک اٹھی اور ختم کر دی گئی۔ یہ واقعہ ہے کہ ان مزدوروں کی تحریکات کو بڑی بے دردی سے عارضی طور پر پامال کر دیا گیا۔ یہ مواد چار سو برس تک پکتا رہا اور بالآخر ۱۷۹۲ء میں انقلابِ فرانس کی تشکیل میں پھوٹ نکلا۔

ترکوں کا عروج اور اندلسی عربوں کا زوال اور اس کے اثرات

۱۴۵۳ء میں عثمانی ترکوں نے بالآخر قسطنطنیہ کو فتح کر کے قیصر روم اور یونان کے خاندان کے چراغ اور حکومت کی ٹمٹماتی ہوئی شمع کو ہمیشہ کے لئے گل کر دیا۔ اور اب مشرقیوں کا سیلاب روز بروز وسطی یورپ اور جنوبی روس کے علاقوں میں بڑھنے لگا حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ ترک اس تمام علاقے پر قابض ہو گئے۔ جہاں تک چنگیزی تیموری اور تاتاری حکومت قائم ہو چکی تھی۔ مگر دوسری طرف یعنی اندلس (سپین) میں اموی عربوں کی حکومت جو آٹھویں صدی کی ابتدا سے چلی آ رہی تھی ۱۴۹۲ء میں ختم ہو گئی اور عیسائی اندلسیوں نے غرناطہ فتح کر کے ان عربوں کو ایک ایک کر کے سپین سے نکال باہر کیا۔

انجیل، ارسطو اور افلاطون

تو مغرب اب اس حد تک قومیت اور مذہب کے جذبات سے سرشار اور غیروں کی حکومت سے بیزار ہو چکا تھا کہ مغربی یورپ کو بیرونی اثرات سے بالکل صاف کیا جا رہا تھا اور یہ نیا جوش و خروش ہر طرف موجزن نظر آ رہا تھا۔ عربوں نے یورپ کو ارسطو کی تصانیف سے روشناس کیا تھا اور اب یورپ نے خود یونانی کلمار کا مطالعہ بھی شروع کر دیا تھا۔ طباعت کی آسانی نے ہزارہا انجیلوں کے نسخے عوام کے ہاتھوں تک پہنچا دیئے تھے۔ تعلیم یافتہ

طبقہ اب علاوہ ارسطو کے افلاطون کی حکمت کا بھی مطالعہ کر رہا تھا اور ارسطو نے اگر ان فاضلوں کی علمی آنکھیں کھولیں تو افلاطون نے مذہبی پیشواؤں کو وہ تمام روحانی حکمت بہم پہنچائی جس نے عیسائیت کو حکیمانہ بلند نظری اور روحانی لطافتوں کے جامے میں پیش کرنے کا موقع دیا۔ طرح طرح کے مذہبی اور فلسفیانہ مباحثے چھڑ گئے ایک یا ڈیڑھ سو برس کے اندر اندر عام دلچسپیاں کہیں سے کہیں پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے عوام نخبل کے مطالعے سے عموماً محروم تھے اور صرف پادریوں کی زبان سے جو کچھ وہ سنا دیتے تھے سن لیتے تھے مگر اب جب انھوں نے عیسوی تعلیم کو خود اپنی آنکھوں سے پڑھا یا پادریوں کے علاوہ اوروں سے سنا تو ایک نئی روشنی انھیں نظر آنے لگی پہلے اگر امیروں کی خوش قسمتی اور غریبوں کی بدبختی قدرت کے نظام کا ناگزیر پہلو نظر آتا تھا اور بدبخت اپنی بدبختی کو اپنی قسمت کا قصور تصور کرتے تھے تو اب انھیں یہ نظر آنے لگا کہ حقیقت میں حضرت عیسیٰ تو خاص طور پر غریبوں اور بے کسوں کا سہارا تھے اور غریبوں کی حمایت اور ان کی "سلطنت" ہی کی خوش خبری دینے کے جرم میں ظالم دولت پرستوں کے ہاتھ سے صلیب دیے گئے اور اب بعض کو ان میں یہ بھی دکھائی دینے لگا کہ پوپ کو دنیاوی شان و شوکت بنانے اور دنیا کے کارخانوں میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔

پوپ کے اقتدار کا زوال | ان لوگوں کے خیالات سے اس وقت کے ان بادشاہوں اور ان کے سیاسی مشیروں نے بھی فائدہ اٹھایا جو پوپ کے فتووں اور اس کے دنیاوی اقتدار سے نالاں تھے، چنانچہ جرمنی اور اسکاٹ لینڈ میں اس قسم کی تحریکیں شروع ہوئیں سرکاری چشم پوشی نے ایسے خیالات کو فروغ پانے دیا کہ پوپ اور رومن کیتھولک مذہب کو خیرباد کہنا چاہیے اور عوام اور حکومتوں کو اس روحانی طوق غلامی سے آزادی حاصل کرنی چاہیے۔ بایں ہمہ ان تحریکات کو زور پکڑتے بھی صدیاں لگ گئیں کیونکہ مذہب کا معاملہ اس وجہ نازک ہے کہ بعض اوقات لوگ محض توہمات کو بھی مذہب گردانے لگتے ہیں اور ان توہمات کی خاطر جان دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اسی مذہبی سلسلے کے جھگڑے میں نہ معلوم کتنے لوگ محض حق گوئی کے جرم میں زندہ جلا دیے یا موت کے گھاٹ اتارے گئے مگر انھوں نے حق گوئی سے انحراف نہیں کیا۔ یا کم سے کم انھوں نے اپنے اس مذہبی عقیدے سے

منہ نہ موڑا جسے وہ حق بجانب سمجھتے تھے۔ بھولے عوام کے اس جذبۂ قربانی سے عیار اور حکمران بڑے بڑے کام نکالتے اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے ہیں۔ چنانچہ اس دور میں بھی مغربی بادشاہوں اور اُن کے مشیروں نے ان بحث و مباحثوں کے رُخ اس طرح تبدیل کئے کہ بالآخر اُنھوں نے "پوپ" کے اقتدار سے اپنا پلّہ چھڑا لیا۔ لوگوں کو ان پادریوں کی طرف متوجہ کر دیا جو "روحانی" اقتدار کے پردے میں دنیاوی ثروت، دولت اور بڑی بڑی جاگیروں کے مالک بن گئے تھے۔

روحانی غلامی سے آزادی کے بعد دنیاوی غلامی کا مسئلہ

مگر ایک دفعہ لوگوں کی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو وہ صرف ایک ہی طرف نہیں دیکھتے۔ ایک حلقہ غلامی سے آزاد ہو کر غلامی کے اور دوسرے طوقوں کو بھی گلے سے نکال پھینکنا شروع کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب پادریوں کو زک پہنچی ہوگی تو ضرور اُنھوں نے ان عوام کو دنیاوی جاگیرداروں اور امرا کے طبقے کی عیاشیوں، عشرت پرستیوں اور فضول خرچیوں کی طرف متوجہ کیا ہوگا۔ جان بال جس کا اوپر ذکر آیا ہے حقیقت میں ان ہی تحریکات کی پیداوار تھا۔ اس کے بعد لیوتھر اور بہت سے مذہبی لوگوں نے یہی کام اور اور طریقوں سے انجام دیا۔

علمی اور مادی ترقی کا آغاز

اسی ڈیڑھ دو سو برس میں یورپی دماغ کی فصل بہار کی آمد شروع ہوگئی۔ ارسطو کی علمی بنیادوں پر ابتدائی مگر پایہ کی عمارت چننے والوں میں کوپرنیکس، روجر بیکن، گالیلیو، لیناردو، داوینچی خاص طور پر قابل ذکر ہیں جنھوں نے فلکیات، طبیعیات، ارضیات اور مختلف علوم کے نئے دروازے کھولے اور ان میں سے بعض یعنی روجر بیکن انگریز اور لیناردو داوینچی اطالوی نے تو موجودہ زمانے کی مادی ترقیات کے نقشے اس حد تک کھینچے ہیں کہ ان میں ہوائی جہازوں کے امکان کا بھی ذکر آجاتا ہے۔ سیاسیات کے سلسلے میں ایک اطالوی مصنف ماکیاولی نے مغربی سیاسیات کا ایک ایسا سانچہ تیار کیا جس پر عمل کرنے والے کارفرما دماغ آج بھی حکومتیں اسی کے نقشوں کے مطابق چلاتے ہیں اور اس دور کے بعد تو مغرب میں

اتنے دماغی، مادی اور سیاسی ترقی کے دروازے رفتہ رفتہ کھل گئے کہ پچھلے تین چار سو برس کے اندر اندر مغرب تمام دنیا پر چھا گیا اور شرق کا ترقی یافتہ تمدن ازمنۂ کہنہ کی یادگار ہو کر رہ گیا

سیاسی نقشے و استعارے

سیاسی نقشوں کا اندازہ لگانے کے لئے ہمیں کچھ قدم پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ یونان قبل مسیح اور رومۃ الکبریٰ قبل مسیح اور بعد کی صدیوں میں ریپبلک یا جمہوری حکومت کے نقشے مغرب میں پیش کر چکے تھے اگرچہ اس جمہوریت اور موجودہ زمانے کی اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظریوں میں بڑا فرق ہے) مگر ترقی کی رفتار کا عجب حال ہے۔ دنیا میں وہ انفرادی اور اجتماعی زندگی کے نمونے جسے انسان کی نخبۂ عقل صحیح تصور کرتی ہے ہر قوم اور ہر ملک کے لئے ہمیشہ مناسب حال نہیں ثابت ہوتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ترقی کی کیفیت بھی سمندر کے مد و جزر کی طرح ہے۔ جب سمندر کی لہریں چڑھتی ہیں تو ایسا نہیں ہوتا کہ ایک بارگی چڑھاؤ آجائے بلکہ لہریں اٹھتی ہیں اور بڑھ کے ساحل کے کنارے کا نچلا حصہ چھو کر واپس چلی جاتی ہیں۔ پھر بڑھتی ہوئی آتی ہیں اور ذرا اور آگے تک نکل جاتی ہیں۔ اس طرح گھنٹوں کے اتار چڑھاؤ کے بعد لہریں ساحل کے اس مقام پر تھپیڑے لیتی ہیں۔ جہاں تک اُن کی رسائی ممکن ہے اور پھر اسی طرح رفتہ رفتہ اُترنی شروع ہوتی ہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے تو کیا غیر مناسب ہوگا کہ انسانی دماغ بھی جب اجتماعی حرکت کرتا ہے تو اس میں بھی ترقی کا سمندر اسی طرح چڑھتا اور اُترتا ہے یا یوں کہئے کہ جس طرح فصل بہار میں پہلے کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ پتیاں چھوٹے سے بڑی ہوتی ہیں۔ کلیاں آتی ہیں اور رفتہ رفتہ پھول کھل جاتا ہے اور پھر چند روزہ بہار کے بعد پھل اور بیجوں میں رس چڑھتا ہی پھل بڑھتے اور رفتہ رفتہ پکتے ہیں اور پھر اگلی بہار کے لئے ایک لمبی مدت تک انتظار کرنا پڑتا ہے جس میں عرصے تک تو درختوں میں صرف پتے ہی پتے نظر آتے ہیں اور پھر وہ بھی رفتہ رفتہ پت جھڑ کی نذر ہو جاتے ہیں۔ اور پھر ایک مدت تک خزاں کا دور

دورہ بتاہے کیا یہی کیفیت انسانی دماغ کی اجتماعی کاوشوں کی نہیں ہے۔ ہندوستان چین، مصر قدیم، یونان قدیم، بابل و نینوا۔ ایران قدیم وغیرہ قطعات ارض میں قدیم زمانے میں دماغی بہاریں آئیں اور بڑے بڑے خوشنما پھول کھلے۔ اجتماعی زندگی کے سلسلے بنے۔ اور تہذیب کے ستارے افق پر چمکے اور پھر خزاں آئی پت جھڑ ہوا اور ترقی کے ستارے ڈوب گئے۔ پھر عرب میں یہی نقشہ پیدا ہوا اور مٹا۔ اور اب پچھلے دور میں مغرب میں یہی صورت پیش آرہی ہے۔

سیاسی ارتقا کا جھولا بہرصورت اس خیالی اور شاعرانہ دنیا کو چھوڑ کر تاریخی واقعات پر نظر ڈالئے۔ واقعات کے جھولے میں ہمیں یہ صاف نظر آتا ہے کہ یونانی اور رومی جمہوریتوں کا خاتمہ ہوا تو پھر شہنشاہیت چمکی۔ یعنی جمہوریتوں کی گردوپیش کی دنیا نے انھیں جنگ و جدال پر مجبور کیا۔ جنگ و جدال کی ضرورتوں نے سپہ گری اور جرأت کے جوہر رکھنے والے انسانوں کو منظر عام پر لا کھڑا کیا۔ فتوحات نے دولت و ثروت کو ترقی دی۔ غلاموں اور مال غنیمت کی فراوانی نے عیش و تعیش کو چمکایا اور عیش و تعیش اور جاہ و جلال کی نمود نے شہنشاہیت کا تاج اور تخت و تاراج کا مزاج تیار کیا اور اس نقشے میں امیر اور غریب کے امتیاز کو ترقی ہوئی اور اجتماعی زندگی میں غریبوں اور بے کسوں اور غلاموں کا ایک ہی حال ہوا۔ نیز عیش و تعیش نے ایک نیا دروازہ کھولا جس سے مستعدی، ہمدردی، مساوات، جرأت وغیرہ سب جوہر باہر نکل گئے۔ اور سہل انگاری، بے دردی۔ امیر غریب کا امتیاز، دون ہمتی وغیرہ تمام خرابیاں یکے بعد دیگرے امیروں اور رئیسوں کے دولت کدوں میں سر براہ ہوئیں۔ اور گردوپیش کی جفاکش اور ضرورت مند قوموں نے حملہ آور ہو کر اس بوسیدہ قصر کو کھنڈر بنا دیا۔ مختصر یہ کہ یونانی اور رومی جمہوریت کے بعد شہنشاہیت اور شہنشاہیت کے بعد غیر اقوام کی حکومت اور پھر غیر حکومتوں کو وہی سفر درپیش ہوا اور اس میں صدیاں کٹ گئیں۔

جمہوریتوں اور شہنشاہیتوں کا مدوجزر چودھویں اور پندرھویں صدی میں ایک

بار پھر اٹلی میں جمہوریتوں کا رنگ جما شروع ہوا۔ چنانچہ وینس اور جنیوا کی جمہوریتیں خاصی آب و تاب سے کام کر رہی تھیں۔ اگرچہ اس سے پہلے انھی قوموں کو نہ معلوم کن کن دور دراز کے ملکوں کے فرماں رواؤں کی حکومت کی آفتیں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ ۱۲۵۳ء اور ۱۲۹۹ء میں سوئٹزرلینڈ میں بھی اطالوی، جرمن اور فرانسیسی اور خود سوئٹزرلینڈ کے باشندوں نے مل کر ایک ریپبلک قائم کر لی تھی۔ اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ مراد ہے کہ جمہوریت کا خیال جس نے قبل مسیح کئی سو برس تک یونان کی سرزمین اور پھر روم کے حیطۂ اقتدار میں کچھ عرصے بعد مسیح پرورش پائی تھی۔ یورپ کی سرزمین سے بالکل معدوم نہیں ہوا تھا۔ بلکہ پندرھویں صدی کے آخر تک پھر جڑ پکڑنے لگا تھا۔ اس کے بعد سولھویں، سترھویں، اور اٹھارھویں صدی میں متعدد فلسفی اور مفکر پیدا ہوئے۔ جنھوں نے مساوات اور جمہوریت کے نظریوں میں مختلف پہلوؤں سے جان ڈالی۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک انگریز حکیم لاک کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس کی تصانیف نے جمہوریت کے خیال کو خاص طور پر پیش کیا۔ اس کا زمانہ ۱۶۳۲ء-۱۷۰۴ء کا تھا۔ پھر ایک فرانسیسی مؤرخ اور حکیم مونتیسکیو نے (۱۶۸۹ء-۱۷۵۵ء) اسی مضمون کو ایک دوسرے پہلو سے پیش کیا۔

سیاسی مفکرین کا دور
جان لوک، دیدیرو، اور روسو

۱۷۶۶ء میں ایک اور فرانسیسی مفکر دیدیرو اور فلسفیانہ مصنفین کے ایک پورے حلقے نے جمہوریت اور اس کی پوری ادھیڑ بن پر حکیمانہ نظر ڈالنی شروع کی۔ نیز جرمنی میں فلسفیوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا۔ اور اب نظریۂ مادیات، افتضادیات اور طرح طرح اور قسم قسم کے نظریوں پر بڑی تیزی سے چاروں طرف نظریں ڈالی جانے لگیں۔ ۱۷۱۲ء میں ایک فرانسیسی مصنف روسو پیدا ہوا جس نے "فطرتی زندگی" اور "معاشرتی عہدنامہ" کا ایک خاص نقشہ جذباتی اثرات کے ماتحت پیش کیا جو اگرچہ حکیمانہ اور عالمانہ نگاہوں میں تو محض ایک عطائی کے بشری جذبات

سے زیادہ نہ تھا۔ مگر اس کا انداز بیان دل کش، پرجوش اور عام فہم تھا اور قدرتی طور پر اس کی داستانوں اور تصنیفوں نے ہزارہا دماغوں میں جذباتی جوش و خروش اور تازہ خیالات کی ایک لہر پیدا کر دی۔

نئے خیالات کے محرکات | اس مرحلے پر ہمیں یہ بھی جتا دینا ضروری ہے کہ حکماء اور مصنفین کے نظریات بھی حقیقت میں خاص خاص حالات اور گرد و پیش کے واقعات کی پیداوار ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب تک کسی خاص بات کا دل پر اثر نہیں ہوتا اور زندگی کے روزانہ کے سلسلۂ واقعات میں جب تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آتا جو توجہ کا تقاضا کرے۔ دماغ کے ساز پر کوئی شے مضراب کا کام کرنے والی نہیں ہوتی۔ مگر یہ ساز ہر وقت ملا ملایا تیار رہتا ہے اور اس کے جس تار پر خارجی اثرات کی مضراب پڑتی ہے وہی بول اٹھتا ہے اور اس کی جھنکار سے باقی تاروں میں بھی حرکت اور گونج پیدا ہو جاتی ہے۔ دماغ کا ساز کبھی حرکت میں نہیں آتا۔ جب تک اس پر کسی خارجی اثر کے زخمے کی چوٹ نہ پڑے اور اس اعتبار سے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ مصنفین حقیقت میں اپنے زمانے کے حالات سے متاثر ہو کر اپنی اپنی استطاعت دماغی کی نسبت سے مختلف نظریوں کو پیش کرتے رہے ہوں گے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لئے بڑا وقت درکار ہے مگر ایک موٹا سا خاکہ ضرور سامنے آجاتا ہے اس سے پہلے یہ کہا جا چکا ہے کہ انسان کی ابتدائی اور فطرتی ضرورتوں کے تقاضے سے اجتماعی زندگی کا نقشہ تیار ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یورپ کے ان علاقوں میں جہاں یہ حکیم اور مصنف پیدا ہو رہے تھے۔ متمدن زندگی اس منزل پر پہنچی تھی کہ خورد و نوش کے تقاضے نے ایک کاشتکاری نظام ضروری بنا دیا تھا۔ اور آبادی کا بیشتر حصہ اس ضرورت کو پورا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ خوراک کی ضرورتوں میں جانوروں اور مچھلیوں کا گوشت بھی تھا جس نے ایک طرف گڈریوں اور گوالوں اور دوسری طرف مچھیروں کی دنیا بنا دی تھی۔ اور ان ضرورتوں سے ملحق اور ضمنی پیشے بھی ضروری ہو گئے تھے۔ مختلف صنعتوں

اور حرفتوں کے دروازے بھی کھولنے پڑے تھے۔ تیز بڑھتی ہوئی آبادی کی پوشاک سکونت اور دوسری اشد اور ناگزیر ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے اور بیسیوں بلکہ سینکڑوں پیشے اور حرفے لازمی ہو گئے تھے۔ کشتیوں اور جہازوں کی ضرورت تھی۔ دھاتوں اور پتھروں کے کوئلے کی کانوں میں کام کرنا ضروری تھا۔ سرد موسم کی شدت سے بچنے کا انتظام بھی ضروری تھا۔ مختصر یہ کہ آبادی کا بیشتر حصہ تو ان تمام کاموں میں مصروف تھا اور روزانہ یہ مشغولیتیں اور مصروفیتیں بڑھتی جاتی تھیں اور دوسری طرف مذہب اخلاقیات، سیاسیات اور ایک منظم اور متمدن زندگی کی اور تمام ضروریات نے ایسی جماعتوں کو پیدا کر دیا تھا جو انتظام حکومت کے لئے ضروری تھیں۔ تیز بڑھتی ہوئی تجارت اور مصنوعات کی ترقی نے ایک طرف اور نئی منڈیوں کی تلاش نے دوسری طرف ایسے لوگوں کو پیدا کر دیا تھا جن کے دماغ نئی اختراع اور نئے حالات کے لئے نئے نظام تجارت وغیرہ میں منہمک تھے اس تمام نظام زندگی میں فطرتی طور پر پہلے جاگیرداری، پھر سرمایہ داری۔ ایک طرف اور کاشتکاری غلامی، اور مزدور پیشہ جماعت کی بے بسی دوسری طرف، تیز مذہبی پیشواؤں کا پہلے روحانی رہبری کا سادہ اور پھر ایک عظیم الشان بنیادی شوکت و ثروت کا پیچیدہ نظام اس ترقی کے دور میں پیدا ہوئے اور بڑھے ان حالات میں ایک کثیر تعداد آبادی کا انتہائی افلاس اور محنت شاقہ میں زندگی بسر کرنا اور ایک قلیل تعداد کا عیش و آرام میں گذارنا بھی لازم و ملزوم ہو گئے تھے۔ اب وہ طبیعتیں جن میں غور و خوض کا مادہ تھا اور جو اپنی غور و خوض کے نتائج تصانیف کی صورتوں میں عوام کے سامنے رکھ سکتی تھیں لازمی طور پر اجتماعی اور انفرادی زندگی کے گورکھ دھندے کا ایسا حل نکالنے پر مجبور تھیں جس سے ایک ایسا نقشہ زندگی مرتب ہو جس میں کثیر ترین آبادی خوش و خرم اور مفید زندگی بسر کر سکے۔ یہ تو مصنفین کی ذہنیت کے مجرکات کا حال ہوا اور آبادی کے مختلف طبقوں کی کیفیت یہ تھی کہ . . . . . .

آبادی کی نئی ذہنیت کے محرکات

مگر رومی شہنشاہی نظام کے تہ و بالا ہو جانے کے بعد سے ایک طرف تو چھوٹی بڑی ریاستیں بنتی اور بگڑتی رہیں اور دوسری طرف عیسائی مذہب کے طریقوں نے ارضی دنیا میں سماوی حکومت اور روحانیت کے پردے میں دنیاوی شہنشاہیت کا ایک نیا اور طاقت ور نظام مرتب کر لیا۔ مذہبی اور دنیاوی نظام پہلے بھی شاید ہزاروں برس پہلو بہ پہلو رہ چکے تھے۔ ان میں شدید مناقشے ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ مصر قدیم اور بابل و اشور کے بادشاہوں نے اس کا ایک حل یہ نکال لیا تھا کہ ارضی اور سماوی دنیاوی اور روحانی شہنشاہیت کا مرکز خود بادشاہوں کو قرار دے دیا تھا بلکہ بادشاہ خود ہی خدا بن بیٹھے تھے تاکہ مذہب اور دنیا کے مناقشوں کو ختم ہی کر دیں اور دنیاوی حکومت خود ان ارضی خداؤں کے امکان کی تابع رہے۔ اس طریقے سے بڑھی ہوئی آبادی کی بے چین طبیعتوں کو ایک ایسے نظام میں بھی باندھا جا سکتا تھا کہ مطلق العنان ارضی خدا اور بادشاہ ہر ٹیڑھے اور پیچیدہ مسئلے کو صرف جنبش لب سے اس دنیا اور آنے والی دنیا دونوں کے لئے آسانی سے حل کر سکتے تھے۔

روحانی شہنشاہیت

وہ پرانے نظام تو اب نیست و نابود ہو چکے تھے مگر ان کی یاد نئے حالات میں دوسری طرح تازہ کی جا سکتی تھی یعنی خدا کو عرش پر قائم رہنے دیا جائے۔ مگر حضرت عیسیٰ کو خدا کا مظہر اور بنی نوع انسان کی شفاعت کا ذریعہ اور انسانی زندگی کا کامل نمونہ قرار دے کر ایک نئی روحانی بادشاہت کو از سر نو ترتیب دیا جائے اور یہ خدائی کا دعویٰ صرف فرعونوں اور نمرودوں ہی نے نہیں کیا بلکہ اس کے دعویدار دنیا کے ہر حصے میں پیدا ہوئے۔ روم اور یونان اور بیزنطی شہنشاہوں نے بھی اس روحانی برتری کا دعویٰ کیا مگر صرف فرق اتنا کر دیا کہ قیصر خلیفۂ الٰہی بن کر رہے۔ اب جب قیصروں کا سلسلہ ہی ختم ہو گیا تو ہر اس بادشاہ نے جو ان کے بعد سر بر آرائے سلطنت ہوا

ظل اللہ اور خلیفۂ اللہ ہونے کا دعویٰ کرنا چاہا تاکہ عوام کے گلے میں صرف دنیاوی ہی نہیں بلکہ روحانی طوق بھی موثر طریقے پر پڑا رہے اور کوئی چوں وچرا نہ کر سکے۔ مگر قیصر روم و قسطنطنیہ کے نکلنے کے بعد یہ حق زار روس نے اپنے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اور بطریق اعظم پورے یورپ میں کافی جھگڑے فساد اور معرکہ آرائیاں ہو رہی تھیں اور بطریق اعظم بھی ایک ہی رہ گیا تھا۔ گو اس سے پہلے روما الکبریٰ اور قسطنطنیہ کے بطریق اعظم جدا جدا ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کے پیروؤں کو بدعتی اور گردن زدنی قرار کرتے تھے۔ اب ایک بطریق اعظم یا پوپ کے رہ جانے سے امکانات کا ایک دروازہ کھل گیا تھا۔ اور معرکہ آرا یورپ میں روحانی شہنشاہیت کے قائم ہونے کا پورا موقع تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ "پوپ" کی مرضی دنیا میں بخشتا اور چھینتا تھا۔ بادشاہ پوپ کے فتووں سے لرزنے لگے تھے۔ ہر طرف سے شاہی تحفے تحائف اور گراں قدر رشوتیں روحانی باپ کی خدمت میں پیش ہوتی تھیں۔ اور پادریوں اور گرجاؤں کی ذاتی اور وقف جائدادوں کا شمار نہیں رہا تھا۔ قدرتی طور پر بادشاہوں کو بھی روحانی بوجھ گراں گذرنے لگا تھا اور وہ اس فکر میں تھے کہ اسے کسی طرح اپنے گلے سے اتار کر پھینک دیں۔ مذہب کا نام ہی اس درجہ مہیب تھا کہ یہ کام آسانی سے انجام نہیں پا سکتا تھا لیکن آخر کار ارتقائی فرقے نکلے اور ان کی دو پرزور تحریکوں نے انھیں پوپ سے گلو خلاصی کرانے کی ہمت افزائی کی اور زمام خلق کو "نقارۂ خدا" کے ہاتھ سے لے کر پوپ کی روحانی حکمرانی سے آزاد ہو گئے۔ مگر ایک مرتبہ جب روحانی نظامی کے خلاف زبان کھولنے کی آزادی مل گئی اور لوگوں کو نظر آنے لگا کہ خود دنیاوی بادشاہی کی ایک ایسی دولت ہے جس کا دارومدار خود عوام کی لوٹ کھسوٹ پر ہے۔ تو اب روحانی جاگیرداری کے بعد دنیاوی جاگیرداری بھی ان کی نگاہوں میں کھٹکنے لگی اور مصنفین نے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے جمہوریت کے حکیمانہ اور فلسفیانہ پہلوؤں پر علمی نگاہ ڈالنا شروع

کی۔ اور وہ عالم بھی نکل آئے جنھوں نے اقتصادیات کا دقت نظر سے مطالعہ کیا۔ اور اُنھیں جمہوری نظام کی بنیادیں اقتصادیات کے قدرتی مادی اور ناگذیر ستونوں پر کھڑی نظر آنے لگیں۔

انقلاب فرانس | اُدھر تو ذہنی فضا اس طرح تیار ہو رہی تھی اور اُدھر کیفیت یہ تھی کہ یورپ میں اس وقت سب سے مضبوط حکومتیں صرف چار تھیں۔ مشرق میں ترکوں کی حکومت وسط یورپ میں آسٹریا کی حکومت، شمال میں روس کی اور مغرب میں فرانس کی۔ انگلستان کا شمار ابھی تک یورپ کی بڑی دولتوں میں نہ تھا۔ آسٹریا کی حکومت مغربی ساحل تک بلجیم پر بھی تھی۔ جرمنی کی چنداں حقیقت نہ تھی مگر جرمنی کے بڑے بڑے جاگیرداروں اور چھوٹے بڑے رؤسا کا ایک حلقہ تھا جس کی مجموعی قوت خاصی تھی۔ البتہ فرانس اٹھارھویں صدی کے آخر میں یورپ کی بڑی اور قوی حکومتوں میں شمار ہوتا تھا۔ جس زمانے تک ہم اپنا ذہنی سفر پورا کر چکے ہیں اس وقت فرانس میں اٹھارھواں شہنشاہ لوئی حکمراں تھا جس کی ملکہ ماری آنتوانیت شہنشاہ آسٹریا کی بہن تھی یہ بادشاہ فرماں روائی کی تمام اہلیتوں سے عاری تھا۔ اور اس کی ملکہ انتہا درجہ عیش پرست اور کل درباری جنھیں قرب شاہی حاصل تھا۔ سیر و شکار، عیش و نشاط میں مستغرق تھے۔ اس موقع پر یہ اندازہ لگانا تو دشوار ہے کہ اس ملک میں غیر ممالک کی سازشیں کس کس قسم کی ریشہ دوانیوں میں لگی ہوئی تھیں مگر یہ واقعہ ہے کہ اس مطلق العنان شہنشاہی کے دور میں ملک کی حالت بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی اور عوام انتہائی افلاس کا مقابلہ کرتے کرتے تنگ آ گئے تھے۔ وہ صرف اتنا چاہتے تھے کہ بادشاہ اس دن رات کے سیر و شکار اور عیش و نشاط کو ملتوی کر کے ان کی بدبختی کی طرف بھی متوجہ ہو نیز اسی بادشاہ کا ایک عزیز اس فکر میں بھی تھا کہ اگر عوام انقلاب کر کے لوئی کو معزول کر دیں۔ تو پھر میدان اُس کے لیے صاف ہو جائے گا۔ عوام کے علاوہ سیاسی مفکر بھی یہ چاہتے تھے کہ جمہوری نظام کی کسی قسم کی ابتدا تو ہو جائے تاکہ مطلق العنانی کے تلوں کا امور سلطنت پر اثر نہ پڑے

انگلستان اس سے پہلے اپنے ایک مطلق العنان بادشاہ کا سر قلم کرکے پارلیمنٹری حکومت کی بنیادوں کو مستحکم کر چکا تھا۔ اور اس چھوٹے سے جزیرے کی مرفہ الحالی بھی دوربین نگاہوں کے لئے سبق آموز تھی۔ یہ ہم پہلے ہی کہہ آئے ہیں کہ مصنفین اور مفکرین کا ایک گروہ پیدا ہو چکا تھا جو جمہوریت کے خیالات کو نئے اور صحیح تر قالب میں پیش کر رہا تھا۔

امریکی انقلاب جمہوریت اور انفرادی حقوق کی مساوات کے نظرئے کم و بیش دو سو برس سے از سر نو مغربی دنیا کے سامنے آ رہے تھے۔ مگر اٹھارھویں صدی کی ابتدا ہی سے ان خیالات کو مفکرین اور سیاسیین کے حلقوں میں خصوصاً اور پڑھے لکھے طبقے میں عموماً خاص طور پر مقبولیت حاصل ہوئی تھی۔ مزید براں ہمسایہ یعنی امریکہ میں اٹھارھویں صدی کے اخیر چوتھائی حصے میں ایک ایسا واقعہ پیش آگیا جس نے ہر آزادی خواہ اور جمہوریت طلب دماغ میں جوش و خروش کا ایک نیا شعلہ بھڑکا دیا۔ طوالت کے خوف سے ہم یہاں امریکہ کے انقلاب کا پورا پس منظر پیش کرنے سے احتراز کریں گے مگر یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ برطانوی شہنشاہیت کے تاریخی اور سیاسی واقعات نے ایسی صورت اختیار کی کہ امریکہ کی اس نوآبادی نے جو آج ریاستہائے متحدہ کے نام سے موسوم ہے ۱۷۸۳ء میں آزادی کا اعلان کرکے انگلستان کی حکومت سے قطع تعلق کر لیا۔ اور ایک آزاد ریپبلک قائم ہو گئی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کے بعد بھی کافی خانہ جنگی رہی مگر بالآخر تیرہ صوبوں یا ریاستوں نے اتحاد کر لیا اور آج اُن ہی متحدہ ریاستوں کی حکومت کو یونائٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس عظیم الشان انقلاب کے دوران میں خود فرانس کے بعض مشاہیر نے امریکہ کی جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ مدعائے سخن یہ ہے کہ فرانس کے پہلے انقلاب سے قبل ہی جمہوریت مساوات اور آزادی کے نظرئے ہی نہیں بلکہ عملی نمونے بھی فرانسیسی آبادی کے سامنے آ چکے تھے۔

انقلاب فرانس جاری رہتا ہے

شاہ لوئی نے عوام کے مطالبات کا اتنا اثر قبول کیا کہ قدیم مجلس نمائندگان کو طلب کر لیا۔ لیکن اندر ہی اندر ملکہ اور بادشاہ کے حاشیہ نشین اُمرار اور شاہی خاندان کے سازشی زعما نے آسٹریا اور پرشیا (جرمنی) کے فرماں رواؤں سے ساز باز شروع کر دیا کہ کسی طرح ادھر سے کوئی چھیڑ چھاڑ شروع ہو جائے۔ تو لوگوں کی توجہ ان مطالبات کی طرف سے ہٹ جائے ملک کے اقتصادی حالات ابتر ہوتے جاتے تھے اور اگرچہ اُمرا عیش و عشرت میں گذارتے تھے۔ خود شہر پیرس میں قحط کی صورت پیدا ہو گئی تھی۔ اور بالآخر مصیبت زدہ، فاقہ کش آبادی کی عورتوں اور مردوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ کے پاس براہِ راست اپنی معروضات لے کر جائیں کیونکہ روزانہ یہ خبریں مشہور ہوتی تھیں کہ یہاں تو بچے دانے دانے کو ترستے ہیں اور فاقے کی ماری ہوئی مائیں بلکتے ہوئے لالوں کو گود میں لے کر بھیک مانگنے نکلتی ہیں۔ تو انھیں سوکھا ٹکڑا نصیب نہیں ہوتا اور اُدھر ورسائی کے نشاط باغوں میں رنگ رلیاں ہوتی ہیں اور کھانے پینے کے سامان کے انبار موجود ہیں۔ آخر ایک دن ماہ ستمبر ۱۷۸۹ء میں پیرس سے فاقہ کشوں کا ایک زدہ حال قافلہ جلوس بنا کے اور گیارہ میل پیدل چل کر ورسائی کے شاہی باغ محل کے دروازے تک جا پہنچا۔ وہاں جو کچھ پیش آیا وہ تو ایک طویل داستان ہے مگر بالآخر بادشاہ پیرس آ گیا۔ اور ان نہی بدبخت فاقہ زدوں نے "ہمارا بادشاہ" "بادشاہ زندہ باد" کے نعروں سے اس کا استقبال کیا۔ مگر دو برس تک برابر بادشاہ، ملکہ اور امرار و درباری نے عوام اور اُن کے مطالبوں کو طرح طرح کی سازشوں اور شرارتی فریبیوں سے ٹالنے کی کوشش کی اور ۱۷۹۱ء میں آسٹریا کے خلاف خنگ بھی چھیڑ دی مگر جب ایک مرتبہ عوام کا ہواؤ کھل جاتا ہے اور انھیں اپنی طاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے تو انقلاب کا شعلہ صرف ان حالات کا منتظر رہتا ہے جو اُسے کامیاب بنا دیں۔ چنانچہ ۱۷۹۲ء کی خنگ کا اعلان انقلاب کے شعلے کے بھڑک اُٹھنے

کے لئے کافی تھا۔ ادھر سے جب آسٹریا اور جرمنی کی فوجیں آگے بڑھیں تو ادھر عوام کا جوش و خروش بھی سیلاب کی طرح بہہ نکلا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ لڑائی صرف عوام کے مطالبات کو پس پشت ڈالنے کی غرض سے چھیڑی گئی ہے۔ پیرس اور دوسرے بڑے بڑے شہروں کی میونسپل کمیٹیوں نے جو کومیون کہلاتی تھیں پہلے ہی سے موقع پاکے "نیشنل گارڈ" یا قومی حفاظتی دستے بھرتی کر رکھے تھے ایک طرف فوجیں بیرونی دشمن کے مقابلے کے لئے آگے بڑھیں۔ گھر کا میدان بتاً صاف ہوا اور دوسری طرف انقلابی آبادی نے قومی حفاظتی دستوں اور عام آبادی کی مدد سے شاہی محلات اور دفتروں، بنکوں وغیرہ پر قبضہ کرلیا۔ تمام شاہی خاندان گرفتار کرلیا گیا۔ اور شاہی ہمدرد اور حمائتی کچھ تو پہلے ہی فرار ہوگئے، جو انقلابیوں کے ہاتھ لگے وہ سب ایک ایک کرکے قتل کردئے گئے۔ اس انقلاب کے دوران میں بڑی سفاکیاں اور بے دردیاں بھی کی گئیں۔ اور ہزاروں کی تعداد میں جانیں انقلابی زیادتیوں کی نذر ہوئیں۔ مگر ان جنگوں کے مقابلے میں جو دنیا میں مہذب قومیں آج کل لڑتی ہیں یہ عشر عشیر بھی نہ تھا۔

نیا نظام یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ انقلابیوں نے اپنی کامیابیوں کو ایک نئے دور کا مقدمۃ الجیش تصور کیا اور اس انقلاب کو "نئے نظام" سے تعبیر کیا۔ آج بھی "نئے نظام" کا بڑا چرچا ہے اور اس "نئے نظام کی اصطلاح کا ہر کس و ناکس اس درجہ شائق ہے کہ جاپان مشرق میں "نیا نظام" قائم کرنے کا مدعی ہے۔ ہٹلر یورپ میں، اور انگلستان اور امریکہ دنیا بھر میں اور بے چارہ روس بھی اس اصطلاح کا استعمال آج سے بائیس برس پہلے کرچکا ہے اور شاید آج بھی وہ اس کا مدعی ہو۔ غرض ہر شخص اور ہر مزاج اور خیال کا سیاسی طبقہ "نئے نظام" کا دلدادہ و شیدا ہے اور اس اصطلاح کو اپنے اپنے الگ معنوں میں اپنا مطمح نظر قرار دئے بیٹھا ہے۔ فرانسیسی انقلابیوں کا یہ دعویٰ بجا نہ تھا کہ جن جمہوری خیالات اور نظریوں کو پیش نظر رکھ کر انقلابی مفکر چلے تھے

وہ ضرور ایک نئی دنیا اور نئی زندگی کا پیش خیمہ قرار دیئے جا سکتے تھے اور ان سے دنیا میں ایک "نئے نظام زندگی" کا آغاز ممکن تھا۔ بشرطیکہ دنیا کی اور طاقتیں جو سرمایہ دارانہ نظام کی دلآویزیوں سے دامن کش ہونے سے معذور تھیں اس انقلاب کو ایک ہیبت ناک ہوا اور خوں آشام اژدہا تصور کر کے اس کے خون کی پیاسی نہ ہوتیں۔ آگے چل کر ہمیں روسی انقلاب میں بھی بعینہٖ یہی نقشہ ملے گا اور کون کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں خود غرضی کا کس دن اس درجہ استیصال ہو گا کہ نوع انسان مردم خواری کے قابل نفرین شغل کو خیر باد کہہ کر "نوع پروری" اور "عام خوشی و خیری" کی شمع روشن کر کے نوع انسان کی مستقل نشاط کی محفل آراستہ کرے گی۔

انقلاب فرانس کے اثرات اور عواقب

اس واقعے نے یورپ بھر کو تھرا دیا اور ایک مرتبہ تمام مغرب میں ایک کہرام اور تہلکہ مچ گیا۔ کیوں کہ سوائے انگلستان کے ابھی تک کسی قوم نے پچھلے ہزار برس کے عرصے میں اس طرح انقلاب کر کے بادشاہ کا سر قلم نہیں کیا تھا۔ اس کے بعد کے واقعات اس مختصر خاکے سے باہر ہیں۔ گو یہ ضرور قابل ذکر ہے کہ ان انقلابی زعماء کے سر جنہوں نے اس ہنگامے کی رہنمائی کی تھی اور جنہوں نے کچھ قلیل مدت کے لیے ڈکٹیٹری بھی کی تھی ایک ایک کر کے جلادوں کے ٹوکرے میں نظر آئے اسی انقلاب نے نپولین بوناپارٹ کو پیدا کیا جس نے اٹھارہ انیس برس میں تین چوتھائی یورپ کو زیر نگیں کیا اور بالآخر خود شہنشاہی کا تاج سر پر رکھا۔

اسی زمانے میں کم و بیش نو اور ریپبلکیں بھی گرد و نواح کے علاقوں میں قائم ہوئیں یعنی ہالینڈ، بلجیم، جنیوا، ریرو پیرا، مادرائے الپ، سوئٹزرلینڈ مولہاوزین (جرمنی) روم اور ناپولی (نیپلز) اور پھر نپولین کی شہنشاہی میں یہی علاقے بادشاہوں سے ملحق کر دیئے گئے۔ خیر فرانس نے ایک مرتبہ اور بادشاہت کا ذائقہ چکھ کر بالآخر جمہوری ریپبلک کے نظام کا آموختہ پڑھ لیا

ایشیا میں موجودہ دور کی جمہوریتیں۔ شاید یہاں یہ ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا ایشیا میں ایک طرف تو چین کی ریپبلک پہلے ہی قائم ہو چکی تھی۔ گذشتہ بیس برس کے اندر دوسری طرف ترکی گئی۔ ان کے علاوہ ایک ریپبلک یعنی ایران کی جمہوریت بنی بھی اور پھر بادشاہت میں منتقل بھی ہو گئی۔ مگر وسط ایشیا میں گیارہ ریپبلکیں قائم ہوئیں اور اب وہ روسی ریاستہائے متحدہ کے نظام میں منسلک ہیں گویا اس پچھلے بیس برس میں دو نہائی ایشیا میں جمہوریتیں قائم ہوئیں اور ابھی تک باقی ہیں۔ ان کے علاوہ ان ملکوں کا شمار جو اس وقت تک غیر ممالک کے محکوم ہیں ان ہی ملکوں میں کرنا چاہیئے جو جمہوریت کے خواہاں ہیں۔

بازگشت مگر یہاں ہم اس زمانے سے بہت زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ جہاں ہم نے روس کی تاریخ کو چھوڑا تھا۔ مقصود صرف یہ تھا کہ گردوپیش کے حالات پر نظر ڈال لی جائے تاکہ یہ اندازہ ہو جائے کہ جس وقت پیٹر اعظم نے روس کو بین الاقوامی دنیا میں شریک کیا تھا تو اس وقت اور اس کے آگے پیچھے یورپ کی دماغی، اقتصادی اور سیاسی آب وہوا کیا بنتی جارہی تھی۔

پیٹر اعظم کے بعد پیٹر اعظم کے جانشین دور بین اور اولوالعزم بھی ہوئے اور ایسے بھی کہ جن میں فرماں روائی کے جوہر بہت ہی کم درجے کے تھے۔ عورتیں جنھوں نے سیاسی اولوالعزمی اور اخلاقی پستی میں خوب نام روشن کیا اور الیگزینڈر روشن دماغ اور وسیع نظر شہنشاہ بھی ہوا جس نے نپولین سے دوستی بھی گانٹھی اور پھر اُسے ختم کرنے میں بھی تامل نہیں کیا۔ اور اس کے بعد زار الیگزینڈر ثانی بھی ہوا۔ جس نے بڑے بڑے منصوبے باندھے اور روس میں سمیتوائیں یعنی ایک قسم کی میونسپلٹیاں بھی قائم کیں جنھوں نے آگے چل کے روسی سیاسیات میں ایک خاص جگہ حاصل کی۔ اور کسان رعایا کے حقوق بھی تسلیم کئے یعنی کسانوں کو محض غلامی سے نجات دلانے کا راستہ بھی نکالا

مگر روس جہاں ایک طرف مغربی طاقتوں میں شمار ہونے لگا تھا۔ وہیں اس کی شہنشاہیت مشرقی ممالک اور خصوصاً وسط ایشیا اور ہندوستان اور ترکوں کی سلطنت کی بھی دعوے دار رہی یا یوں کہئے کہ چنگیز خانی اور تیموری فتوحات روسی شہنشاہیت کا مطمح نظر رہیں۔ اور اسی وجہ سے روس نے چین کو بھی ہمیشہ اپنے سایۂ عاطفت کا مستحق تصور کیا۔ بلکہ شاید یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ روسی شہنشاہیت کے مجوزہ نقشہ حکومت اور ممالک محروسہ میں شاید جاپان اور ممکن ہے کہ عرب کو چھوڑ کر کل ایشیائی ممالک رہے ہیں۔ گو بظاہر اس کی بھی کوئی وجہ نہیں کہ قیصر روم کا جانشین اپنے آپ کو شام، عراق، فلسطین اور مصر کا بلکہ شاید تمام شمالی افریقہ کا بھی پلنے آپ کو مستحق کیوں نہ سمجھتا ہوگا۔ مگر اتنے بڑے اور وسیع خوان نعمت کو ہضم کرنے سے پہلے تو ضرورت اس کی تھی کہ ترکوں کا کانٹا یورپ کے پہلو سے نکال پھینکا جائے اور خود یہی ایک اتنا اہم معرکہ تھا کہ اسے سر کرنے کے واسطے زبردست ساز و سامان اور گہری سیاسی سازشوں کا جال پھیلانا لازمی تھا۔ اتفاق واقعات اور مساعدت حالات نے انگلستان اور فرانس کی شہنشاہیتوں کو مغرب اور مشرق کی بڑی مقتدر طاقتیں بخش دی تھیں۔ اور ان میں سے ہر ایک بڑے بڑے خواب دیکھ رہا تھا۔ عثمانیوں کی سلطنت تین طرف سے نرغے میں تھی اور وسط یورپ کا وہ حصہ جسے بلقان کہتے ہیں۔ سازشوں، بغاوتوں اور غداریوں کا مرکز تھا۔ روسی شہنشاہیت کا ہاتھ رہ رہ کے ترکوں کی سلطنت کی طرف بڑھتا تھا۔ الیگزینڈر نے تو نپولین سے مل کر فیصلہ ہی کر لیا تھا۔ کہ ساری دنیا کو آپس میں تقسیم کر لیا جائے۔ اور اب نپولین کے ختم ہو جانے کے بعد روسی شہنشاہیت کے خواب کا کیا ٹھکانا تھا۔ اگر بعد کی باہمی رقابتیں اور اندرونی رکاوٹیں جو روس کو چک اور پولینڈ کی محکوم قوموں کی بے چینی اور بغاوتوں سے پیدا ہو جاتی تھیں سدِّ راہ نہ ہوتیں۔ اور ترکوں سے بار بار مڈبھیڑ نہ ہوتی رہتی تو روسی شہنشاہی انیسویں صدی کی ابتداء میں پرچم فیروزمندی نہ معلوم کہاں کہاں تک پہنچا دیتی۔

سرمایہ داری کے بڑھتے ہوئے نظام کا آغاز

اٹھارھویں صدی نے نئے اور جمہوری خیالات کا دروازہ کھول دیا تھا اور جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا عملی طور پر انقلابات بھی ہو چکے تھے اور پوری جمہوریتیں قائم ہو کر مٹ بھی چکی تھیں۔ مگر مفکرین کے دماغ برابر اس تلاش میں تھے کہ ان شہنشاہی ہنگامہ آرائیوں، اور دنیا کی کثیر آبادی کی مصیبت کا حل نکلنا چاہیے۔ پورے سو برس سے بھی زیادہ یہ خیالات سرعت سے دماغوں میں چکر لگا رہے تھے نئی علمی دریافتوں اور ایجادوں نے کلیں اور کارخانے اور محنت مزدوری کا ایک نیا غلامی کا دور شروع کر دیا تھا پہلے اگر صناع اور دستکار اپنے ہنر کے مکمل استاد ہوتے تھے اور انفرادی محنت و مشقت سے مکمل نمونے پیدا کرتے تھے تو اب یہ کام کلوں کے کارخانوں میں مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ اور کوئی دستکار خالص اپنی محنت سے کوئی بھی چیز پوری نہیں بنا سکتا تھا۔ خرید و فروخت اب دستکاروں کے ہاتھ سے بالکل باہر نکل گئی۔ بڑے بڑے کارخانے دار اور سرمایہ دار ہی ان کارخانوں کے منتظم ہو سکتے تھے اور محنت و مزدوری کرنے والے صرف ان سرمایہ داروں کے دست نگر رہ کر ہی کام کر سکتے تھے۔ اس طرح دستکاری محنت مزدوری، سرمایہ داری، استحصال منافع اور تجارت کے کل طریقوں میں ایک عظیم الشان انقلاب ہو چکا تھا۔ جس نے مفکروں کے سامنے نئے حالات اور زندگی کے نئے نقشے رکھ دیے تھے۔ یہ تہذیب کا ایک نیا دور تھا جس میں عام زندگی کے نقشے اس قدر پیچیدہ ہو گئے تھے کہ اب پرانے شہنشاہی دور کے خیالات ان اہم اور جرأت آزما مسائل کا حل نہیں نکال سکتے تھے۔ عوام مساوات، اخوت اور حریت کے خواہش مند تھے۔ اور خصوصاً مصنوعات کے کارخانوں نے ان پراگندہ دستکاروں کی جماعتوں کو جو پہلے اپنے کونوں اور کھنڈروں میں ایک دوسرے سے الگ اور غیر منظم حالت میں بسر کرتے تھے۔ اکٹھا کر دیا تھا۔ پہلے دستکار منظم تھے بھی اور برادریاں بناتے بھی تھے تو حالات مساعدت نہیں کرتے تھے

کہ ایک ہی جگہ مل کر رہیں اور اپنے حالات و دافعات پر غور کریں۔ اب اس نئے کارخانے کے دور میں ہزار ہا اور لکھو کھا آدمی، مرد اور عورت اور بچے روزانہ ایک جگہ جمع ہوتے اور کام کرنے لگے تھے اور فطرتی طور پر سیاسی مفکرین ان نئے حالات کا قریب سے مطالعہ کر سکتے تھے اور انھیں یہ نظر آتا تھا کہ استحصال منافع اور مصنوعات کے بڑھانے کی ہوس نے سرمایہ داری کا ایک ایسا نظام مرتب کر دیا ہے جو شہنشاہیت کا ایک نیا ہتھیار بن جانا ضروری ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ سرمایہ داری کا نیا نظام سلطنتوں اور بادشاہوں کا بھی آقا اور نئے جنگ و جدال کا محرک ہو کر رہے گا۔ انھیں یہ بھی نظر آتا تھا کہ اس نظام میں جہاں مادی ترقی کے امکانات بہت وسیع ہیں۔ وہیں ایک کثیر طبقہ آبادی کی غلامی اور اُن کے افلاس کا امکان بھی وسیع ہے۔

نیا دور اور کارل مارکس

بہرکیف اس قسم کے خیالات اور نظریے تھے جو مفکرین کے دماغوں میں گردش کر رہے تھے اور ان سے تمام معاشرتی معاشیاتی اور اقتصادی امراض کا علاج صرف اشتراکیت یا سوشلزم نظر آتا تھا۔ یوں تو ہر متمدن جماعت میں ایک حد تک اشتراکیت کام کرتی ہے۔ یعنی ہر گاؤں اور ہر شہر میں بعض ضروری ادارے مشترک ہوتے ہی ہیں مثلاً ہندوستان کے دیہات میں "بھیا چارے" کی زمینیں، راستے، شاملات دیہہ، کنوئیں، مشترک چوپالیں اور بعض بعض جگہ کھیتی کیاری میں بھی اشتراک اور بٹوارہ ہو جاتا ہے اور شہروں میں میونسپل کمیٹی کے متعلق جس قدر کام ہے وہ سب اشتراکیت کے اصول پر مبنی ہے۔ مگر یہاں اشتراکیت سے مراد اس سے زیادہ وسیع اداروں کا مشترک ہونا ہے۔ مثلاً قدرتی سامان و رسائل کانوں وغیرہ کا اور بڑے بڑے اداروں کا سرمایہ داروں کے ہاتھ سے نکال کر حکومت کے سپرد کر دینا اور کسی ملک کی مشترک دولت کو رفاہِ عام کے کاموں میں لگانا تاکہ ہر ایک فرد بے فکری اور آسائش سے زندگی بسر کر سکے۔ اس قسم کے مختلف نظریے

مصنفین پیش کر رہے تھے کہ انیسویں صدی کے وسط میں ایک یہودی جرمن حکیم اور مفکر کارل مارکس نے جس کا ذکر ہم ابتدا میں کر آئے ہیں۔ اشتمالیت کا ایک جامع اور معنی خیز نظریہ پیش کیا جس نے اشتراکیت کے اور تمام نظریوں کو پیچھے بٹھا دیا یعنی اس نظریئے نے کل کائنات کے مادی پہلو کو پیش نظر رکھ کر نہ صرف نوع انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی بلکہ کل مادی دنیا کے گفتنے کو ایک مسلسل اور مرتب زینۂ ترقی قرار دیا اس نے انسانی ترقی میں ایک خاص قسم کے مادی اصول و قواعد کارفرما دیکھے۔ اس نظریئے کے ابتدائی مدارج اس مقدمے کے آغاز ہی میں مجملاً بیان کئے گئے تھے۔ یہاں صرف اتنا اضافہ کرنا ضروری ہے کہ کارل مارکس کا نظریہ چونکہ علمی اعتبار سے اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے مفکرین کی تحقیقات اور نئے حالات و واقعات کی پیداوار اور فن استدلال کا ایک دلآویز نمونہ تھا۔ اس لئے اس نے ایک ایسا حلقہ پیدا کر لیا جس میں اس کا مطالعہ بڑے غور و خوض سے ہونے لگا اور استدلال کا ایک نیا طرز نکل آیا جس کا مقصد یہ تھا کہ انسانی ترقی پر ایک "ہمہ گیر مادی" نگاہ ڈالی جائے انیسویں صدی کے آخری پچاس برس میں متعدد مفکر ہر ملک میں ایسے پیدا ہو گئے جن کے لئے اشتمالیت ایک مذہب اور کارل مارکس اس مذہب کے امام اعظم بن گئے۔ اس مذہب میں "انقلاب" چونکہ ناگزیر ہے۔ قدرتی طور پر وہ طبیعتیں جو اپنے زمانے کے حالات سے نالاں تھیں اس نظریے میں دنیا کی نجات اور بنی نوع انسان کی بہبود صاف دیکھتی تھیں اور "انقلاب" کی امیدوں میں دن کاٹتی تھیں۔ جرمن حکیم ہیگل کا نام اس سے پہلے مارکس کے نظریے کے سلسلے میں آچکا ہے۔ اس حکیم کی نگاہ میں یہ کائنات عالم "خالق مطلق کی خود نوشتہ سرگذشت ہے" مارکس نے اس سرگذشت کو ایک خالص مادی داستان تسلیم کر کے "خالق" کو تو طاق نسیاں کے سپرد کیا اور باقی کائنات عالم کی اس "خود رو" ترقی کا مطالعہ کر کے یہ نتیجہ نکالا کہ "باشعور" انسان کا

فرض ہے کہ وہ اس ترقی کی رفتار کو تیز تر بنائے اور ان منزلوں تک پہنچ جائے جدھر یہ سفر ارتقار بتدریج اور بڑی سست رفتار سے جا رہا ہے۔ یعنی یہ کہ وہ زمانہ جس میں ہر کس و ناکس بلا امتیاز و تفریق زندگی بسر کر سکے اور جس زمانے میں اس دُنیا اور کائنات کے تمام خزانے نوع انسان کے ہر فرد اور کل نوع کے آرام و آسائش کے لئے یکساں طور پر کام میں آئیں۔ انقلابی تیز رفتاری سے قریب لے آیا جائے۔ جب تک گھوڑا میسّر نہ تھا انسان چار میل کا سفر مشکل سے ایک گھنٹے میں پورا کرتا تھا۔ ریل اور موٹر سے وہ گھنٹہ بھر میں اسی اسی میل جانے لگا اور اب ہوائی جہاز تو گھنٹہ بھر میں پانچ سو میل تک پہنچ سکتے ہیں۔ اسی طرح اس دنیا کے ذہنی اور دماغی اور جماعتی سفر کو بھی عسرت و افلاس مصیبت و محنت کی سست رفتاری سے عام خوش بسری اور نشاط مسرت کی بہشت تک کیوں نہ پہنچایا جائے۔ مگر راستہ کٹھن ہے اور راہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں، انفرادی خود غرضی، ملکیت جائداد کی حرص قوت کا نشہ، مذہب کی خواب آور افیون بہت سی ٹھوکریں ہیں جو انسان کو سیدھے راستے چلنے نہیں دیتیں۔ اس سب کا علاج یہ ہے کہ اگر پہلے شاہی نظام میں جبر و تشدد سے لوگوں کو ایک خاص راہ سے لگا دیا جاتا تھا تو اب ایک انقلابی جماعت شاہی قوت اپنے ہاتھ میں لے کر اس فردوس بریں کو تمام جھاڑ، جھنکاڑ سے صاف کر دے۔ اس کا نام انقلاب ہے۔ مگر یہ کرے کون؟

مزدور طبقے کی حکومت

یہ خدمت "ہمہ گیر مادی" قوت نے مزدور پیشہ طبقے کے سپرد کی ہے اور وہ اس وجہ سے کہ گو اکثریت تو دنیا میں کاشتکاروں کی ہے مگر ان کا پیشہ انھیں چھوٹے چھوٹے موضعوں میں دور رہنے پر مجبور کرتا ہے اور ان کا بڑی تعداد میں ایک جگہ مل کر رہنا ناممکن ہے تاوقتیکہ کھیتی باڑی بڑی بڑی کلوں کے ذریعے سے نہ کی جائے۔ نیز موجودہ حالات میں وہ سب "زمین" کے ایسے متوالے ہیں کہ وہ "ملکیت جائداد کے

مسئلے کو آسانی سے صحیح نگاہ سے نہیں دیکھ سکتے۔ مگر کارخانوں کے مزدور اور دستکار کا معاملہ دوسرا ہے۔ متوسط طبقے کے لوگ بھی جو ان دو طبقوں سے اپنے آپ کو بالا سمجھتے ہیں مگر جو اعلیٰ مال دار طبقہ اور ان کثیر تعداد طبقوں کے "درمیانی درجہ" میں بالائی اور زیریں طبقوں میں تقسیم ہیں۔ مزدوروں سے تعداد میں کم ہیں اور حقیقت میں یہ بھی "ملکیت جائداد" اور طمع اور حرص کے اسی طرح بندے ہیں جس طرح مال دار طبقہ۔ گو یہ سرمایہ دار نہیں ہیں مگر سرمایہ دار طبقے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ یہ مال دار اور سرمایہ داروں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے اور ان کی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔ رہی کارخانوں کی مزدور پیشہ جماعت تو اس کے بغیر سرمایہ داری دو قدم نہیں چل سکتی، اگر انقلاب ہو۔ تو مزدور پیشے ہی کیا جائے گا یہی کہ وہ سرمایہ داری کے قید و بند اور استحصال سے نجات پائیں گے۔ اس لئے "ہمہ یہ مادی" قوت کا تقاضا ہے کہ انقلاب پیدا کرنے کی خدمت مزدور طبقے کے سپرد ہو۔ اس نظریے کے اعتبار سے شہنشاہیں جن کا دامن سرمایہ داری کے ہاتھ میں ہے طمع و حرص کے تقاضے سے ایک دوسرے سے رقیبانہ مسابقت کئے بغیر نہیں رہ سکتیں، اور اس مسابقت اور مقابلے کا لازمی نتیجہ جنگ ہے۔ اور بالآخر ان شہنشاہیتوں اور سرمایہ داری کا فطرتی اور قدرتی طور پر اس قسم کی خود کش جنگوں سے خاتمہ ہو جائے گا۔ ان موقعوں پر مزدور طبقے کے کارفرما دماغوں کو چاہیئے کہ وہ شہنشاہی جنگوں کو خانہ جنگی سے بدل دیں۔ تاکہ یہ سرمایہ داری کا ڈھانچہ تہ شہنشاہیت کی چھت کے زمین پر آرہے اور مزدوروں کی حکومت برسر اقتدار آجائے۔ اور اس مزدور طبقے کی ڈکٹیٹری میں نوع انسان کے لئے ایک پرسکون فردوس تیار کی جائے۔ اگرچہ ابتدائی دور میں یہ فردوس جہنم ہی کیوں نہ معلوم ہو مگر بالآخر نوع انسانی کی اشتمالی فردوس میں جنگ و جدال، مسابقت و مقابلہ، رقابت اور ملکیت سب گناہ کبیرہ تصور ہوں گے اور محنت و مشقت

کرنے والوں کے طبقے کی ڈکٹیٹری بھی معطل اور مفلوج رہ جائے گی یا یوں کہئے کہ مکمل اشتمالیت کے سورج کے طلوع ہوتے ہی یہ سرمایہ داری کی رات کی آخری یادگار بھی صبح کی شفق کی طرح خود غائب ہو جائے گی۔

دوسرے نظریے اس نظریے کے بعد اور بھی نظریے نکلے اور ان نظریوں میں سے انتہائی قسم کے نظریوں کے مصنف اور امام خود روس ہی میں پیدا ہوئے۔ چنانچہ باکونن نے "لاملوتی" یعنی انارکزم کا نظریہ نکالا اور پارف نے جو غریب جوان ہی مر گیا "لاقانونی" یعنی نا ہلزم کا نظریہ اختراع کیا۔ لاحکومتی تو محض حکومت کے قواعد و ضوابط کو ختم کر دینے پر قناعت کر لیتی ہے گو اس منزل تک پہنچنے کے لئے بڑے کشت و خون اور دہشت انگیزی کو روا رکھا جاتا ہے۔ مگر "لاقانونی" اس منزل و شوار گذار سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ اور اجتماعی زندگی کے ہر قانون اور قید اور ہر روک ٹوک کو گناہ کبیرہ قرار دیتی ہے۔ اگر ہم غلطی نہیں کرتے تو "لاقانونی" اور منہ زور شیطان کے اس "چار حرفی" میں جو آج پیش کیا جاتا ہے شاید ہی کوئی فرق ہو۔ یعنی "آزادی" اور وہ بھی انفرادی "آزادی" کو اس حد تک پہنچا دیا گیا ہے کہ اس میں قانون و زیرت کی مداخلت بھی گراں تصور کی گئی ہے۔ اس نظریے میں "پیٹ کائنات عالم کا مرکز" ہے اور تمام کائنات اس مرکز کے گرد گھومتی رہتی ہے شاید چارواک کا بھی نظریہ اسی قسم کا ہے کیونکہ اگر برہسپتی کا قول صحیح طور پر نقل کیا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ "کھاؤ گھی پیاہے قرض ہی لیتا پڑے" اور ظاہر ہے کہ مفت ملے تو پوچھنا ہی کیا۔ مگر اس مزاح سے قطع نظر پارف اگر جوان مر گیا ہوتا تو ممکن ہے کہ وہ کوئی معقول اور قابل توجہ نظریہ مکمل کرتا۔ مگر موجودہ صورت میں اس کا نظریہ ایک اندھا کنواں کہا جا سکتا ہے۔

کارل مارکس کا نظریہ ایک اونچے پیمانے کا فلسفیانہ اور حکیمانہ نظریہ تھا اور مفکرانہ کاوش کا نتیجہ تھا اور اس وجہ سے روس کے مفکروں اور انقلابی

مزاج سیاسیین اور خصوصاً یہودی مفکروں نے اس میں بڑی جاذبیت پائی

روس میں انقلاب کا خمیر

یوں تو اُنیسویں صدی کی ابتدا سے ہی روس میں جمہوریت کی خواہش کا خمیر رہ رہ کر ابلتا رہا تھا۔ ایک طرف گورنمنٹ سختیاں کرتی تھی۔ دوسری طرف جمہوریت کی تحریک کے دل دادہ نئی نئی تدبیریں اور نئے نئے راستے نکال لیتے تھے۔ جلا وطنیاں ہوتی تھیں۔ پھانسیاں اور گردن زدنیاں ہوتی تھیں۔ پستول بھی چلتے تھے۔ بم بھی پھٹتے تھے۔ خود زار ہی کو ایک دفعہ ایک نوجوان لڑکی نے بم سے اُڑا دیا تھا۔ مگر ۱۸۶۶ء اور ۱۸۷۰ء میں یہ کیفیت ہو گئی کہ روس کے منہ بند اور زبان بند ملک میں بھی اخبارات نے پارلیمنٹ کا مطالبہ کھلم کھلا کرنا شروع کر دیا۔ اور اسی پچھلے تیس چالیس برس کے اندر باکونن اور پسارف اور بیسیوں بلکہ شاید سینکڑوں اشخاص ایسے پیدا ہو چکے تھے جو لوگوں میں نئے جمہوری نظریوں کا ہی نہیں بلکہ "لاحکومتی" اور "لاقانونی" کی علانیہ اور خفیہ ذرائع سے تعلیم دے رہے تھے۔ ان میں پروفیسر بھی تھے اور وکالت پیشہ بھی اور خود روس کے رؤسا کے طبقے میں سے بھی۔ بعض نوجوان مرد اور عورتیں نکل آئے تھے۔ جو اصلاح اور انقلاب کو ضروری سمجھتے تھے

دیہاتی اور حرفتی تحریک

چنانچہ ایک تحریک شروع ہوئی کہ شہروں کی زندگی اور دیہاتی زندگی میں ایک زندہ اور معقول رشتہ قائم کیا جائے اور سینکڑوں کی تعداد میں اچھے اچھے گھرانوں کے نوجوان مرد اور عورت متعلمین یونیورسٹیاں چھوڑ چھوڑ کر دیہاتوں میں نکل گئے اور گاؤں میں معمولی کسانوں کے ساتھ انہی کی سی زندگیاں بسر کرنے لگے۔ بدقسمتی سے یہ تجربہ کامیاب ثابت نہیں ہوا کیوں کہ ان کمال طلب طبیعتوں اور اُن بے چارے دیہاتیوں کی زندگی میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ان کے نسخے اُن کے امراض

کا علاج کہاں ہو سکتے تھے۔ یہ سمجھ کر کچھ، گئے تھے، اور پایا کچھ۔

یہ ۱۸۷۰ء کے قریب کا زمانہ تھا۔ اور یہی نہیں بلکہ یہ بھی ایک تحریک تھی کہ طالب علم کوئی نہ کوئی دستکاری، ہنر، حرفہ، کارخانوں میں مزدوری کرنا ضرور سیکھیں۔ چنانچہ صدہا نے بہ رضا اختیار کی اور مزدوروں میں جا کر رہے اور خود ان ہی کی سی زندگی بسر کی۔ مگر جو بے چارے دیہاتوں میں گئے ان کو اور مصیبتوں کے علاوہ ایک تو سرکاری ملازمتیں اور پولیس کی رخنہ اندازیوں کا مقابلہ پیش آیا اور دوسرے خود کاشتکاروں نے بھی انھیں شبہ کی نگاہ سے دیکھا۔ غرض عاجز اور مایوس ہو کر واپس لوٹے۔ اور اس "کمال طلبی" کی پاداش میں باقی زندگیاں بڑی سختیاں جھیل کر کاٹیں۔ یہاں سے انقلابی جماعت کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک تو وہ جنھوں نے محض نشر و اشاعت پر قناعت کی اور دوسرے وہ جو انتہا پسند تھے۔ ان آخر الذکر نے دہشت انگیزی پر کمر باندھ لی اور اس ذریعے سے گورنمنٹ کو مفلوج اور معطل کرنا چاہا۔

روسی انقلاب کی چند اور منزلیں

داستان تو بہت طویل ہے اور تفصیلات کے شائق تاریخوں کے مطالعے سے سیر ہو سکتے ہیں۔ مگر انتہائی اختصار کے باوجود ہم روسی انقلاب کے سفر کی چند ضروری منزلوں کی طرف اشارہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے پچیس تیس برس تک انقلابی جماعت میں نئے لوگوں کا اضافہ ہوا۔ اور انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں گورنمنٹ زار نے ایک طرف طرح طرح کی سختیوں اور سرکاری دہشت انگیزی سے ان کو دبانا اور نیست و نابود کرنا چاہا۔ اور اسی رفتار سے انقلابی جماعت کے پروگرام میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔ کبھی "زمین اور آزادی" کبھی "عوام الناس کی مرضی" کبھی "سیاہ تقسیم" کبھی "محنت کی گلو خلاصی" کے نام سے جماعتیں بنتی اور بگڑتی رہیں اور ان کے پروگراموں، مخمنوں رسالوں اور اخباروں کی علانیہ اور خفیہ طور پر نشر و اشاعت ہوتی رہی

بعض اوقات انتہا پسندوں نے بعض ایسے انتہائی قدم اُٹھائے اور دہشت انگیزی کی رفتار کو تیز کیا جس سے دوسرے انقلابیوں کے خیال میں انقلاب کی رفتار تیز ہونے کی بجائے سُست پڑ گئی۔ اور بعض کھلی ہوئی راہیں بند ہوگئیں۔ علاوہ بریں آپس کے اختلاف اور پھوٹ نے بعض مناسب حال موقعوں کو برباد کر دیا مگر باوجود ان تمام دقتوں، غیر ضروری مصیبتوں اور خود پیدا کردہ رکاوٹوں کے ایک گروہ ہمیشہ ایسے کام کرنے والوں کا باقی رہا جو انقلابی فضا پیدا کرنے کے درپے تھا۔ انھی میں سے بعض ایسے اشخاص بھی نکلے جنھوں نے اس فضا کے بنانے میں باہر سے بیٹھ کر کام کیا۔ جن میں سے ایک بلیکھانوف بھی تھا۔ جس نے عرصے تک سوئٹزرلینڈ میں بیٹھ کر اس نشر و اشاعت کے کام کو انجام دیا۔

ماکسیم گورکی، انقلابی مصنف

اسی دوران میں ماکسیم گورکی جیسے ادبی مصنف بھی نکل آئے جنھوں نے عوام کے دل و دماغ کو مسخر کر لیا خصوصاً ماکسیم گورکی جس کے ادبی شاہکار اور داستانیں روس کے باہر بھی تمام یورپ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں۔ عوام کو بیدار کرنے میں بہت کامیاب ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ لوگ فلسفیانہ اور مفکرانہ نظریوں کو سمجھنے کا وقت نکال سکتے ہیں اور نہ عموماً ان کی استعداد اتنی ہوتی ہے کہ وہ غلط اور صحیح اور محض نظری یا خیالی اور واقعی یا عملی میں آسانی سے تمیز کر سکیں۔ حکیمانہ نظریے تو خود مفکروں اور حکماء کو جو فن استدلال کے استاد اور تاریخ اور دوسرے ضروری علوم و فنون کے ماہر گردانے جاتے ہیں۔ چکر میں ڈال دیتے ہیں۔ ورنہ بھلا اگر کوئی نظریہ بھی ایسا مکمل اور نقص سے پاک ہوتا کہ اس میں چوں و چرا کی گنجائش ہی نہ ہوتی تو کل حکماء اور مفکر اس پر متفق کیوں نہ ہو جاتے، مگر قصّے، کہانیوں، داستانوں ڈراموں اور نظموں کے ذریعے عوام کو فوراً متوجہ کیا جا سکتا ہے۔ داستان کی دلچسپی اور مضمون کی دلاویزی قدرتی طور پر محض حکیمانہ نظریوں کی خشکی اور کرختگی کو دور کر دیتی ہے مضمون جو بڑی ضخیم فلسفیانہ کتابوں سے ذہن نشین نہیں کرایا

جاسکتا۔ وہ چھوٹے چھوٹے دلچسپ ٹکڑوں کے ذریعے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ماکسیم گورکی کو انتہا درجہ مقبولیت نصیب ہوئی اور اس کی دردانگیز داستانوں نے لوگوں کے دلوں اور دماغوں پر تسلط حاصل کر لیا۔

مارکسی تصانیف، جرائد اور مضامین

۱۸۹۳ء سے مارکسی مضامین اور رسالے اور مارکس کی تصانیف کا روس میں بڑا زور بندھا۔ اور مارکس کا بڑے جوش و خروش سے مطالعہ شروع ہو گیا بلکہ لوفٹ، سترووف اور اور کئی اشتراکی عقیدے کے ہی نہیں بلکہ مارکسی اشتمالیت کے عقیدے کے قائل تھے اور جلاوطن محبان وطن اشتمالیت کے عقیدے کی زور شور سے اشاعت کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ ۱۸۹۵ء میں ایک رسالہ "نیا قول" نکلنا شروع ہوا جس میں علانیہ اشتمالیت کی تلقین ہوتی تھی۔ یہ زمانہ وہ تھا جب لینن جو اس وقت نوجوانوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس انقلابی دائرے میں آچکا تھا۔ اور پکا مارکسی ہو چکا تھا۔ مختلف موقعوں پر ان اشتمالی انقلابیوں نے کارخانوں کے مزدوروں کو منظم کرنے کی کوششیں کیں۔ ان کے محضر نامے اور مطالبے چھپوائے اور ہڑتالیں بھی کرائیں۔ جو عموماً ناکام رہیں۔ مگر انھی میں سے وہ ہڑتال بھی تھی جو ۱۸۹۵ء میں سینٹ پیٹرز برگ کے انیس روئی کے کارخانوں میں کرائی گئی جس میں بارہ گھنٹے کے کام کا دن بھی انقلابی مطالبہ سمجھا جاتا تھا! یہ ہڑتال کامیاب ثابت ہوئی اور ایک قانون منظور ہو گیا جس میں "کام کا دن" گیارہ اور ساڑھے دس گھنٹے کا قرار دیا گیا! مگر اس کے بعد ہی انقلابیوں کی بڑی بڑی طرح سے چھٹائی شروع ہو گئی۔ اور ان کا قریب قریب بیشتر حصہ قید اور جلاوطن کر دیا گیا۔

پولیس کی نئی چال

۱۸۹۵ء میں پولیس کے افسر اعلیٰ نے انقلابیوں کا کھوج لگانے کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا یعنی ایک پرانے انقلابی مسمی سوبا توف کو خفیہ طور پر ملا لیا اور اس کے ذریعے سے انقلابی اور اشتمالی مضامین کے

بحث مباحثے چھڑوا دئے۔ اور ان جلسوں کے ذریعے سے انقلابی مزاج اشخاص کے خیالات سے آگاہی حاصل کرکے ان بے چاروں کا پلندہ کس دیا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ذریعے سے ہڑتالوں کا بھی انتظام کرایا تاکہ تحریک کو ایک اور راستے یعنی تشدد سے دبا کے زک دی جائے۔ بالآخر اودیسہ کے شہر میں ایک ہڑتال اس درجہ کامیاب ہوئی کہ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا۔ اور فوج بلوا کر ان ہڑتالیوں کی سرکوبی کرائی گئی۔ سوبیاتوف کی ان حرکات کا جب عقدہ کھلا تو وہ جماعت جو سوشل "ڈیموکریٹ" یعنی "سماجی جمہوریت" کے نام سے معروف تھی اس درجہ متنبہ ہوئی کہ بے چاروں نے اپنی غیر سیاسی سرگرمیوں کو بھی خیرباد کہا۔ مگر ان میں سے وہ جو عزم راسخ رکھتے تھے اب آگے بڑھے اور ان میں لینن پیش پیش تھا۔

لینن اور شرارہ | لینن نے ایک اخبار اسکرا یا "شرارہ" کے نام سے جاری کیا۔ اور اب اس نئی اور مضبوط پارٹی نے یہ طے کیا کہ معاملے کی نوعیت کا تقاضا اب یہ ہے کہ ہماری سرگرمیاں خفیہ ہوں۔ اور ایک منظم سازش کا ..... وسیع جال پھیلایا جائے۔ ۱۹۰۳ء میں اس جماعت کی دوسری کانگرس منعقد ہوئی جس میں لینن کے خیال کے انقلابیوں کی کثرت تھی اور یہاں سے انقلابیوں کے دو گروہ ہو گئے۔ یعنی بالشیوک یا اکثریت اور "منشیوک" یا اقلیت والی جماعت۔

اس پارٹی نے اپنی سرگرمیاں پھر ہڑتالوں وغیرہ کی طرف جھکا دیں۔ اور ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۴ء میں کامیاب ہڑتالیں کرائیں۔ طالب علموں نے ان تحریکات میں بھی ۱۹۰۱ء سے حصہ لیا تھا۔ مگر ناکام رہے تھے

جنگ روس و جاپان اور پہلا انقلابی معرکہ | اب وہ زمانہ آچکا تھا کہ روس اور جاپان کی مشہور اور تاریخی جنگ چھڑ چکی تھی۔ اشتمالیوں نے اس جنگ کو "نظریاتی جنگ" سے تعبیر کیا۔ یعنی اشتمالیت کے مارکسی نظریے کے مطابق

شہنشاہی اور سرمایہ داری نظام کا خاصہ ہے کہ رقیب شہنشاہتیں برسرپیکار ہوں اور ایک دوسرے کو تباہ و برباد کریں اور عوام الناس کو اشتمالی نظام کے قائم کرنے کا موقع ملے۔ چنانچہ قدرتی طور پر جب روس و جاپان کی جنگ چھڑی تو اشتمالی خیال کے معتقدوں نے اس جنگ کو وہی جنگ تصور کیا جس کی پیش گوئی مارکس کے نظریے میں موجود تھی۔ اتفاق سے اس جنگ نے زیادہ طول نہیں کھینچا کیونکہ روسی شہنشاہی کا جنگی نظام جاپانی شہنشاہی کے نوخیز جنگی نظام کے سامنے بالکل ایسا ثابت ہوا جیسے ایک بڈھا اور فربہ ہاتھی ایک نوخیز ہاتھی کے سامنے روس کو شکست فاش ہوئی اور جب مایوس اور شکست خوردہ فوجیں گھر لوٹنے لگیں تو انقلابی ذہنیت نے موقع مناسب تصور کرکے ۱۹۰۵ء کے آخر میں انقلاب کا پھریرا بلند کردیا۔ حالات نامساعد ثابت ہوئے اور اس قبل از وقت ہنگامہ آرائی میں بہت سے انقلابی بے وقت کام آگئے۔ لینن بھی اعانت اور بغاوت کے جرم میں جلا وطن کردیا گیا۔

۱۹۰۵ء کے ناکام انقلاب کا یہ اثر ہوا کہ زار اور اس کی حکومت کو ترقی خواہ سیاسیین کے مطالبات اور خصوصاً کاشتکاروں اور مزدوروں کے مطالبات کے سامنے بڑی حد تک جھکنا پڑا۔ ۱۹۰۶ء تک بغاوت کے جرم میں مقدمات کا بازار گرم رہا اور دو طرفہ دہشت انگیزی جاری رہی۔ مگر دوما کو قانون وضع کرنے کے مکمل اختیارات مل گئے اور کسانوں اور مزدوروں کے حقوق میں بھی اضافہ ہوگیا۔

سرکاری تشدد گذشتہ ستر پچھتر برس میں روس میں مصنوعاتی کارخانے بکثرت بن گئے تھے اور مزدوروں کی تعداد کافی بڑھ گئی تھی۔ اس زمانے میں انقلابی تحریکات بھی زینہ بہ زینہ درجہ بدرجہ بڑھتی رہیں۔ اور مفکر اونچے اونچے گھرانوں میں بھی پیدا ہوتے رہے۔ جن میں سے کونت، تولسطائے اور شاہزادہ کروپوتکن کے نام خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ مگر ان کے علاوہ متعدد

اشخاص خود شاہی خاندانوں میں ایسے پیدا ہوئے جنھوں نے عوام کے مطالبات کی حمایت کی بار بار پولیس کے افسران اعلیٰ نے یہ حرکات کیں کہ خود اپنے پیٹھوؤں کے ذریعے سے بھوے اور جوشیلے لوگوں کو آمادۂ فساد کیا جس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ پہلے فتنے برپا کرائیں اور حکومت کو ان فسادوں اور بلووں کو انتہائی تشدد سے فرو کرنے کا موقع دیں۔ اس ذریعے سے وہ دو مطلب پورے کرنے چاہتے تھے۔ ایک تو محکمۂ پولیس کی اہمیت بڑھانی؟ اور دوسرے عوام کو جبر و تشدد سے خوف زدہ کرنا۔ نیز خود گورنمنٹ کا بھی یہی طرز عمل رہا کہ ایک ہاتھ سے اصلاح کا دروازہ کھولنا اور دوسرے ہاتھ سے انتہا پسند جماعتوں کی بے دردی سے سرکوبی کرنا۔

یورپی جنگ کے آثار اور جنگ

۱۸۷۰ء تک یورپ کے حالات ایسی منزل پر پہنچ چکے تھے کہ انگلستان اور جرمنی کی جنگ ناگزیر نظر آنے لگی تھی اور زار کی حکومت اس نتیجے پر پہنچ چکی تھی کہ اب وقت آگیا ہے کہ روس اور انگلستان کی روائتی رقابت کو ختم کر دیا جائے تاکہ دول یورپ کا توازن حسب منشا ہو جائے۔ جرمنی ایک مضبوط اور ترقی یافتہ دولت بن چکی تھی۔ اور اس کی آسٹریا کی ہمسایہ شہنشاہیت سے ایک طرف اور اٹلی کی حکومت سے دوسری طرف اتحاد ثلاثہ قائم ہو گیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ انگلستان، فرانس، اور روس کا بھی شرکت عمل پر سمجھوتا ہو جائے اور حفاظتی اور حربی عہدنامے ہو جائیں گویا یہ چھ دولتیں ایک دوسرے سے اتفاق اور اتحاد کر کے سیاسی اور مادی طاقتوں کے ترازو کے دونوں پلڑے ہم وزن کر لیں۔ انگلستان کی جہانگیر حکومت یوں تو سب کی آنکھوں میں کھٹکتی تھی کیونکہ روس اور فرانس کے علاوہ یورپ کی اور تمام حکومتیں یہ محسوس کرتی تھیں کہ انگلستان کی جہانگیر حکومت اور تجارت نے اور سب کی ترقی کے دروازے بند کر دئے ہیں۔ لگا ہیں تو روس اور فرانس کی بھی انگلستان کی شہنشاہیت

پر رقیبانہ اور حاسدانہ ہی پڑتی تھیں۔ مگر جرمنی، آسٹریا اور اٹلی کے گٹھ جوڑ کی وجہ سے ان دو ملکوں کو خود اپنا فکر لاحق ہو گیا تھا۔ اور اس وجہ سے محبت علی کی وجہ سے نہیں بلکہ بغض معاویہ، یا یوں کہئے کہ رام کی محبت سے نہیں بلکہ راون کے ڈر سے انھوں نے اپنے پرانے رقیب سے سمجھوتہ کر لیا تھا اور ہر طرف زور شور سے جنگی تیاریاں شروع ہو گئی تھیں۔ اس سلسلے میں برطانیہ کے غیر ملکی معاملات کے محکمے نے جاپان سے دوستی جوڑلی اور جرمنی نے ترکی سلطنت سے رشتہ قائم کر لیا۔ بظاہر فریق بندی ہم وزن معلوم ہوتی تھی۔ اور امید کی جاتی تھی کہ شاید جنگ تک نوبت نہ پہنچے مگر ۱۹۱۴ء میں بالآخر جنگ عظیم برپا ہو گئی۔

روس کا انقلاب ۱۹۱۷ء میں ابھی جنگ جاری ہی تھی بلکہ حالات جرمنی کے موافق نظر آرہے تھے کہ روس میں انقلاب ہو گیا۔ اس انقلاب کے پیچھے ایک طرف تو گذشتہ ستر پچھتر برس کے اندرونی سیاسی حالات تھے اور دوسری طرف جرمنی اور آسٹریا کی کوششیں کہ کسی طرح روس کا شیرازہ بکھر جائے۔ اور کم سے کم ایک محاذ جنگ سے تو نجات ہو جائے۔ زار کی سیاسی کوتاہ اندیشیوں نے بجائے عوام الناس کی اندرونی قوت کو منظم اور مضبوط کرنے کے شخصی اقتدار کو محض فوج، پولیس اور دفتری حکومت کے برتے پر مضبوط بنانے اور عوام کو کمزور اور بے بس رکھنے کی پالیسی پر عمل درآمد کیا تھا۔ اس کا نتیجہ ظاہر تھا۔ بہرکیف فوجیں بھرتی تو عوام ہی میں سے کی جاتی ہیں۔ اور ایسی فوجیں جن میں قومی اور وطنی جوش نہ ہو اور جو محض فن سپہ گری اور سرفروشی کے معاوضے کے شیرازے میں منسلک ہوں آقاؤں کے آڑے وقت میں کبھی دل سے کام نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ روس اور جاپان کی جنگ میں اس کا کافی تجربہ ہو چکا تھا۔ مزید براں زار روس کی حکومت نے جرمنی اور آسٹریا کی منظم فوجوں اور ترقی یافتہ سامانِ حرب کے مقابلے میں تعداد کی

کثرت پر بڑا اعتماد کیا اور نوے لاکھ فوجیں اس جنگ کے لئے بھرتی کر لیں لطف یہ تھا کہ ان نوے لاکھ سپاہیوں کو مسلح کرنے اور اُن کی ضروریتیں پورا کرنے کا پورا سامان بھی موجود نہ تھا۔ اس بھیڑ کا محاذ جنگ پر کامیاب ہونا قریب قریب ناممکن تھا۔ ان فوجوں میں بد دلی اور بے چینی الگ تھی اور ان کے اعزا و اقربا میں خصوصاً ان کے گھر کی عورتوں میں جن میں سے ایک خاصی تعداد سینٹ پیٹرز برگ اور دوسرے مقامات پر کارخانوں میں مزدوری کرتی تھیں بے چینی جُدا تھی۔ فوج کے سب آدمیوں کو جوتے، وردی اور قیام کے لئے خیمے تک موجود نہ تھے۔ اور اس بے سروسامانی میں یہ کوچ اور قواعد کرتے اور جس طرح ہوتا قیام کرتے تھے۔ ظاہر تھا کہ یہ ایسے حالات تھے جن میں اگر انقلاب نہ ہوتا تو حیرت کا مقام ہوتا۔ خصوصاً جبکہ پچھلے ستر پچھتر برس کے انقلابی خیالات کے مرکز ملک بھر میں کام کر رہے تھے۔ اور انقلاب کے تند و تیز جراثیم نے گھن کی طرح روس کی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر رکھا تھا۔ اس موقعے پر جرمنی اور آسٹریا نے پرانے روسی انقلابی جلا وطنوں کو اور خود اپنے جاسوسوں کو بھی ملک میں پہنچانا شروع کر دیا اور ادھر محاذ جنگ پر روسی فوجوں کو بے سروسامانی کی وجہ سے ہزیمتیں ہوئیں۔ اُدھر انقلابی رہبروں نے کارخانوں کے مزدوروں اور عوام کو ہڑتالوں پر آمادہ کیا اور بالآخر ایک دن یہ مواد پھوٹ نکلا۔ سینٹ پیٹرز برگ میں فسادات اور بلوے اور انقلاب شروع ہو گیا۔ زار اور شاہی خاندان کے لوگ گرفتار ہو گئے۔ فوجیں ریلوے اور ڈاک خانے کے ملازمین بگڑ گئے۔ اور زار روس کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

ابتدائی دور میں کیرنسکی نے دو مابعین روسی پارلیمنٹ کی اس پارٹی کی مدد سے جو اس وقت تک حکومت کی مخالف پارٹی تصور ہوتی تھی۔ ایک جمہوری حکومت قائم کر لی۔ اس پارٹی سے پرانی انقلابی جماعت کی اقلیت کی پارٹی یعنی مینشیوکوں نے اشتراک عمل کیا اور گویا وہ خود بر سر اقتدار آ گئے اس موقع پر

بولشیوک لیڈر لینن کو خود جرمنی نے روس پہنچا دیا۔ اُدھر سے ٹراٹسکی امریکہ سے آگیا۔ ان کے علاوہ دوسرے انقلابی لیڈر مثلاً زنوویف، رادیک، کامینیف، کراسن، زوراں، لوناچارسکی، اور ستالن بھی پہنچ گئے۔ اور تھوڑے عرصے کے بعد کیرنسکی کی گورنمنٹ کو ختم کرکے بولشیوک برسر اقتدار آگئے۔ اور یہاں سے کمیونسٹ یا اشتمالی انقلاب کا وہ سفر شروع ہوگیا جو آج بائیس برس سے جاری ہے۔ ۱۹۲۴ء تک تو لینن زندہ تھا۔ اور اسی نے انقلاب کی ساری داغ بیل ڈالی۔ مگر لینن کے انتقال کے بعد ستالن نے کمیونسٹ پارٹی اور روس کی حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے لی اور آج بھی وہی کارفرما ہے گویا اگر یہ کہا جائے تو چنداں بے جا نہ ہوگا کہ ستالن روس ہے اور روس ایک اشتراکی ملک ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ستالن کی اس سیرت میں مصنف نے غیر جانب داری سے کام لیا ہے۔ ہم نے اس کا ترجمہ ضرور کیا ہے اور کوشش کی ہے کہ مصنف کا مفہوم پورا ادا ہو جائے مگر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خواہ روس کی گذشتہ بیس بائیس سالہ تاریخ کا مصنف نے غیر جانب دارانہ نقشہ پیش کرنے کی کوشش کی ہو۔ مگر شاید ستالن کو بعض موقعوں پر ضرورت سے زیادہ مشتبہ نگاہ سے دیکھا ہے اور روس کے متعلق بھی ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حد سے گذر کر سخت گیری سے کام لیا ہے۔ بایں ہمہ یہ ایک نقشہ ہے جو ہمارے سامنے آتا ہے اور ہر سمجھ دار آدمی اس میں سے رطب و یابس کو الگ کر سکتا ہے۔

دیباچہ مترجم

سٹالن کی سیرت اور روس کے حالات اس وقت خصوصیت کے ساتھ دلچسپی سے پڑھے جائیں گے۔ روس کے حالات پر ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں، مگر شاید ان میں سے کسی کا ترجمہ ابھی اردو میں نہیں ہوا بہترین کتاب اس سلسلہ کی وہ ہے جو سڈنی اور بی ایٹرس ویب یا لارڈ اور لیڈی پاسفیلڈ کی لکھی ہوئی ہے۔ مگر اسٹالن کی سیرت کہیں مکمل نہیں ملتی

اس سیرت میں سٹالن کی جو تصویر کھینچی گئی ہے وہ بظاہر کچھ اچھی تو نہیں معلوم ہوتی بلکہ سٹالن کی انسانی کمزوریاں اس طرح دکھائی گئی ہیں جن سے اس کی خوبیاں دبی ہوئی نظر آتی ہیں۔ مگر بایں ہمہ یہ ایک ایسی مختصر تالیف ہے جس سے سٹالن کی بری یا بھلی تصویر سامنے آجاتی ہے اور روس کے حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ روس کے حالات کے سلسلہ میں بھی اس سیرت کے مصنف نے جس درجہ ضمن و تعنت کو جائز رکھا ہے وہ اس تالیف کے منصفانہ ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتے۔ مگر مختصر طور پر

مواد اتنا فراہم کیا گیا ہے کہ اس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ۔ اور بہر صورت سیاسی تصویر ضرور اس قسم کی ہے جو آج کے دن کافی دلچسپ ہے ۔ اسی لئے اس کا ترجمہ کیا گیا ہے

محمد آصف علی

دیباچۂ مصنف

تعجب کی بات ہے کہ لینن کی اس مفصل سوانح عمری میں جو والیریو یارمو نے لکھی ہے سٹالن کا نام محض ایک سرسری حوالہ کے طور پر آتا ہے۔ سٹالن کے پس پشت رہنے کی قابلیت کا یہ ثبوت ہے کہ وہ اس طرح نظروں سے اوجھل رہ گیا۔ چند برس پہلے تک منظر عام کا مرکز انقلاب کے ان رہبروں نے سنبھال رکھا تھا۔ جو بلند آہنگ یا ظاہری طمطراق سے آراستہ تھے۔ سٹالن نے کبھی نمود نہیں چاہی۔ چنانچہ اخباری دنیا میں ٹروٹسکی کی سرگرمیوں کے مقابلہ میں سٹالن کا ذکر بدرجہا کم ملے گا۔ گو اس میں شبہ نہیں کہ مغرب کا پریس آج اس کمی کو پورا کر رہا ہے۔ جس دن سے سٹالن سوویت روس کی کارفرمائی کے معراج پر پہنچا ہے۔ اس کی شخصیت اور زندگی کی اہمیت کے متعلق بہت سے مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ مگر تفصیلات کے لحاظ سے یہ بھی چھدرے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہت کم نامہ نگاروں کو خود اس سے گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہ ملاقاتوں سے بچتا ہے۔ اور یہ کھلی بات ہے۔ کہ اس کے

گذشتہ حالات یا سوانح حیات دریافت کرنے دشوار ہیں۔ اس وجہ سے میں نے یہ سیرت لکھ کر ایک ضرورت کو پورا کیا ہے۔ ہمیں اس شخص کے متعلق جس کے ارادوں اور خیالوں سے آج روس کی تمام تر تقدیر وابستہ ہے، زیادہ تر معلومات کی ضرورت ہے۔ یوں تو انقلاب لینن ہی کے دماغ کا مرہون تھا مگر علالت کی وجہ سے اس میں اتنی جسمانی قوت نہ تھی کہ وہ اپنے سوشلزم (اشتراکیت) کے نظریہ کو عملی جامہ پہناتا۔ اور ٹروٹسکی لینن کے ڈھنڈورچی سے زیادہ نہ تھا اگرچہ وہ اپنے غرور میں تلا رہتا تھا۔ یہ سٹالن ہی کا دم ہے کہ آج انقلاب اس منزل پر پہنچ گیا ہے کیونکہ اس میں یہ خوبی ہے کہ وہ جس سے جو کام چاہے کرا سکتا ہے

اس کے آغاز عمر کی دیدہ دلیریاں، امن کارہائے نمایاں کا حال جو اس نے خانہ جنگی کے زمانہ میں انجام دئے لینن کی پرستش اور اس کشمکش کا ڈراما جو قوت حاصل کرنے کے لئے اسے ٹروٹسکی سے کرنی پڑی، نیز کمیونسٹ پارٹی میں تمام رقیبوں پر فتح حاصل کرنا ایک ایسی داستان ہے جس سے ایک حیرت انگیز شخصیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے دامن زندگی پر بہت سے بدنما دھبے بھی ملتے ہیں مگر بعض اعتبار سے اسے قطعی طور پر لینن سے عظیم تر ہستی تسلیم کرنا پڑتا ہے

سٹیفن گراہم

پہلا باب

گرجستان (جارجیہ) نے ستالن کے عروج سے پہلے نہ کوئی بڑا معاملہ فہم پیدا کیا اور نہ دنیا کی تاریخ میں کسی نمایاں ہستی کا اضافہ کیا۔ ایک سلطنت ہونے کے اعتبار سے اس کی ایک تاریخ ہے جس کا دور دو ہزار برس کا ہے۔ مگر اس تاریخ کے نمایاں منظر یہی ہیں کہ اس پر سکندر، چنگیز خاں اور تیمور جیسے بڑے بڑے تاخت و تاراج کرنے والوں نے حملے کئے اور فتح حاصل کی، اس ملک کی ایک ملکہ نے قصے کہانیوں کی سی شہرت پائی یہ وہ ساحری تمارا تھی جو اپنے عاشقوں کو شربت وصل پلا کر دائمی نیند کی گھاٹی کے محل میں دارالبقار کو پہنچا دیا کرتی تھی، گرجستان کا علاقہ کوہ قفقاز میں واقع ہے جس کی عظیم الشان برفانی چوٹیاں یورپ والوں اور ان کے اصل آریائی وطن (یعنی ایشیا) کے درمیان حد فاصل کا کام کرتی ہیں

گرجستان انیسویں صدی کی ابتدا میں ہی یورپ میں ضم ہو چکا تھا، کوہ قاف کے قبیلوں نے کریمیا کی جنگ کے موقع پر ایک بہادر رہبر شامیل

:ی کی قیادت میں جو دراصل خود گرجستانی نہ تھا بغاوت کی تھی مگر انھیں بغیر کسی دقت کے منتشر کر دیا گیا تھا۔ امن و امان کے بعد روسی افواج میں نہایت عمدہ گرجستانی فوجوں کا اضافہ کیا گیا، اس قوم کے فرد دنیا بھر میں سب سے زیادہ حسین ہوتے ہیں۔ مرد غیر معمولی طور پر طویل قامت ہوتے ہیں۔ عورتیں پستہ قد ہوتی ہیں جن کا اوپر کا جسم بھرا بھرا ہوتا ہے جو مغربی معیار حسن کے خلاف ہے۔ مقامی وطن پرستی کے جذبہ کا شعلہ تو گرجستانیوں میں برقرار رہا مگر وہ زار کی وفادار رعایا بن گئے، انقلاب کا خمیر وہاں کسی وقت بھی اتنا نہیں اٹھا جتنا پولینڈ اور بالٹک کے صوبوں یا فنلینڈ میں۔ یہاں کے دارالحکومت طفلس نے دنیا کی اور تمام چیزوں کے مقابلہ میں لذیذ کھانے پکانے میں شہرت حاصل کی یعنی دوسرے الفاظ میں گرجستان کا نام کھیتنسکی شراب اور شاشلک سے روشن ہوا، بایں ہمہ یہ فخر گرجستان ہی کو ہے کہ اس نے ستالن کو پیدا کیا۔

طفلس سے باطوم کو جو ریل جاتی ہے اس پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے یہ گوری کی گھاٹیوں کے جنوب میں واقع ہے، ستالن یہاں پیدا ہوا تھا۔ اس کا اصل نام یوسف بوگاشولی تھا بچپن کا پیار کا نام سوسو تھا جو آج تک باقی ہے۔ مگر اس نے بعد میں اپنا نام پہلے کوبا رکھا اور پھر وہ نژدہ راڑے بن گیا۔ پھر اس کے بعد اس کا نام جزبیکوف اور ایک دفعہ ایوانوویچ بھی رہا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ لینن نے آخر میں اسے مشورہ دیا کہ وہ اپنا نام ستالن رکھے جس کے معنی ہیں فولاد کا پتلا۔

ستالن کا باپ گوری کا ایک موچی تھا، ایک مصنف کا قول ہے کہ اس لڑکے کے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا کہ غریبوں کی جوتیوں کے

مقابلے میں جو مرمت کے لئے آیا کرتی تھیں۔ امیروں کے جوتے بہت بڑھیا ہوتے تھے، مگر غالباً یہ بات مہمل ہے۔ پہلے ستالن کا باپ یہ کام تن تنہا کیا کرتا تھا۔ مگر بعد میں وہ وطن چھوڑ کے طفلس آگیا اور یہاں اوسکانوف کے کارخانے میں کام کرنے لگا یعنی یہ کہ وہ اب باضابطہ کارخانہ دار مزدور یا پرولیٹرین بن کر رہنے لگا۔ ستالن کی ماں اوسیتین کے ایک کسان کی لڑکی تھی، جو نہ پڑھ سکتی تھی نہ لکھ سکتی تھی اور نہ روسی ہی بول سکتی تھی، اس کے ہاں اور بھی لڑکے پیدا ہوئے مگر وہ بچپن ہی میں مرگئے لے دے کے ایک یوسف بچا اور اس لئے وہ بڑا اللہ آمین کا تھا، ابھی یہ بالغ نہ ہوا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا اس لئے یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ اس پر ماں کا اثر غالب رہا ہوگا۔ بلحاظ جسمانی نشو و نما کے باپ کے مقابلہ میں ماں سے ستالن کو زیادہ وراثت ملی وہ گرجستان کا نمونہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کا قد چھوٹا اور بدن بھاری ہے اور ورزشی پٹھے ہیں۔ اس کی آنکھیں غور و فکر میں ڈوبے رہنے والوں کی آنکھوں کی طرح گہری ہیں۔ بھویں گھنی اور کمان کی طرح کھینچی ہوئیں جنھیں عموماً ایشیائی بھاؤ تاؤ اور سودا کرنے والوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ اس نے نام تو اپنا "پتلہ فولاد" رکھا ہے مگر اسے "سنگ رو" کہنا زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے

اوسیتی جو ستالن کے ننھیالی مورث ہیں گرجستانیوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ وحشی اور تند خو ہیں، یوں تو یہ صحیح ہے کہ ان کا سلسلۂ نسب فنوں (فنلینڈ کے باشندوں)، اور ماجروں (ہنگری کے باشندوں) سے ملتا ہے مگر اس وجہ سے وہ یورپین کہلائے جانے کے

مستحق نہیں بلکہ وہ محض ایک اجڈ اور وحشی کوہستانی قبیلہ کے لوگ ہیں۔
ستالن ۱۸۷۹ء میں پیدا ہوا یہ شہنشاہ الیگزینڈر دی لبریٹر
(Alexander the Liberator) کا زمانہ تھا کسان رعایا
آزاد کی جاچکی تھی مگر اس کا ستالن کے والدین پر کوئی اثر نہیں پڑا
کیونکہ قاف کے باشندے اس قسم کی غلامی سے ناآشنا تھے۔ قبیلوں
کی بغاوتیں مدت ہوئی کہ فرو کی جاچکی تھیں اور محکوم غیر قوموں کو روس
بنانے کی تحریک ترقی پر تھی، روس کی قلمرو میں ایشیا کے جنوب مغربی
علاقہ میں بہت کچھ اضافہ ہوگیا تھا، کیونکہ اس میں خیوا، بخارا اور سمرقند
کا علاقہ شامل کیا جاچکا تھا ترکوں کی بلقانی حکومت پر بھی ایک ضرب کاری
لگائی جاچکی تھی۔ سرویا، بلغاریہ اور رومانیہ پھر تاریخ میں جداگانہ حیثیت
سے نمودار ہوچکے تھے اچانک ایک لڑکی سوفیہ پیرووسکایا نے سینٹ
پیٹرزبرگ میں نہر کیتھرین کی ایک ٹھوکر پر زار الیگزینڈر ثانی کو جس کی حیثیت زار
خاندان میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے بم مار کر ٹکڑے اڑا دیئے۔ کہا جاتا
ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب مقتول زار کے پیش نظر روس کے
دستور اساسی کا مسودہ تھا اور اس پر وہ مہر تصدیق ثبت کرنے والا
تھا، اگرچہ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ اصلاحی تجویز قبل از وقت تھی کیونکہ
ابھی تک روس میں پارلیمنٹری گورنمنٹ کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی
تھی۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کشادہ دل اور نرم خو خنجر کا شکار ہوتے ہیں
اور ظالم اپنی خوابگاہوں میں اپنی قضا سے مرتے ہیں۔ چنانچہ زار الیگزینڈر
سوئم نے روسیوں سے اپنے باپ کے قتل کا بدلہ لینے میں کوتاہی کی
مگر اس کا سرانجام تشدد سے نہیں ہوا۔

جس وقت سٹالن سن شعور کو پہنچا الیگزینڈر سوئم کی غیر ہمدرد حکومت کا زور تھا جس میں ایک حقیر قسم کی قومیت کی تحریک اور نہیلزم یعنی لاتعلقی کا ضمیر اٹھ رہا تھا۔ سٹالن کی تعلیم ایک آزاد درسہ میں ہوئی تھی جہاں گوری کا ایک پادری استاد پڑھاتا تھا اس کے والدین غریب تھے مگر ایک حد تک وہ اپنے بچے سے بڑی امیدیں لگائے ہوئے تھے، اس زمانہ میں یہ بات عام تھی کہ بچے لکھنے پڑھنے سے نا آشنا رہتے تھے۔ مگر موچی یوگیش فلی نے اپنے بچے کو پادری بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، یوسف لکھنے پڑھنے میں سست نہ تھا مگر غالباً اس نے بکریاں چرانے کے زمانے میں گھوڑے کی سواری اور گھوڑوں پر شکار کرنے کی زیادہ مشق کی ہوگی اور غالباً اس نے فرصت کا بڑا حصہ اسی طرح کاٹا ہوگا۔ اپنے ساتھیوں اور ہمجولیوں کا وہ قائد تھا۔ مذہبی تعلیم کے زمانہ میں اس نے قزاقی کے فن میں بھی ہاتھ رواں کئے۔ قفقاز میں قزاق بننا گویا ہیرو (جرأت و ہمت کا نمونہ) بننا تھا۔ اس علاقے میں قزاق عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور لوگ ان کا رعب مانتے ہیں۔ قبیلہ انگش کے علاوہ قبیلے کے قبیلے ایسے ہیں جو معصومیت کا دم اس بنیاد پر بھرتے ہیں کہ ان کی بسر اوقات کا ذریعہ صرف گھوڑوں کی چوری ہے۔ کسی کے قتل کے ذکر فکر کی بجائے اسے تلوار کے گھاٹ اتار دینا ایک شریفانہ فعل گردانا جاتا ہے۔

ابھی اسے ابتدائی مدرسے میں تین ہی برس گزرے تھے کہ طفلس کے مذہبی مکتب میں بھیجا گیا۔ اس کی ماں بھی ساتھ گئی۔ اور اب

وہ ایک ایسے دیہاتی قصبہ سے جہاں شام کے وقت چراگاہوں سے لوٹتے ہوئے گلے بازاروں میں سے ہو کر گزرتے ہیں۔ دارالحکومت میں جا پہنچا جہاں ڈھائی لاکھ آبادی تھی اور جہاں تھیٹر، کلب، قہوہ خانے اخبارات سب موجود تھے نیز جہاں وہ نوجوان موجود تھے جن کی زندگیاں بازاروں میں کٹتی تھیں جو وحشت پرور کوہستانوں سے دور یورپ اور تہذیب سے قریب تر تھے اس نوجوانی کے زمانہ میں طفلس کی اس زندگی کے ماحول میں جو کشمکش سے پُر تھی، لغزش کی راہ پر پڑ جانے میں اسے دیر نہ لگی۔ یہاں اس نے گرجستانی قومیت کا سبق سیکھا اور یہیں اس کے دل میں انقلاب کا جوش پیدا ہوا۔ جس زمانہ میں وہ بیزنطی عیسائیت کا درس لے رہا تھا جو سریع الاعتقادی کی متقاضی تھی اس نے کارل مارکس کا بھی مطالعہ کیا اور علم الٰہیات پر منطق اور دہریت غالب آگئی جب اس ادارہ کے شیخ نے اسے رہبانیت کے لئے نااہل قرار دے کر خارج کیا تو درحقیقت اس نے ستالن کے اس فیصلہ کی تصدیق کی جو وہ پہلے ہی اپنے دل میں کر چکا تھا۔ اخراج کے چند مہینے کے اندر ہی وہ طفلس کی سوشیل ڈیموکریٹک پارٹی (سامارجک پرجاتنتر دل یعنی اشتراکی جمہوریت کی جماعت) میں شریک ہو گیا اس وقت وہ انیس برس کا تھا مگر اس کا مزاج بالکل انقلابی بن چکا تھا اور یہ اس سے ثابت ہے کہ جس پارٹی کا وہ ممبر بنا تھا اس کا علانیہ قائم رہنا بھی مشکل تھا کیونکہ اس پارٹی کا کل نظام خفیہ تھا اور اس کا ممبر بنتے ہی پولیس اس کی سخت نگرانی کرنے لگتی تھی اب رجعت پسند شہنشاہ الیگزینڈر جاں بحق ہو چکا تھا اور زار نکولس دوم جو فطرتاً نرم تھا

اُس کا جانشین تھا، نکولس اپنی عروس کی الفت اور خانگی نشاط میں اتنا منہمک تھا کہ اسے شخصی حکومت کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ تھی اور مطلق العنانی پھیلتے پھیلتے دفتری حکومت پر آکر ٹھہر گئی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ پولیس کی سرگرمیاں بہت بڑھ گئی تھیں اور سیاسیات میں فوجی نگرانی کا بڑا دخل ہوگیا تھا۔ اُس کے دوران حکومت میں تمام قومی اقلیتوں میں انقلابی میلان طبع کی ایک بڑھتی ہوئی موج اٹھی۔ اس انقلابی جماعت کی طفلس، باکو اور باطوم میں بڑی تیزی سے پرورش ہوئی، جہاں انھوں نے تیل کے کارخانہ کے مزدوروں اور ریل کے ملازموں میں کارگر طریقہ پر پروپگنڈا کیا۔

اس جماعت میں داخل ہونے کے دو برس بعد ہی ستالن اس کی ایگزیکٹیو یعنی جماعت عاملہ کا رکن بن گیا۔ اور جماعت کی سرگرمیوں کی براہ راست رہبری کرنے لگا، اس وقت سرگرمیوں کے لئے کوئی بہت بڑا میدان تو تھا نہیں نہ کسی مسلح بغاوت کی توقع تھی۔ زیادہ سے زیادہ عملی کام کا امکان اتنا تھا کہ بے ضابطہ پمفلٹ شائع کئے جائیں اور انھیں مزدوروں میں تقسیم کیا جائے، نئے ممبروں کو گھیرا جائے، اور سرگرمیاں جاری رکھنے اور گرفتار شدہ ممبروں کے مقدموں کی پیروی کے لئے روپیہ جمع کیا جائے۔ یہ انجمن مفلس تھی اور قیدیوں کے پاس جو وفد آتے تھے وہ پچاس کوپیک یعنی بارہ آنے کے قریب یا کبھی کبھی ایک روبل یعنی پورے دو روپئے مقدمات کی پیروی کے واسطے دے جایا کرتے تھے۔

روسی تاریخ کے اس زمانہ میں حالات کی رفتار سست تھی۔ کہیں لڑائیاں تو ہو نہیں رہی تھیں۔ شخصی آزادی دبائی جاتی تھی اور

پریس کی نگرانی ہوتی تھی حالانکہ خود ان کے مضامین بے رنگ ہوتے تھے جدا جدا قومیں جو اقلیت میں تھیں روسی بنائی جا رہی تھیں اور ایک شخص مسمی پوبیدونوستسیو کی نگرانی میں یہودیوں کے خلاف جو کچھ کیا جاتا تھا وہ اگرچہ اس وقت تو شدید سمجھا جاتا ہوگا مگر آجکل کے نظام کی نوعیت کے لحاظ سے تو اسے معتدل سمجھنا چاہئے مگر روسی جن کی تعداد نسبتاً تمام قلمرو کی اقلیتوں کے مقابلہ میں دس اور ایک کی تھی خود مجہول تھے۔ ایک حد تک دوستوفسکی جو روس کا ایک مشہور مصنف اور ڈراما نویس ہے کے اثر سے روسیوں کے دلوں میں خود اعتمادی کا جذبہ مضبوط تر ہو گیا تھا اور اب ان کے دل میں پولینڈ کے رہنے والوں، یہودیوں، لیٹوں، فن لینڈ والوں، استھونیا والوں تاتاریوں اور گرجیوں کی جانب (جو سلطنت کے پہلو میں کانٹے کی طرح چبھتے رہتے تھے) کچھ کچھ دلچسپی پیدا ہونے لگی تھی

کارل مارکس کے نظریہ کے مطابق سرمایا داری کی بربادی کے بیج خود اسی میں موجود ہیں چاہے انقلابی تحریک اٹھائی جائے یا نہ اٹھائی جائے انقلاب کا ہونا لازمی تھا کیونکہ تاریخ کے سفر میں یہ منزل ضرور پیش آتی ہے یہ ایں ہمہ انیسویں صدی کے آخر میں یہ نظر نہیں آتا تھا کہ انقلاب تیز رفتاری سے آ رہا ہے مارکس تو اپنے خیال میں دنیا بھر کے انقلاب کا متوقع تھا اور اس کے نظری نقشے میں کسی مقامی حکومت مثلاً روس کی حکومت کا زیر و زبر ہوتا ہی نہ تھا کم سے کم ستالن تاریخی حالات کی رفتار سے مطمئن نہ تھا اس کا خیال تھا کہ تاریخ کو آگے دھکیلنا چاہئے۔ ایک ایسے انقلاب کی تیاری کے لئے

جو دنیا بھر میں پھیل جائے طفلس ایک دور دراز مقام تھا بیشتر نقشوں میں اس شہر کو اس طرح دکھایا جاتا ہے کہ وہ بجائے یورپ کے ایشیا میں نظر آتا ہے۔ طفلس میں یہ مقولہ عام تھا کہ خدا عرش معلیٰ پر ہے اور زار بہت دور ماورائے قفقاز ایک غیر معروف علاقہ تھا جس پر زیادہ سیاسی توجہ نہیں کی جاتی تھی وہاں "مولوکی فرقہ، بپشتی فرقہ اور دیگر فرقے فوجی خدمت سے بچنے کے لئے آباد ہو گئے تھے ۱۹۰۱ء میں جب کاونٹ ٹالسٹائی کو پروٹسٹنٹ (رافضی) مذہب کی تلقین کرنے کی بناء پر برادری سے خارج کیا گیا تو طفلس میں کچھ کم ہنگامہ بپا نہ ہوا تھا مگر سٹالن کی نگاہ میں اس کے کوئی معنی نہ تھے کیونکہ وہ خود ہر قسم کی مذہبی قید سے آزاد ہو چکا تھا۔ اس کے خیال میں انقلاب کی بنیاد اقتصادی اسباب و علل پر تھی اور یہی اس کا حقیقی ایمان تھا۔ مارکس کے قول کے مطابق اقتصادی اسباب خود اپنے وقت پر انقلاب پیدا کرتے ہیں اور لینن اور اس کے شاگرد سٹالن کا قول یہ تھا کہ انقلاب کی رفتار کو تیز تر کیا جا سکتا ہے۔

سٹالن نے لینن کا نام سنا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اس سے ملاقات کرتا وہ غائبانہ اس کی پرستش کرنے لگا تھا تمام انقلابی رہبروں اور مفکروں میں ایک لینن ہی تھا جس نے سٹالن کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ ۱۹۰۵ء میں لینن سائبیریا میں ایک لمبی نظر بندی کا زمانہ کاٹ کر انقلابی سرگرمی اور تنظیم کے لئے سیدھا سوئٹزرلینڈ چلا گیا تھا اس کے آہنی ارادے اور مسلمہ شخصیت نے بہت جلدی سیاسی حلقوں پر اثر ڈالا۔ وہ رہبری کا مادہ لے کر پیدا ہوا تھا۔ اس نے فوراً اپنی

جماعت بنانی شروع کردی اور انقلابی مزاج رکھنے والوں کے حلقہ میں سے اپنے ہمدردوں کو منتخب کرنا شروع کیا اس نے پیروؤں کی تعداد بڑھانے پر کبھی نگاہ نہیں رکھی بلکہ اہلیت اور انفرادی قوت عمل کو مقدم رکھا کیونکہ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ ایک انقلابی تحریک محض باتیں بنانے سے سرسبز نہیں ہوا کرتی

جنیوا سے اس نے ایک انقلابی اخبار "اسکرا" یعنی شرارہ نکالا غاجس سے اس کی شخصیت کا شہرہ طفلس تک پہنچ گیا تھا۔ بعد ازاں لینن کے لکھے ہوئے پمفلٹ پہنچنے لگے۔ اس نئے صاحب تحریر نے سوشیل ڈیموکریٹک پارٹی کی تربیت کرنی چاہی تاکہ ان کی تن آسانی اور جذباتی کیفیت کو دور کرکے ایک ایسی پارٹی بنائے جس کی رگ و پے میں قوت عمل اور قوت ارادہ سرایت کر جائے۔ جو مضامین اور رسائل آتے تھے ان سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سوئٹزرلینڈ میں ان رفقار کار کے سن رسیدہ اور نوعمر طبقوں میں کشاکش تھی قدرتی طور پر ستالن کا دل نوجوانوں کے علمبردار لینن کی طرف کھنچتا تھا اس کے بعد لینن کا ایک رفیق کرانا توفسکی نام طفلس آیا اور اپنے ساتھ ایک متعدی جوش و خروش اور جذبۂ رہبر پرستی بھی لایا۔ پرجوش نوجوان متمنی تھے کہ رہبر ملے چنانچہ ستالن کو یہ نظر آیا کہ گویا انقلابی تحریک کو ایک سچا رہبر مل گیا بہرکیف خود ستالن کو تو رہبر مل ہی گیا تھا۔

لینن کی تمام مساعی اس امر پر مرکوز تھیں کہ اس کا "شرارہ" ایک اندھے چراغ کی طرح دھواں نہ دینے لگے بلکہ ایک شعلہ کی طرح بھڑکے تاکہ روس کی آبادی کو وہ دور دور تک صاف نظر آنے لگے ستالن نے کہا

ہاں بات یہی ہے کہ یہ دھواں نہ دے، بے شک لینن صحیح سمجھا ہے وہ حیرت انگیز انسان ہے" سٹالن لینن کو پارٹی کے "کوہستانی عقاب" کے نام سے یاد کرتا تھا، قد و قامت کے لحاظ سے تو لینن میں کوئی بات بھی شاندار نہ تھی بجائے عقاب کے ایک شکرے سے زیادہ مشابہ تھا مگر وہ دور بین تھا اور اس میں جھپٹ تھی۔ قطع نظر نوجوانی کی ہیرو پرستی کے اصل میں سٹالن کا مدعا یہی تھا کیونکہ عقاب یہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اور کب حملہ کرنا چاہیئے، جو اضافہ لینن نے مارکس کے نظریہ میں کیا وہ یہی ہے کہ اس نے اس میں معرکہ آرائی کے حربے بڑھا دیئے۔ اگر اس نے بعض بعض موقعوں پر مزدور طبقہ کے انقلاب کو ایک نئے نظریہ کے ساتھ پیش کیا ہے تو اسے بھی اس کا ایک پیرا سمجھنا چاہیئے۔ لینن کے خیال میں حصول مقصد کے لئے ہر ایک وسیلہ جائز ہے اور اس کی یہی رسمی ملات سے بے نیازی تھی جو سٹالن کو بھلی معلوم ہوتی تھی۔ سٹالن کی افتاد طبیعت ہی ایسی تھی بلکہ سٹالن میں یہ صلاحیت کچھ بڑھی ہوئی تھی یعنی سٹالن کی طبیعت میں صرف اخلاقی تاملات سے بے نیازی اور ضمیر کی آزادی ہی نہ تھی بلکہ وہ اسے پوری قوت سے کام میں لانے کا ارادہ بھی رکھتا تھا۔ ۱۹۰۱ء کے موسم خزاں میں طفلس کی سوشیل ڈیموکریٹک پارٹی پر چھاپا مارا گیا اور "کوبا" سٹالن پہاڑوں میں جا چھپا جب گرفتاری کا خطرہ کم ہو گیا تو وہ ساحلی شہر باطوم پہنچا اور وہاں اس نے ایک کمیٹی بنائی اور ادھیچا کلڈا اور متا شیف کے کارخانوں میں ہڑتالیں کرائیں، فروری ۱۹۰۲ء میں اس نے اُن مظاہروں میں حصہ لیا جو شہر میں گورنمنٹ کے خلاف ہوئے اور پولیس نے اسے گرفتار کر لیا جس کے بعد اُسے بیس

ہفتے تک جیل خانہ میں رہنا پڑا اور قید کی مدت ختم ہونے پر مشرقی سائبیریا میں تین برس کے واسطے جلاوطن کر دیا گیا۔ اس طرح چوبیس برس کی عمر میں سرکاری طور پر پولیس نے گویا اس کی انقلابی سرگرمیوں کی اسے سند دے دی۔ پولیس نے انقلابی جماعت کے رہبروں کی ایک نمایاں خدمت اس طرح بھی کی کہ جلاوطنی کے دوران میں ان میں سے جوشیلے اشخاص کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا

ستاکن کی شخصیت صرف اسی اعتبار سے نمایاں نہیں ہوئی کہ اسے سائبیریا میں جلاوطن کیا گیا بلکہ اس نے اپنا جوہر یوں بھی ثابت کیا کہ فوراً ہی وہاں سے بچ نکلا۔ صوبہ ارکٹسک کے شہر نوایا آودا میں ابھی اسے اتارا ہی تھا کہ وہ کافور ہو گیا، اس نے اپنے نگہبانوں کو چکمہ دیا اور ایک مال گاڑی پر سوار ہو کر چل پڑا اور کچھ ہی وقت گذرا ہو گا کہ وہ اپنی ماں کے گھر پہنچ رات کے کھانے میں شریک ہو گیا۔

دوسرا باب

انقلاب پسندوں نے اپنی امیدیں جنگ سے وابستہ کر رکھی تھیں۔ لینن کھلے طور پر یہ کہتا تھا کہ ایسی بغاوت جس میں کسان لاٹھیوں اور پتھروں سے لڑیں زار روس کا تخت الٹنے میں کامیاب نہیں ہو سکتی نہ اشتہار بازی سے اسے مغلوب کیا جا سکتا ہے اور نہ جستہ جستہ ہڑتالوں یا ملک بھر میں کاروبار بند کرنے سے یہ مطلب نکل سکتا ہے۔ وہ جماعت جو اقلیت میں ہو صرف فوجی انقلاب کر کے طاقت حاصل کر سکتی ہے مگر ایسی صورت میں کہ گولہ بارود اور اسلحہ سخت پہروں کی حفاظت میں ہوں یہ بھی ناممکن ہے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ کسی ناکامیاب جنگ سے لوٹتے ہوئے آزردہ خاطر اور سرکش سپاہیوں کے ہاتھوں کام نکل جائے۔ لینن کو کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہیں آیا کہ روس کے باشندوں کی اکثریت اشتمالی یا کمیونسٹ بن جائے گی اور اکثریت کی جمہوری حکومت کا تخیل بھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا، یہی وجہ ہے کہ وہ مجالس

آئین ساز، "دوما" یعنی روسی پارلیمنٹ اور مجلس دستور ساز یعنی کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا

عقاب کوہستانی کا یہ خیال تھا کہ جب مناسب وقت آئے تو ایک مصمم ارادہ رکھنے والا گروہ زمام حکومت زبردستی چھین لے اور جس قسم کا چاہے انقلاب پیدا کرے۔ چنانچہ جب زار (نکولس) ثانی نے جنگ جاپان چھڑنے کی حمائت کی تو جنیوا میں امیدیں ابھریں اور جب اس جنگ میں بڑی بڑی ہزیمتیں ہوئیں تو لینن کی رائے مستحکم ہوگئی کہ اب روس میں انقلاب کا مواد پک کر تیار ہے۔ سٹالن اور لینن کی اسی انقلابی ہنگامی زمانہ ہنگام میں ملاقات ہوئی، روسیوں میں اور جرمنوں اور برطانیہ کے باشندوں میں یہی فرق ہے کہ روسی ناگہانی آفت آنے پر اپنے رہبروں کا ساتھ نہیں دیتے، حکومت زار دیوالیہ ہو چکی تھی کیونکہ مانچوریا میں شکست فاش ہو چکی تھی اور ایسے آدمی خصوصاً نوجوان بہت بڑی تعداد میں موجود تھے جو شوق سے انقلاب کا خیر مقدم کرنے کے لئے تیار تھے، اس زمانہ میں کئی مقامات پر ہڑتالیں، بلوے اور بغاوتیں بھی ہوئیں اور زار نے مجبور ہو کر ایک دستور اساسی کی منظوری دے دی مگر تبدیلی کی وہ خواہش جو کمزوری اعصاب سے مرض کی حد تک پہنچ چکی تھی مطمئن نہ ہوئی

سٹالن قفقاز سے صوبہ فن لینڈ کے شہر تامیر فورس، میں لینن اور اس کے انقلابی لیڈروں سے ملاقات کرنے کے لئے آگیا تھا۔ وہ اُن مقامات سے آیا تھا جہاں فسادات ہوئے تھے اور جن میں سب سے شدید قسم کا وہ فرقہ وارانہ فساد تھا جو ماریوں اور آرمینیوں

میں باکو میں ہوا تھا۔ اس فساد سے روسیوں کے ہاتھ ایک بہانہ آیا اور انھوں نے باکو کے بازاروں میں مخلوط آبادی کو دہشت زدہ بنا دیا۔ کوہستان میں قبیلے بے چین تھے مگر کوسکوں یعنی قزاقستانیوں کی امداد سے گورنمنٹ ان پر یہ ثابت کر رہی تھی کہ برسر اقتدار کون ہے یہ کہنا غلط ہوگا کہ ستالن کا خون غصہ سے کھول رہا تھا کیونکہ جب اس کے دل میں جذبات پیدا ہوتے ہیں تو وہ اور بھی ٹھنڈا ہو جاتا ہے، اس نے ان واقعات کو اطمینان کی نظر سے دیکھا۔ کیونکہ اس کے خیال میں عوام ایک ہی طاقت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور وہ تشدد ہے۔ اگر قفقاز میں سکون پیدا کرنے کے لئے کہیں حکومت نے باتونی پارلیمنٹری مزاج کے آدمیوں کو بھیجدیا ہوتا تو کچھ بھی بات نہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ انقلابی جماعت والوں کے 'دوما' میں جاکر کام کرنے کے خلاف تھا اس کا خیال تھا کہ تشدد کا جواب صرف تشدد سے دیا جا سکتا ہے۔ ستالن کھڑا ہوا اور اس نے کانفرنس اور لینن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "کوئی معاہدہ اور مفاہمت نہیں ہونی چاہیئے۔ اگر ہم جیتنگے تو آج اور نہیں تو پھر اور وقت نہیں آئے گا اسے اچھی طرح سمجھ لو کہ حکومت نے فلک کے طول و عرض میں بڑا خون بہایا ہے اور آج وہ ایک دستور ساز اسمبلی کی منظوری دے کے عوام کے مطالبات کا مذاق اڑاتی ہے' دوما کے قائم کرنے کا فیصلہ حقیقت میں حکومت کی اس کوشش کا مرادف ہے کہ وہ کسانوں اور مزدوروں کو دھوکا دے اور اپنے خاتمے کو دور پھینک دے کیا یہ فیصلہ مزدوروں اور کسانوں کی بہت بڑی جماعت کو انتخاب میں حصہ لینے سے محروم نہیں کرتا ؟۔ انقلابیوں

کے لئے اس فیصلہ میں سمجھوتہ کی کونسی بنیاد موجود ہے؟ کوئی نہیں، وہ مزدوروں کی جماعت جو جماعتی تفریق و تمیز کا احساس پیدا کر چکی ہے صرف ایک ہی جواب دے سکتی ہے اور وہ یہ کہ عوام کی خواہش کی جو یہ جعلی نقل پیش کی جاتی ہے اس کی شد و مد سے مخالفت کریں۔ ہمیں اس "دوما" کو جو پولیس کے اقتدار میں دبی ہوئی ہے تہ و بالا کر دینا چاہیئے اور اس میں ہر قسم کا حصہ لینے سے انکار کر دینا چاہیئے۔ ہمیں اس انتخابات کے موقعے کو رائے دینے کے لئے نہیں استعمال کرنا چاہیئے بلکہ مزدوروں کے انقلابی نظام کو وسعت دینے کے لئے اور انھیں ایک مسلح بغاوت پر اکسانے کے لئے۔ بغاوت ہی آج ہمارا مفر ہے، فوراً اس کی تیاریاں کرنی چاہییں اور ہر جگہ اس کا نظام مکمل کرنا چاہیئے۔ صرف ایک ایسی ہی بغاوت میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد یہ ممکن ہوگا کہ ایک حقیقی حکومت عوام کی خواہش کے مطابق قائم کی جائے اور اس لئے سمجھوتہ نہیں بلکہ جنگ ہونی چاہیئے۔ اٹھو ہمیں مسلح بغاوت پر کمربستہ ہونا چاہیئے"

اس پر تالیاں انھوں نے بھی بجائیں جنھیں اس سے اتفاق نہ تھا۔ کم سے کم طبیعتوں کا رنگ یہی دکھانا چاہیئے تھا۔ تقریروں کے بعد درمیانی وقفے میں ڈیلیگیٹ اُٹھ اُٹھ کر بندوق کی نشانہ بازی کی مشق کرنے چلے جاتے تھے کہا جاتا ہے کہ لینن کی نظر اس وقت سٹالن پر گئی اور اُس نے اسے ہونہار شخصیتوں میں شمار کیا۔ مگر سٹالن کی تقریر میں کوئی معرکہ کی بات نہ تھی کیونکہ ایسے شوریدہ سر ہمیشہ نکل آتے ہیں جو جنگ کا مطالبہ کیا کرتے ہیں اس وقت ایک مسلح بغاوت کی

زار روس کی فوجوں کے مقابلہ میں کامیابی کی امید موہوم تھی کیونکہ فوجوں میں ابھی تک کام نہیں کیا گیا تھا بایں ہمہ لینن کی یہ رائے تھی کہ غالب قوتوں کے مقابلہ پر ہوتے ہوئے بھی یہ بہتر ہے کہ وار کر دیا جائے یہ نہ ہو کہ محض سیاسی تقریروں کی شورا شوری کے سمندر میں کھو جائیں پھر بھی لینن نے کسی مسلح بغاوت کا انتظام نہیں کیا اور یہ نہ صرف ۱۹۰۵ء میں بلکہ ۱۹۱۷ء میں بھی ایسا نہیں ہوا ہاں وہ اس کے لئے ہر وقت تیار تھا کہ اگر کوئی اس قسم کی بغاوت ہو تو وہ اس میں کود پڑے اور اس کا پورا فائدہ اٹھائے، دسمبر ۱۹۰۵ء میں "تامیر فورس" کی کانفرنس میں نہ کسی مسلح بغاوت کا نقشہ جمایا گیا اور نہ اس کے متعلق کوئی پیشین گوئی کی گئی۔ دوسرے دن صبح جب بغاوت کی خبر آگئی تو ڈیلیگیٹ ہکا بکا رہ گئے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس وقت یہ لوگ بغاوت کے متعلق باتیں بنا رہے تھے، موسکو کی سرخ جماعت کے نوجوان، مورچہ بندی میں مصروف تھے۔

موسکو کے بازاروں میں انقلاب بارود کی طرح بھڑک اٹھا گورنر حیران رہ گیا۔ پولیس ناکافی تھی اور قلعہ بند فوج مذبذب، اوّل اوّل تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انقلابی شہر پر قبضہ ہی کر لیں گے۔ لینن اور باقی دوسرے بھی بھیس بدل کر جعلی پاسپورٹ لے کر سینٹ پیٹرز برگ جا دھمکے تاکہ اگر بغاوت پھیل جائے تو وہ اس کی رہنمائی کے لئے تیار رہیں، اُن کا فوری مقصد یہ تھا کہ موسکو کی قلعہ کی فوج کو کمک نہ پہنچنے دیں، بعض ڈیلیگیٹوں کا خیال تھا کہ سینٹ پیٹرز برگ ہی میں علم بغاوت بلند کر دیا جائے تاکہ وہاں کی فوجوں کی توجہ اتنی دیر تک

بٹی رہے کہ موسکو کے انقلابی قابو پکڑ لیں، دوسروں کا یہ خیال تھا کہ سینٹ پیٹرز برگ اور موسکو کے درمیان کی ریل کی سڑک توڑ دی جائے۔ ریلوے کے ملازموں نے پہلے ہی ہڑتال کر دی تھی اور ان دو شہروں کے درمیان ریلوں کی آمد و رفت بند تھی۔

سینٹ پیٹرز برگ میں انقلابیوں نے رجمنٹوں اور سپاہیوں کا عندیہ لیا اور فیکٹریوں کے مزدوروں اور طالب علموں کو بھی ٹٹولا مگر کوئی جواب نہ پایا، صرف وہ مزدور جو مشتعل ہونے والے مادہ کے کارخانوں میں کام کرتے تھے ہڑتال کرنے کو تیار تھے اور چند سو ملاحوں کو فساد برپا کرنے پر لگایا جا سکتا تھا۔ فیصلہ یہ قرار پایا کہ ریلوے ملازمین کی ایک پلٹن تیار کی جائے اور میگزین پر حملہ بول دیا جائے اسلحہ کی کمی تھی اور خبر آئی کہ گورنمنٹ کا یہ ارادہ ہے کہ وہ موسکو سینٹ پیٹرز برگ ریلوے پر فوجوں کو تعینات کر دے اور ریلیں یعنی امدادی گاڑیاں چلا دی جائیں، لینن نے وقت گزار دیا تھا کہ ریل کی مستقل پٹڑی کہیں نہیں توڑی گئی، فوجوں کے پاس وفد بھیجے گئے کہ وہ انھیں ریلوے پر کام کرنے سے روکیں، رات کے اندھیرے میں وہ فوجی سپاہیوں میں جا ملے اور آخری دم تک ان سے بحث و مباحثہ کرتے رہے مگر نتیجہ صفر رہا۔

سپاہیوں نے ان لوگوں کی اپنے افسروں سے شکایت نہیں کی مگر وہ کھچے کھچے رہے ان کے دل ہمدردی سے خالی تھے، اگرچہ انھیں مظالم کا احساس تھا اور کئی ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے وہ غیر مطمئن تھے مگر پھر بھی وہ قبضہ میں جکڑے ہوئے تھے اور

اس کے لئے تیار نہ تھے کہ پو پھٹے انھیں گولی کا نشانہ بنایا جائے انقلابیوں کے وفد جب ناشتہ کے وقت واپس پہنچے تو وہ تھکے ماندے مایوس اور خالی ہاتھ تھے۔ فوجوں سے بھری اور ہتھیاروں سے لدی ہوئی ریلیں سینٹ پیٹرزبرگ کے اسٹیشن سے پھکا پھک کرتی روانہ ہو چکی تھیں،

موسکو میں شہر سیمونووسکی اور لادوسکی سے رجمنٹیں دوپہر سے پہلے پہنچ چکی تھیں، اور زار کے اقبال سے شہر بچا لیا گیا تھا

ستالن جس نے اس تمام قصہ میں برائے نام حصہ لیا ہوگا مارے غصہ کے بپھرا ہوا تھا۔ وہ بول اٹھا کہ "واہ، کیا انقلاب کی تیاری کی! جہاں ہتھیاروں کی اور عمل کی ضرورت تھی بس کوری باتیں ہی باتیں ہیں" لینن نے دبی آواز سے کہا "چلو جو ہوا سو ہوا! ہمیں تکلیف دہ سبق ملا ہے اگلی دفعہ بہتر کام کر کے دکھائیں گے"

تازہ دم فوجوں نے موسکو کے بازاروں کو پھرتی سے صاف کر دیا اور "انقلاب" گھروں میں جا چھپا، پولیس نے آکر کثرت سے گرفتاریاں شروع کیں، مورچوں کو ہٹا ہٹا کر پٹریوں پر ڈھیر کر دیا، دکانیں کھل گئیں اور ٹریم گاڑیاں چلنے لگیں۔ یہ ضرب کاری بیٹھی تھی اور اس نے موسکو میں "انقلاب" کے پیر توڑ دیئے تھے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ابھی جان باقی ہے ایک دفعہ گھڑے ہو کر پھر دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ مگر ان کا یہ خیال غلط تھا، امن قائم ہو گیا۔ مگر قتل اس کے بعد بھی ہوئے اور وارسا میں بعض چھوٹے درجہ کے پولیس افسر دردناک طریقہ پر مارے گئے۔ یہ اس ہمہ منتظم بغاوت اس طرح کچل دی گئی کہ پھر اس نے

جنگ عظیم کے دوران میں مارچ ۱۹۱۷ء تک سر نہیں اٹھایا۔
بیچارے انقلابی مجبور ہو کر پھر اپنی کتابیں لے بیٹھے اور
پمفلٹ بازی میں مصروف ہو گئے۔

تیسرا باب

برکیف سوشیل ڈیموکریٹک پارٹی میں آپس ہی میں جھگڑے پڑے ہوئے تھے، جو زیادہ مانگتے تھے۔ بالشویک کہلاتے تھے، اور جو کمی پر قناعت کرنے کے لئے تیار تھے وہ منشویک، بالشویک کہتے تھے کہ تخت یا تختہ، اور منشیوکوں کے خیال میں تدریجی ترقی ناگزیر تھی۔ بالشویک کا میلان تو جنگجوئی کی طرف رہا اور منشیوک روسی پارلیمنٹ میں داخل ہوئے اور وہاں انھوں نے کونسٹی ٹیوشنل ڈیموکریٹیوں (آئین پسند جمہوری پارٹی) سے جس کا مختصر نام کیڈٹیس بھی تھا اور جو درحقیقت کسی اعتبار سے انقلابی جماعت نہ تھے اتحاد کر لیا۔ اس وقت تو بالشوک اور منشوک ایک ہی پارٹی میں تھے۔ مگر آگے چل کر وہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ ۱۹۰۶ء میں سٹاک ہالم میں جو کانفرنس ہوئی اس میں منشیوکوں نے بالشویکوں کو شکست دی اور لینن اقلیت میں رہ گیا

پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے انتخاب میں نہ لینن کامیاب ہوا نہ ستالن بلکہ اس کمیٹی میں اکثریت منشیوکوں کی رہی۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ لینن کے گروہ کے آدمیوں میں سے کرآسن اور ایکوف منتخب ہو گئے مگر بالطبع ان میں سے ایک بھی پیکار جو نہ تھا۔ ان میں سے ایک میں بھی لینن کی طبیعت کا زور تھا اور نہ اس کی سی مضبوطی۔

اس موقع پر گیارہ برس کے بعد آنے والے انقلاب کے ابتدائی واقعات کا ذکر دلچسپ ہوگا۔ چونکہ دوما کی حکومت کے حقدار ترتیب حالات کے اعتبار سے منشیوک ٹھہرے تھے سب سے پہلے زمام حکومت ان ہی کے ہاتھ میں آئی، لیکن بالشویکوں میں آگے بڑھنے اور رہنمائی کرنے کا مادہ تھا چنانچہ انھوں نے منشیوکوں کو آسانی سے ہٹا کے ان کی جگہ لے لی۔

۱۹۰۶ء میں لینن۔ تروتسکی اور ستالن کسی حالت میں بھی اکثریت کے آگے ہتھیار ڈالنے کو تیار نہ تھے اور باوجود اقلیت میں ہونے کے بالشویکوں نے اپنی جداگانہ ہستی کو قائم رکھا اور لینن کی رہنمائی میں اپنی جماعت کو ایک طاقتور نظام بنا دیا۔ انھوں نے پہلے اپنی تعداد میں اضافہ کا فکر نہیں کیا بلکہ یہ کہ منشیوکوں ہی سے نوجوان اور کارکن اشخاص کو توڑا جائے اور اس کوشش میں لینن کامیاب رہا۔ "دوما" سے اشتراک عمل کی بنیاد پر کافی موقع ملا کہ ان کی تحقیر اور موثر نکتہ چینی کی جائے۔ اگلے سال ۱۹۰۷ء میں جب لندن میں دوسری کانفرنس ہوئی تو بالشویکوں نے منشیوکوں کا تختہ الٹ دیا اور تمام پارٹی پر قبضہ کر کے بیٹھ گئے۔ ان کا یہ قبضہ اس وقت تک ان کے ہاتھ سے نہیں گیا جب تک انقلاب کی

ابتدا میں ان کی منشیوکوں سے ٹکر نہیں ہوئی۔
مگر روس میں واقعی انقلاب کی توقعات بہت جلد محو ہو گئیں
زار کمزور تھا مگر اس کے احکام بجا لانے کے لئے ایسے ایسے قابل
مدبر موجود تھے جیسے "ویٹ" "ویس" اور کوکونتاسیف" جنگ
جاپان کا اثر بہت جلد ہی جاتا رہا۔ کہا یہ گیا کہ اگرچہ روس نے جنگ
میں شکست کھائی مگر صلح کی بازی اس کے ہاتھ رہی کیونکہ عہدنامہ
پورٹسمتھ کے مطابق روس کو اس سے کہیں زیادہ فوائد حاصل ہو گئے
جو جنگ کی تیاری سے پہلے ہو سکتے تھے۔ مزید براں مغربی یورپ
اور بالخصوص فرانس انقلاب نہیں چاہتا تھا۔ اگر انقلاب ہو جاتا تو
اس "واجب الاحترام دوستی کا کیا حشر ہوتا اور فرانس کے کفالت داروں
کے سرمایہ کا کیا بنتا۔ 'دوما' کے قائم ہونے سے برطانیہ کی ہمدردی
بھی روس کے ساتھ ہو گئی تھی اور لندن میں روس کے اداروں کی
پائداری کی ساکھ تیزی سے قائم ہو گئی تھی روسی شہروں نے
برطانوی بنکوں سے قرضے حاصل کئے۔ انگلستان نے روسی ریلوں
کی یا تو اعانت کی یا انھیں خرید لیا اور بالآخر برطانوی سرمایا روس
میں سیلاب کی رفتار سے آنے لگا۔ انقلاب کے مقابلہ میں ترازو کے
پلڑے میں مغرب کے قریب قریب تمام مادی اثرات موجود تھے۔
مزید براں جوں جوں خود روس کا قدم خوشحالی کے رستہ پر بڑھا
اس کے اپنے دل میں بھی خود اعتمادی اور امید پیدا ہوتی گئی۔
انقلابیوں کی تعداد میں تیزی سے کمی ہو گئی اور ان کا اندوختہ بھی
گھٹ گیا، جلا وطن اپنی سالانہ کانفرنسیں کرتے تھے اور سیاسی جنگ

کے نقشوں پر بحث کرتے تھے مگر یہ سیاسیات میں حصہ لینے والے صرف ایسے لوگ رہ گئے تھے جنھیں مایوسی نے تلخ بنا دیا تھا اور جو باتوں میں گرما گرمی دکھاتے تھے۔ بظاہر ان کی زندگی کا بدترین پہلو یہ تھا کہ ان کا ہاتھ تنگ تھا مگر پیشہ ور انقلابیوں کو بھی زندگی تو بسر کرنی ہی ٹھہری۔ اور جس قسم کی اخبار نویسی وہ کرتے تھے اس کی بازاری قیمت بہت کم تھی اور اخبار اور رسالوں کے چھاپنے کے لئے روپیہ درکار تھا۔ ۱۹۱۶ء کے بعد امیر ہمدردوں سے چندے حاصل کرنے اور بھی دشوار ہو گئے تھے اور کامریڈ (رفقا) اتنے تنگدست تھے کہ آپس میں زیادہ رقم فراہم نہیں کر سکتے تھے۔

سرمایہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں سب سے بڑی امید ضبطی ملکیت پر لگی ہوئی تھی بشرطیکہ یہ قبضۂ قدرت میں ہو۔

اس زمانہ میں ضبطی ملکیت ایک عام اصطلاح ہو گئی تھی جو حقیقت میں عملی قزاقی کی ہجو ملیح تھی۔ اس کا زور روس بھر میں قفقاز میں سب سے زیادہ تھا۔ ستالن نے لینن سے کہا "تمھیں روپیہ لاکر میں دوں گا" اس نے پوچھا "کہاں سے"؟ ستالن بولا "ضبطئ ملکیت کے ذریعے"۔

لینن اور ستالن نے ایک تدبیر پر غور کیا جس کا نتیجہ ستالن کے شباب کے دوران کا سب سے زیادہ جرات آزما کارنامہ تھا۔ یعنی ستالن نے ایک ڈاکہ ڈالنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس واقعہ سے اسے بدنام کرنے کے سلسلے میں خوب فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ مگر کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ سیاسی ڈاکہ کی اس تنہا واردات

کو ملکیتوں کی اس عام ضبطی کے مقابلے میں جو انقلاب کے دوران میں کی گئی کیوں زیادہ قابل نفریں قرار دیا جائے۔

۱۲ جون ۱۹۱۷ء کو سرکاری بنک کی طفلس کی شاخ میں سینٹ پیٹرزبرگ سے تین لاکھ اکتالیس ہزار روبل کا پانچ پانچ سو روبل کے چھ سو بیالیس نوٹوں کا ایک بڑا پلندہ آنے والا تھا۔ کوردوموف خزانچی انھیں لئے ہوئے ایک کھلی گاڑی میں بیٹھا تھا، ایک اور گاڑی اُس کے پیچھے آرہی تھی جس میں چار مسلح پہرہ دار تھے اور مزید حفاظت کے لئے کوسکوں کا ایک دستہ بھی ساتھ تھا جیسے ہی یہ گورنر کے مکان کے قریب پہنچے تو اس گروہ میں سے ایک نے جسے ستالن نے تیار کیا تھا ایک بہت بڑا بم پھینکا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا پھینکنے والا خود ستالن تھا۔ اس بم کے پھٹنے کے بعد کئی ایک اور چھوٹے چھوٹے بم پھٹے اور کئی شخصوں نے جو ادھر اُدھر لگے ہوئے تھے حفاظتی دستہ پر پستولوں سے وار کرنا شروع کر دیا۔ اس پر بھگدڑ پڑ گئی اور خزانچی گاڑی میں سے باہر آ پڑا اور گھوڑے بپھر کر بھاگ نکلے ایک سازشی نے بگٹٹ گھوڑوں پر ایک اور کارگر بم چلا دیا۔ گھوڑے ہلاک ہو گئے اور گاڑی وہیں کھڑی رہ گئی اس بم کے چلانے والے کا نام "کامو" پیتر وسائن تھا۔ اس نے جھپٹ کے نوٹوں کا وہ پلندہ جو خزانچی کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا ہتھیا لیا اور لپک کے ایک تیز کوہستانی گاڑی میں جا چڑھا اور چلتے چلتے بھی کوسکوں پر فیر کرتا رہا اور آخر بچ کے نکل گیا۔ حفاظتی دستہ ادھر ادھر دیکھتا رہ گیا ایک بھی گرفتاری نہ ہو سکی اور ستالن کا گروہ مال غنیمت لے کر

صاف نکل گیا۔ بہت سے کوسک اس واردات میں کام آئے کیونکہ اُن کا سردار نکما تھا۔ وہ صحیح مجرموں کا تعاقب بھی نہ کر سکے لینن کو روپیہ درکار تھا سو مل گیا اور کہا جاتا ہے کہ ستالن نے اس میں سے ایک پیسہ بھی نہیں چھوا مگر ایک مصنف کے قول کے مطابق بالشویک صرف ڈھائی لاکھ روبل کی وصولیابی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر بالشویکوں کو صرف ڈھائی لاکھ روبل پہنچے تو کیا یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ماورائے قفقاز کی پارٹی کے سرمایہ میں بھی اضافہ ہوا ہوگا نوٹوں کے سلسلہ کا نمبر اے۔ ایم ۰۰ ۶۲۹ سے لے کر ۵۴۱ ۶۳ تھا اور روس کے تمام بنکوں کو اطلاع دے دی گئی تھی کہ وہ ان کا خیال رکھیں۔ روس کی سرحدوں کے اندر تو یہ نوٹ کہیں چلائے نہیں گئے مگر "بائے کتوینوف" پیرس میں انھیں بھنانے کی کوشش کرتے ہوئے گرفتار کیے گئے۔

کامراد اس کے بعد مشورہ کرنے کے لئے لندن پہنچے ستالن بھی لینن سے جا ملا۔ ان میں سے بعض نے ہائڈ پارک کے عام جلسوں میں شرکت کی۔ ستالن کانفرنس میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ لینن سے ملنے گیا تھا، وہ منشیوکوں کو نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ رہیں کانفرنسیں سو ان کے متعلق اُس کی کوئی اچھی رائے نہ تھی۔ لینن کا تو وہ پکا وفادار رہا مگر باقی ڈیلیگیٹ اس کو کچھ مجہول معلوم ہوتے تھے، ادھر وہ بھی اس کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ وہ میلا کچیلا اور بے ڈھنگا سا نظر آتا تھا اس کا انداز ایشیائی اور کچھ جھجکتا ہٹ لئے ہوئے نظر آتا تھا۔ انھیں نہ تو اس کا گرجتا نی لب و لہجہ بھلا معلوم ہوتا تھا اور نہ لینن کے

کے ساتھ کتے کی سی وفاداری کرنا، بہرکیف اس میں کلام نہیں کہ کسی کی نگاہ میں بھی اس میں ایک رہبر بننے والے کے آثار نہ تھے۔ سٹالن کے کارنامہ زندگی کا یہ تعجب انگیز پہلو ہے کہ جب تک اس نے تمام چیزوں پر قابو نہ پالیا اور وہ روس کا ڈکٹیٹر نہ بن گیا اکثر وہ انقلابی جن کے دلوں میں امنگیں تھیں یہ خیال کرتے رہے کہ وہ ایک دوسرے درجہ کا آدمی ہے، زنوویف تو اُسے قفقاز کا زرد چشم بندر کہا کرتا تھا اور ترونسکی کے خیال میں وہ اُن دیسی لوگوں میں سے تھا جو قفقاز میں وحشیانہ زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ ترونسکی میں یہودیوں کا یہ غرور موجود تھا کہ وہ خود مغربی مزاج مہذب انسان ہے

اس ان گھڑ سٹالن کی زندگی ایک متواتر کشمکش اور جرأت آزما کارناموں سے لبریز تھی اور اس لحاظ سے اس میں اور کانفرنس کے ان ڈیلیگیٹوں میں جو کرڑی جھیلنے کے عادی نہ تھے فرق تھا، ۱۹۰۷ء کی لندن کی کانفرنس کے بعد وہ باکو واپس آیا اور وہاں اُس نے لینن کی خاطر ایک اخبار جاری کیا۔ دوسرے سال مارچ میں اُسے گرفتار کرکے قید خانہ میں ٹھونس دیا گیا۔ آٹھ مہینہ کی قید کے بعد اُسے شمالی صوبہ فلوگڈا میں جہاں امن چین تھا جلاوطن کر دیا گیا۔ مگر وہ وہاں سے بھاگ کر پھر کوہستان میں جا پہنچا اور پھر گرفتار کرکے واپس بھیج دیا گیا۔ ان دنوں حکومت انقلابیوں کے ساتھ بڑی نرمی برتنے لگی تھی۔ کہیں اگلا زمانہ ہوتا تو غالباً اس کو سزائے موت ہی دی گئی ہوتی مگر اب زاریت کے لئے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا تھا اور اس زمانہ میں انقلابیوں کو بجائے حکومت کا دشمن تصور کرنے کے سیاسی

دنیا کا "عجوبہ روزگار" سمجھا جانے لگا تھا۔

ستالن فلوگدا سے پھر بھاگ نکلا اور اس غرض سے سینٹ پیٹرز برگ جا پہنچا کہ اگر وقت یاری دے تو وہاں ہاتھ پاؤں مارے جائیں مگر اسے پھر گرفتار کر کے فلوگدا ہی میں جلاوطن کر دیا گیا اور وہ پھر کاؤر ہو گیا اور سینٹ پیٹرز برگ جا دھمکا، یہ جنوری ۱۹۱۲ء کا واقعہ ہے اور اپریل میں وہ پھر گرفتار ہو گیا اس مرتبہ وہ چار سال کے لئے نریم میں جلاوطن کر دیا گیا۔ مگر بھلا وہ کب پولیس کے قابو میں آنے والا تھا اور بھاگ نکلنے میں تو وہ پورا گرو تھا۔ اسے جلاوطنی کے اجاڑ مقام پر مشکل سے اتارنے پائے تھے کہ وہ پھر رفوچکر ہو گیا اُدھر پولیس تو اُسے روس میں ڈھونڈتی رہی اور ستالن صاحب سرحد پار کر کے لینن کے ساتھ کراکاؤ میں چارنوش فرما رہے تھے۔

لینن پر اس کے جرات آزما کارناموں اور اس کی ان تھک سرگرمیوں کا جو انقلاب کے دوران میں ظاہر ہوئیں گہرا اثر پڑا اور آخر اس نے ستالن کو اس کا صلہ دلوا کے چھوڑا، یعنی سربرآوردہ انقلابیوں کی مرضی کے خلاف اس نے ستالن کو پارٹی کی مرکزی کمیٹی میں داخل کر کے دم لیا اور اس طرح اس کا شمار بجائے صوبائی ڈیلیگیٹ کے نمایاں شخصیتوں میں ہونے لگا مگر اس کے لئے یہ امتیاز محض آرائشی نہ تھا اس نے کبھی اپنی کامیابی کو تروتسکی کی طرح نمود و نمائش کا تمغہ نہیں بنایا۔ وہ تو ایک کارکن آدمی تھا۔ یہاں سے وسیع تر اختیارات حاصل کر کے وہ دوما کے سوشیل ڈیموکریٹوں کا خاص مشیر ہو کر سینٹ پیٹرز برگ پہنچا۔ ۱۹۱۲ء میں یہاں سے وہ

بالشویک اخبار نکلتے تھے جس میں سے ایک" پرودا" تھا جسے کئی بار بند کیا گیا تھا اسے دوبارہ جاری کیا گیا اور دوسرے کا نام سفید اتھا لینن کراکاؤ میں بیٹھ کر ان کو چلایا کرتا تھا۔ ستالن کو لینن نے اختیار دے دیا تھا کہ وہ ان اخباروں میں جو اُس کے جی میں آئے لکھے اور اب ستالن ایک مشاق اخبار ورسالہ نویس بن چلا تھا، اس کا طرز تحریر بے لاگ اور سُلجھا ہوا ہوتا تھا اور اس سے اس پر کند ذہنی کے الزام کی تردید ہوتی ہے۔ اس کا طرز معاشرت اس زمانہ میں مجرد لوگوں کا سا تھا اور وہ اپنی پہلی بیوی سے جو تپ دق میں مبتلا تھی اور قفقاز میں رہتی تھی دوبارہ نہیں ملا، اس کی زندگی گھمروں کی سی تھی، اس کے بچوں کی دیکھ بھال جہاں تک بن پڑتا تھا اس کے رفیق کیا کرتے تھے کیونکہ ان کے باپ کی زندگی کی تمام دلچسپیاں اور سرگرمیاں انقلاب کے لئے وقف تھیں۔ ایک ایسا شخص جسے کئی کئی نام بدلنے پڑتے ہوں جو دربدر مارا مارا پھرتا ہو اور جس کی قسمت میں قیدیں اور جلاوطنیاں ہوں خاوند کے فرائض انجام دے سکتا تھا نہ باپ کے۔

۱۹۱۲ء کے موسم بہار میں وہ پھر گرفتار ہوگیا اور اسے مشرقی سائبیریا کے ایک دور دراز علاقے میں جلاوطن کیا گیا اس دفعہ اس کی پوری پوری نگرانی کی گئی، اس نے کئی بار پھر بھاگ نکلنے کی کوششیں کیں مگر ناکام رہا اور پورے چار سال نظر بندی میں کاٹنے پڑے بالآخر انقلاب ہوجانے کے بعد اس کی رہائی ہوئی، اور اس وجہ سے باوجود اس کی زبردست سرگرمیوں کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے

روس میں اس حقیقی آفت کے برپا کرنے میں کوئی بہت بڑا حصہ لیا۔ زار کی حکومت کے تہ و بالا ہو جانے کے بعد اوروں کی طرح وہ بھی وہاں جا پہنچا اور مارچ ۱۹۱۷ء کی سیاسی افراتفری کے زمانہ میں جو موقع بن آیا اس نے نہیں چھوڑا۔

چوتھا باب

ابتدائے اپریل ۱۹۱۷ء میں جب سنالن پیتروگراد پہنچا ہے تو انقلاب کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ جس عمارت کو ڈھانے کے لئے وہ چوٹ پہ چوٹ لگا رہا تھا اب وہ ڈھیر ہو کر رہ گئی تھی اور ایک انقلابی شخصیت ہونے کے اعتبار سے اب اس کی اہمیت ختم دکھائی دیتی تھی بلشویکوں کو جو سیاسی کشمکش میں اشتراک عمل کی پالیسی پر عامل تھے۔ ہر چیز خاطر خواہ نصیب تھی حتیٰ کہ وہ اپنے سیاسی حلیفوں یعنی کیڈٹوں کے ہاتھوں میں سے زمام قوت بھی ہتیا رہے تھے بجز اس کے کہ سپاہیوں اور کسانوں کی نئی سوویٹیوں کے ڈیلیگیٹ ایک قسم کا مہمل شور و شغب کرتے تھے حقیقت میں اہم امور میں بالشویکوں کا نہ کوئی حصہ تھا نہ آواز

ایک ایسی شخصیت جس میں الوالعزمی اور چالاکی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس موقع پر سیاسی بصارت سے بالکل محروم نظر آتی تھی۔ وہ کوئی نپولین تو تھا نہیں کہ محض فوج کی تقسیم دیکھ کر نقشۂ جنگ کی تہ کو آناً فاناً

پہنچ جائے۔ اس وقت تو اس کی حالت ایک سر کٹے چیونٹے کی سی تھی جو ادھر اُدھر بھاگا پھرتا ہو۔ اُن کی نگاہوں میں جو اس وقت برسر اقتدار تھے سٹالن کی اس سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہ تھی کہ وہ اس انبوہ کثیر میں جو جلا وطنی سے لوٹ رہے تھے اور جو یقیناً اپنے دلوں میں ایسے صلوں کی امیدیں لے کر آ رہے تھے جو کسی طرح پوری نہیں ہو سکتی تھی ایک شخص وہ بھی تھا

کہا یہ جاتا ہے کہ اس کی مذہبی تربیت نے اس کو یہ سبق سکھا دیا تھا کہ ایک ایسا عقیدہ نکالنا چاہیے جس میں چون و چرا کی گنجائش نہ رہے یعنی اس کے ہاتھ میں ایک انجیل ہونی چاہیے جو اوامر و نواہی کے مسئلوں میں رہبری کرے۔ آگے چل کر اس نے بالآخر لینن کی تحریروں پر تقدس کی مہر لگا دی اور اشتمالیت یعنی کمیونزم کو مذہب کا جامہ پہنا دیا۔ اگر جامع طریقہ پر اور ذرا عامیانہ رنگ میں کہا جائے تو گویا اُس نے لینن کو خدا کا درجہ دے دیا۔ جب لینن روس واپس پہنچ لیا ہے تب کہیں جا کر سٹالن کے قدم انقلابی دور میں جمنے شروع ہوئے

جرمنوں نے ایک جنگی حربہ کے طور پر لینن کو سرحد سے باہر پہنچا دیا تھا۔ ان کا یہ فعل کسی طرح بھی سیاسی ہمدردی پر مبنی نہ تھا جس سربمہر ریل گاڑی میں لینن کو روس پہنچایا تھا اسے ویسا ہی تباہ کن آلۂ حرب سمجھنا چاہیے کہ جس قدر زہریلی گیس یا بڑی توپ۔ سوچ بچار کر یہ حساب لگا لیا گیا تھا کہ لینن روس کی قومی قوتوں میں انتشار پیدا کر کے انقلاب کو اور بھی بھیانک بنا دے گا۔ یہ اُن شاذ و نادر موقعوں میں سے ایک موقع ہے۔ جب جرمنوں نے بین الاقوامی حیثیت

ذہنیت کا اندازہ لگانے میں اپنے آپ کو صائب رائے ثابت کیا ہے ایک لحاظ سے تو انھوں نے صحیح حالات کا اندازہ لینن سے بھی بہتر لگایا۔ کیونکہ لینن جب روسی سرحد کے قریب پہنچ رہا تھا تو اُسے بڑا خطرہ تھا کہ اسے فوراً گرفتار کر لیا جائے گا۔ زنوئیف جو لینن کا دست راست تھا مارے خوف کے زرد پڑ گیا تھا یہ طرفہ ماجرا ہے کہ ۱۹۱۷ء میں جرمنوں نے ایک یہودی یعنی زنوئیف کو اس لئے روس پہنچایا کہ مارکس کے عقائد اس کی زبان سے روسیوں کے دلوں تک پہنچیں۔

کیرنسکی کی دنگ کر دینے والی فصاحت و بلاغت نے لوگوں کا دماغ چکرا رکھا تھا۔ یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ سخت اور جوشیلی تقریریں ہی قوت عمل اور طاقت کا معیار گردان لی گئیں تھیں۔ مگر صحیح حالات کا اندازہ لگانے میں کیرنسکی کے ساتھ ناانصافی ہو جانی ممکن ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ انقلاب کے ابتدائی مہینوں میں اس کے دل میں کیا ارادہ پوشیدہ تھا۔ قابلیت میں کم درجہ کا سہی مگر تھا تو وہ بھی لینن ہی کی طرح پُر فطرت۔ یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ وہ برطانیہ سے قرض مانگ رہا تھا۔ وہ آواز بھی بلند کرتا تھا کہ لڑائی جاری رہے مگر درحقیقت وہ سوچے ہوئے یہ تھا کہ مناسب موقع آنے پر روس معقول شرائط پر علیحدہ صلح کر کے جنگ بند کر دے اور ایک معتدل قسم کی سوشلسٹ پبلک قائم کر دی جائے۔ انقلاب کی تاریخ تک اس کی ذہنیت واماندہ اور امن پسند تھی۔ اور اگرچہ اس نے زار سے یہ عالم اسیری راہ و رسم پیدا کرنی چاہی مگر حقیقت میں وہ

زاریت کا سب سے بڑا زہریلا دشمن تھا۔ اگر اس کا دل ٹٹولا جاتا تو وہ بجائے آئین نواز ہونے کے ڈکٹیٹر نکلتا یہ تو اس کا قطعاً منشا نہ تھا کہ مجلس دستور ساز منعقد ہو مگر بعد میں بے شک اس کا سر پھر گیا تھا اور وہ اپنے ہی لفظوں کے نشہ میں سرشار ہو گیا۔

اگر لیسرنسکی کا یہ مقصد تھا کہ وہ جرمنی کے خلاف قومی جنگ جاری رکھے تو ظاہر ہے کہ اس کے دل میں جرمن گورنمنٹ کی اس پالیسی سے کہ اس نے لینن اور دوسرے انقلابیوں کی طرف سے چشم پوشی کی ضرور شبہ پیدا ہوا ہوگا۔ اگر وہ جانتا تھا تو اس کے لئے دشوار نہ تھا کہ ان لوگوں کو جاسوس یا کم از کم جرمنوں کا تنخواہ دار ایجنٹ قرار دے کر گرفتار کرا دیتا بلکہ یہ افواہ تو پھیل ہی گئی تھی کہ لینن ایک جاسوس ہے جو روس کو دغا دے کر ڈبوا دے گا اور اس وجہ سے روس پہنچنے کے تین ہی مہینے بعد اسے بھیس بدل کے مجبوراً دیہات میں بھاگ جانا پڑا۔ تاہم یہ زمانہ جذباتی جوش وخروش کا تھا۔ لینن ٹروٹسکی اور دوسرے انقلابی روس میں دھس چکے تھے اگرچہ لینن کو روپوش ہونا پڑا تاہم اسے معرکہ آرائی کا نقشہ جمانے اور بالشویک پارٹی کو روس میں منظم کرنے کا موقع حاصل رہا۔

جب اپریل ۱۹۱۷ء میں لینن کھڑکی بند ٹرین میں سے اترا تو اس کا استقبال کرنے کے لئے کامینیف اور ستالن کی سرکردگی میں فوجیوں اور مزدوروں کی سوویت کا ایک وفد موجود تھا۔ مزدور اور سپاہی کپڑے کے لال پھول لگائے ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنے لیڈر کو کندھوں پر اٹھا لیا اور ریل کے اسٹیشن سے فاتحانہ انداز میں

باہر نکال لائے۔ پیتروگراد کا ایک محلہ کا محلہ جو شہر کا شہر معلوم ہوتا تھا اپنے سورما کے انتظار میں کھڑا تھا۔ لینن کی قسمت میں لکھا تھا کہ اس کا ایسی شان و شوکت کا استقبال ہو جو روم کے اکابر کو نصیب ہوتا تھا۔ لینن ایک مطربہ کی طرح لال پنکھڑی کا گلدستہ چھاتی سے لگائے شرمایا لجایا پریشان ہو ہو کر ایک نوجوان بحری لفٹنٹ کے مبالغہ آمیز الفاظ سن رہا ہے۔ چاہے اس نے بعد میں اس کا سرہی قلم کروا دیا ہو مگر اس وقت تو اس نے دلی زبان سے صرف اتنا کہا کہ کچھ حد بھی ہے" اور باقی دل کی دل میں رکھی۔

ایک گرجستانی نے جو انقلاب کے دوران میں اُبھر آیا تھا۔ عارضی حکومت کی جانب سے تقریر کرتے ہوئے امید ظاہر کی کہ لینن وفادارانہ اشتراک عمل کرے گا، اور لینن نے اس کا جواب "سماجی انقلاب زندہ باد" کے نعرے سے دیا۔

ستالن اپنے رہبر کا دقت نظر سے مطالعہ کر رہا تھا اور لینن اگرچہ گول مول باتیں کرتا تھا مگر ستالن کی طرح کھویا ہوا نہیں تھا وہ گرد و پیش کا مطالعہ کر رہا تھا اور خاموش تھا۔ مگر اس کا سکوت معنی سے لبریز تھا۔

ہنگامہ بپا تھا اور مجمع نعرے لگا رہا تھا، یونتوروہ لینن کا خیر مقدم کر رہے تھے مگر حقیقت میں وہ عوام الناس کی دلی خواہشیں پیش کر رہے تھے۔ جس دن سے دوما نے اختیارات حکومت کی باگ ڈور سنبھالی سویت نے حکومت کے مدمقابل کی حیثیت سے اپنے اجلاس برابر جاری رکھے اور عارضی حکومت سے ایسے مطالبات

کے جنھیں وہ منظور کرنے کو تیار نہ تھی اور وہ یہ تھے کہ
"لڑائی بند ہونی چاہیئے"
"زمین عوام کو ملنی چاہیئے"
"روٹی ملنی چاہیئے" اور
"اشیائے خوردنی عوام کے ہاتھوں میں رہنی چاہئیں"
دورانِ گفتگو میں ستالن سے لینن نے کہا کہ ہم عوام کے سب مطالبوں کی حمایت کریں گے۔ انقلاب لوگوں نے کیا ہے۔ ہمیں اُن کی خواہشوں کو پورا کرنا چاہیئے۔ سب سے پہلے تو ہم چاہتے ہیں کہ جرمنی سے صلح ہو اور پھر یہ کہ تمام سپاہیوں اور افسروں کو فوراً گھر واپس آنے کی آزادی ملے"

بظاہر یہ الفاظ ایسے تھے جو ایک جرمنی کے ایجنٹ کی زبان سے بھی نکل سکتے تھے مگر استالن کو یہ خیال بھی نہیں گزرا کیونکہ وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ لینن اگر ہو سکتا ہے تو خود اپنا ایجنٹ دوسرے کا ہرگز نہیں۔

یوسف بگاشفلی (ستالن) ہمہ تن توجہ تھا۔ اس کے گرو نے اسے راستہ دکھا دیا تھا۔ سب کچھ ہو لینے کے بعد واقعات کا اس طرح بیان کرنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ مگر ستالن نے کسی عارضی ضرورت سے نہیں بلکہ اپنی سیاسی زندگی کے ایک قاعدے کے طور پر یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ خود اپنے دماغ سے نکال کر کچھ نہ کہا جائے بلکہ اکثریت کی خواہش معلوم کر کے وہ بات کہی جائے جو وہ چاہتے ہوں۔ اور کہی اس طور سے جائے کہ گویا وہ ایک نرالی

بات ہے جو خود اس کے دماغ سے نکلی ہے۔

سٹالن نے اشارہ پا لیا اور انقلاب کا دروازہ کھل گیا، سٹالن اور اس کے رفقا شورش بپا کرنے میں طاق تھے اور اس وقت چاہیئے بھی کیا تھا، بجز اس کے کہ مزدوروں اور سپاہیوں کو شد و مد سے بھڑکایا جائے، یعنی ان کے دل میں یہ خطرہ پیدا کر دیا جائے کہ انقلاب کی وجہ سے جو آزادی ان کو حاصل ہو گئی ہے وہ چھن بھی سکتی ہے تاکہ وہ عارضی حکومت کے ہاتھ سے قوت چھین لیں اس موقع پر دلوں کی بے چینی ہی تھی جو سب سے بڑا حربہ بن سکتی تھی لینن نے اس پالیسی کا اعلان کیا تھا کہ ہم ادھورا نہیں بلکہ پورا انقلاب کر کے رہیں گے۔ جن لوگوں نے اس پالیسی کو لبیک کہا تھا۔ خود ان کے لئے بھی یہ خطرہ سے خالی نہ تھی۔ اگر کہیں جرمنوں نے حملہ کر دیا ہوتا تو ساری بدنامی ان ہی لوگوں کے سر تھوپی جاتی۔ بظاہر بے ضرر راستہ یہی معلوم ہوتا تھا کہ کیسرنسکی کا ساتھ دیا جائے، اول اول کامینف، زنوویف، تومسکی، اور زرزنسکی، سب لینن کی پالیسی کے مخالف تھے، وزنی شخصیتوں میں سے لے دے کے ایک سٹالن ہی تھا جو قریب قریب اکیلا اس کا حامی تھا مگر انبوہ عام اور نوجوان عنصر لینن کے ساتھ تھا، نشر و اشاعت کے مرکزوں کا قائم کرنا ممکنات سے تھا کیونکہ چھوٹی چھوٹی سوویتیں جو بالشویکوں کے مرکز تھے اور جنھیں وہ سیل یا نشو و نما کے خلیوں کہتے تھے ملک بھر میں ہر ایک اسٹاریے کے جسم میں گھن کی طرح لگے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور سٹالن ان کی پرورش کر رہا تھا۔ جب جولائی میں لینن کو سر چھپانے

کے لئے فن لینڈ بھاگ کے جانا پڑا تو اسے اپنی سرگرمیوں کے محاذ سے نکلتے وقت یہ اطمینان تھا کہ ان تمام قوتوں کو سرگرم عمل کیا جا چکا تھا جو اس کی واپسی کے لئے آب و ہوا تیار کریں گی اور بالشویک تحریک اس کی سرکردگی میں کامیابی کی معراج تک پہنچ کر رہے گی۔

کیرنسکی کی غلطیوں نے لینن کی ترقی کی رفتار تیز کر دی تھی کیونکہ کیرنسکی نے سزائے موت کو منسوخ کر کے لاقانونی اور بلوؤں کا دروازہ کھول دیا تھا اور اس راستے سے لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارنا بھی آسان کر دیا تھا۔ کیرنسکی نے ایک اور حرکت کر کے لینن کی منشا کے مطابق حالات پیدا کر دیئے یعنی اس نے فوجی سلام منسوخ کر دیا اور افسروں کے اختیارات سپاہیوں کی کمیٹیوں کے حوالے کر دیئے یعنی سپاہیوں کمیٹیوں کو موقع مل گیا کہ وہ افسروں کے اختیارات خود استعمال کریں۔ یہ بھی صحیح ہے کہ کیرنسکی کی حماقت اور غداری نے ایک نیا فتنہ پیدا کر دیا تھا۔ یعنی کورنیلوف کی سرکردگی میں ایک طاقت ور قومی فوج تیار ہو گئی۔ سوویت کے لئے تو وہ آگے جا کر خطرہ بنی تھی مگر عارضی حکومت کے لئے تو اسی وقت پریشانی کا باعث ہو گئی تھی اگر لینن فن لینڈ میں بیٹھا ہوا انتظام نہ کرتا رہتا تو کیرنسکی کی حکومت کورنیلوف کے ریلے میں بہہ جاتی اور قومی فوجی حکومت قائم ہو جاتی۔ مئی میں ٹروٹسکی پیٹروگراد آ پہنچا، نیویارک سے وہ پہلی اپریل کو چل پڑا تھا مگر نواسکوشیا میں ہیلی فیکس پر اس کا جہاز ٹھہرا جہاں برطانوی پولیس نے مسافروں کا جائزہ لیا اور ٹروٹسکی کو لندن سے ہدایات آنے تک حراست میں رکھا۔ بڑی دقت کے

بعد مہینہ بھر گذرنے پر اُسے اجازت ملی تو پھر اس نے انقلاب کے ملک کا راستہ لیا اس میں اسے کچھ دیر ہوگئی یعنی لینن اور زنوویف کے پہنچنے کے کئی ہفتے بعد پہنچا۔ مگر جب پہنچا تو موج کی چوٹی پر سوار اور فوراً ہی سرگرمیوں میں مستغرق ہوگیا۔ اس کی سرگرمی زیادہ تر یہ تھی کہ شورش انگیز تقریریں کرکے مزدوروں اور سپاہیوں کے مجمعوں کو اشتعال دے مگر جب زنوویف اور لینن روپوش ہونے پر مجبور ہوئے تو وہ میدان عمل میں اتر آیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب بولشویکوں کی پکڑ دھکڑی ہو رہی تھی کیونکہ انھیں عارضی حکومت نے علانیہ طور پر اینٹی ریولیوشنری یعنی مخالفین انقلاب یعنی رجعتی قرار دے دیا تھا۔ ٹروٹسکی کہتا ہے کہ ستالن نے اس امید پر کہ آگے چل کر عقل آجائے گی حالات کو اپنی رفتار سے چلنے دیا" اور حقیقت یہ ہے۔ بالشویکی انقلاب کی رفتار کی تیزی کا سہرا ترٹسکی یا ستالن کے سر نہیں ہے بلکہ کیرنسکی کی نااہلیت کے۔

لینن نے یہ دیکھ لیا تھا کہ کیرنسکی کا زوال ہو کر رہے گا۔ سوال صرف یہ تھا کہ کیرنسکی کا جانشین کون ہوگا۔ کورنیلوف یا سوویٹین کورنیلوف اپنی قومی فوج بنا رہا تھا اور دارالحکومت پر قبضہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا اور بالشویکوں کا یوں ہاتھ اونچا تھا کہ دارالحکومت ان کا گڑھ تھا۔ مگر اس برتری کے سر پر ایک اور گوشہ سے بھی خطرہ کی گھٹا آتی دکھائی دیتی تھی یعنی یہ ممکن تھا کہ جرمنوں کو پیتروگراد پر قبضہ کرلینے کا موقع مل جائے اور اس طرح پارٹی کی مرکزی جماعت ان کے چنگل میں پڑ جائے۔ ستمبر ۱۹۱۷ء میں لینن نے پیتروگراد کی جمعیت عاملہ کو

لکھا کہ "بالشویک اب حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں اور انھیں ضرور یہ کرنا چاہیئے"

کورنیلوف نے جس کی پشت پر کئی فوجی پلٹنیں تھیں کیرنسکی کو ایک پیام جنگ بھیجا اس سلسلہ میں لینن نے حسب ذیل رائے زنی کی ہے "جب رسالہ پیتروگراد کے قریب پہنچا عوام الناس اس انقلابی اجدہائی کی حفاظت کے لئے ایک جان ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بچاؤ کا انتظام کرنے میں بالشویک آگے آگے رہے اور اسی سے ان کا اقتدار دیکھتے دیکھتے کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ عوام الناس نے اس چیز کو دیکھ لیا تھا کہ یہ بالشویک پارٹی ہی تھی جس کے لیڈروں نے انقلاب کے مخالفین کے ساتھ لاؤ لپیٹ نہیں برتی" لینن نے جو پیام خاص استالن کے نام بھیجا تھا اس کے طرز تحریر سے پایا جاتا تھا کہ ایک اپنے خاص وفاشعار اور تابع فرمان کو لکھا ہے، اس کے بعد ایک اور پیام آیا اور اس کے الفاظ بھی اسی قسم کے تھے جس میں استالن سے درخواست کی گئی تھی کہ وہ لینن کی ہدایات کو پارٹی کی کمیٹی کے سامنے بحث و تمحیص کے واسطے پیش کرے مگر ان ہدایات کی سخت مخالفت ہوئی، خاص طور پر کامینف اقدام کے سخت خلاف تھا ایک عرصہ کے بعد اس بے چارہ کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ انقلاب کی ہستی اعظم بننے کے موقع اس کے لئے نہیں ہے زنوویف بھی خلاف تھا، آگے چل کر لینن نے اپنی آخری وصیت میں جو پارٹی کے لئے لکھی تھی اس واقعہ کا ذکر کامینف اور زنوویف کی مذمت کے سلسلہ میں کیا ہے۔ ٹروٹسکی پیتروگراد کی سوویت کا صدر منتخب ہوا اور اس طرح ضابطہ میں وہ سوویتی تحریک کا صدر

ہوگیا۔ وقتی طور پر شاید اس کی طاقت اور اختیار کے سامنے لینن بھی ماند پڑ گیا تھا۔ ٹروٹسکی کا مشار یہ تھا کہ بجائے تشدد کے سیاسی طریقہ کار سے نئے انقلاب کو کامیاب بنایا جائے۔ یعنی بجائے اس کے کہ سنگینوں کے مظاہروں سے لوگوں کو خوف زدہ کیا جائے لوگوں کا دل ہاتھ میں لیا جائے۔ اس لئے اس نے تمام روس کی سوویتوں کی دوسری عام کانگرس تک جو ۲۵ اکتوبر کو منعقد ہونے والی تھی اقدام عمل ملتوی رکھا۔

قوت کا مظاہرہ خطرناک ثابت نہیں ہوا کیونکہ کیرنسکی خود بھاگ نکلا۔ رپین نقاش جو اس کی تصویر بنا رہا تھا آخری نشست کے لئے جب محل سرا میں پہنچا تو کیرنسکی کو وہاں نہ پایا۔ نقاش محل کے کمرے کمرے میں پھرا مگر وہاں کوئی محافظ بھی نہ ملا۔ صناعی کے بیش بہا نمونے اور سونے اور چاندی کا سامان اور زیورات کمروں میں بدستور موجود تھے اگر ابوہ وہاں گھس آتا تو اُن چیزوں کے بچانے کے لئے وہاں ایک متنفس بھی نظر نہ آتا۔ جب میں اس ضعیف نقاش سے کچھ عرصے کے بعد ملا تو وہ مجھ سے کہنے لگا "ایک وقت ایسا بھی آیا تھا کہ جب زاریت کا اقتدار ایک گرے ہوئے زیور کی طرح بازاروں کی خاک میں رُل رہا تھا مگر کسی نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا" بالشویک جیت گئے مگر لڑائی لڑ کر نہیں بلکہ محض مظاہرے سے، شہر کے لفنگے لوٹ مار پر تل گئے مگر لیڈروں کو اتنا ہی کرنا پڑا کہ موقعہ پر پہنچ کر حکومت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لے لیں، بالشویکوں کی طاقت کا مظاہرہ کرنے کی تیاری میں ستاکن نے عملی حصہ لیا۔ پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے سات

آدمیوں کو نامزد کیا تھا کہ وہ پارٹی کے پیروؤں کو مسلح اور منظم کریں یہ یہ سات اشخاص یہ تھے۔

لینن۔ ٹروٹسکی۔ کامینف۔ زنوویف۔ سٹالن۔ سوکونیکوف بوبنوف۔ اور یہی شدہ شدہ بولت بیورو یعنی پارٹی کی برسر اقتدار مرکزی جماعت ہوگئی۔ زرزنسکی اور اورنسکی ایک پیکار جو کمیٹی کے معاونین کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ان میں سے کامینف، زنوویف اور سکونیکوف کو تو بالآخر سٹالن نے گردن زدنی ٹھہرایا اور ٹروٹسکی کو جلاوطن کیا گیا۔ اور ٹسکی بھی قتل کر دیا گیا۔

ایک نئی گورنمنٹ قائم ہوگئی جس کا نام عوام الناس کی وزات کی سوفیت رکھا گیا۔ جسے روسی زبان میں "سوفنارکم" کہتے ہیں اور اس میں سب کے سب بالشویک تھے، اس موقع پر بھی زنوویف اور کامینف نے اپنے رہبر یعنی لینن کی مخالفت کی وہ یہ چاہتے تھے کہ ایک کولیشن یا ملی جلی حکومت قائم کریں جس میں ہر رنگ کے سوشلسٹ یا اشتراکی سیاسین حتیٰ کہ سوشیل ریوولیوشنری یعنی سماجی انقلاب کے خواہاں اور منشیوک بھی شریک ہوں۔ مگر لینن نے ان کی اس رائے کو رد کر دیا۔ اب وہ موقع پر موجود تھا اور عزم راسخ کے علاوہ اسے لوگوں کے اتحاد کا بھی بھروسا تھا، حالات اس کے قابو میں تھے۔

لینن نے ان دنوں میں بہت سی تقریریں کیں بلکہ سبھی نے تقریریں کیں سوائے سٹالن کے، جو چپ چاپ بیٹھا اپنا پائپ پیا کرتا تھا وہ اپنے دل میں سوچتا تھا کہ اس ساری داستان میں میری بساط ہی کیا ہے یہی کہ ایک چھوٹا آدمی ہوں اور یہ اس کا حقیقی خیال تھا۔ بجائے انقلاب

کے یہودی لیڈروں کے اُسے لینن کے ساتھ رہنا زیادہ راس آتا تھا، اس زمانہ کی بے سروپا بحثوں میں اس نے کم حصہ لیا، بلکہ اپنے ارادے اور طبیعت کو سلجھا کے اس نے یہ قاعدہ مقرر کرلیا تھا کہ جو لینن کہے اُسے قانون سمجھنا چاہیئے؛ وہ اس پر قانع تھا کہ لینن کے خانگی پیامبر اور ملازم کے طور پر خدمت انجام دیتا رہے عام طور پر اس کا کام یہی تھا کہ لینن کے خیال کو دوسروں تک پہنچا دے گویا دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے اگر لینن کا ارادہ برچھی کا کام کرتا تھا تو ستالن اس برچھی کا پھل تھا۔

مگر اس ابتدائی زمانہ میں ستالن کی شخصی اہمیت میں کوئی نمایاں اضافہ نہیں ہوا۔ یہ وقت تروتسکی کے عروج کا تھا جس نے تقریروں سے خود لینن کو بھی ماند کر دیا تھا۔ تین ذاتی ترقی کے خواہاں یہودیوں یعنی تروتسکی، کامنیف، اور زنوویف نے قوت حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مسابقہ شروع کر دیا تھا یہ نہیں کہ وہ لینن کی جگہ لینے کے خیال میں تھے بلکہ یہ کہ آخر ہر سلطان کو ایک وزیر اعظم تو درکار ہی ہے، ستالن اس دوڑ دھوپ سے الگ نظر آتا تھا۔ اس کے عیارانہ بناوٹی عجز نے یہودیوں کو دھوکہ میں رکھا مگر غالباً لینن کو نہیں جس نے اس پر نگاہ بھی رکھی اور اس سے کام بھی لیا۔

اس زمانہ میں ستالن نظر انداز کیا جا سکتا تھا اور اس لئے اُسے نئی حکومت میں ایک یا دو چھوٹے چھوٹے عہدے ملے، چونکہ وہ گرجستانی قومیت کی پیداوار تھا اسے قومیتوں کا ناظم بنا دیا

گیا بعدازاں اسے زراعت اور کارخانوں کا انسپکٹر جنرل بنا دیا گیا۔ یہ عہدے درحقیقت تو محض نام کے نہ تھے مگر ابتدائی چھ مہینے میں ستالن شاید ان کے دفتروں میں ایک مرتبہ بھی مشکل سے گیا ہوگا جب کسی شخص نے اعتراض کیا کہ ان عہدوں کے پُر کرنے کے لئے ایک سرگرم اور ذہین آدمی کی ضرورت ہے تو لینن نے ہنس کر کہا "کچھ ذہانت کی ضرورت نہیں ہے اور اسی وجہ سے ہم نے ستالن کو ان عہدوں پر مامور کیا ہے" ستالن بھی قانع تھا، ایک ایسا سوار جو سواری کا مرد نہ ہو یہ خواہش نہیں کرتا کہ اسے منہ زور گھوڑا دے دیا جائے۔ کم سے کم اسے اپنی خامیوں کا اندازہ تھا وہ آج کے دن بھی اور ہمیشہ سے ان لوگوں میں سے ہے جو چوکنے رہتے ہیں۔ وہ خود تو ابھرا نہیں۔ مگر اس نے ہر ایک کو نگاہ میں رکھا اور سب سے زیادہ اُس نے لینن پر نگاہ جمائے رکھی کیونکہ وہ انقلاب کے کل پرزوں کے چلانے کی ترکیبوں کا غور سے مطالعہ کر رہا تھا۔ فرصت پا کے اُس نے لینن سے مشورہ کیا کہ قومیتوں کے کومیسار، کی حیثیت سے اس سے کس کام کی توقع کی جاتی ہے، اور صدر سے مشورہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشترکہ دستخطوں سے قومیتوں کے حقوق کا اعلان شائع ہوا۔ کوئی شخص اس اعلان کو بدعتی اعلان نہیں قرار دے سکتا تھا کیونکہ بہرکیف اس پر جہاں ستالن کے دستخط تھے وہیں لینن کے بھی موجود تھے۔

اسی دستاویز نے مذہب اور زبان کی آزادی کا یقین دلایا اور یہ بھی قرار دیا کہ اگر ضرورت سمجھی جائے تو ایک ایسی قوم کو

جو اقلیت میں ہو خود مختار ریاست قایم کرنے کا بھی حق ہے۔
یہ دوسری بات ہے کہ فن لینڈ کے رہنے والوں کو چھوڑ کر کسی اقلیت
نے اس حق سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں اٹھایا حتیٰ کہ گرجستان نے
بھی یہ حق استعمال نہیں کیا مگر حقیقت میں یہ تو اس آوازہ کا ایک
کارگر جواب تھا کہ جو سامراج راویوں یا شہنشاہیت پسندوں نے
کورنیلوف کی زبان سے بلند کیا تھا کہ " سارا روس کا ملک ایک
ہے اس کی تقسیم نہیں ہوگی "

پانچواں باب

کورنیلوف کا سر بندوق کی گولی کی طرح گاؤدم تھا، آدمی تو وہ بہادر اور شریف تھا مگر غبی تھا۔ وہ سپاہی اور فوجی افسر ہونے کی قابلیت تو ایسی رکھتا تھا کہ اس کا لوہا ماننا پڑتا تھا مگر سیاسی دانشمندی اسے چھو تک نہیں گئی تھی۔ خیر اب تو اس کا شمار ان لوگوں میں ہے جو انقلاب کا شکار ہوئے مگر یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ وہ خود بھی انقلاب کے خواہشمندوں میں تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اس وقت ملکۂ زار کی توہین کی تھی جب وہ اپنے تخت و تاج کا ماتم کر رہی تھی۔ تو بھلا فوج کے وہ عناصر جو مخالف انقلاب تھے کب اس کے مخلص اور وفادار ہو سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ جب جرمنی سے لڑائی بند ہوئی تو ان افسروں میں سے بہت سے جو واپس آکر اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے تھے۔ خانہ جنگی کا بگل سن کر کمربستہ ہو گئے مگر ان میں سے جو بالطبع آئین پسند تھے وہ تو کورنیلوف کے پاس جا پہنچے اور جو زار کے طرفدار تھے

وہ دینکن اور رومانسکی سے جا ملے۔ سفید فوج کی وفاداری تقسیم ہو گئی تھی۔ نئی سرخ فوج کے خطرے سے بچ کر کورنیلوف تو اپنے ہیڈ کوارٹر (مرکز) روستوف سے جو دریائے دون پر واقع ہے پیچھے ہٹ کر قفقاز کی گھاٹیوں میں چلا گیا۔

لینن کے پیتروگراد آنے کے دو مہینہ کے اندر ہی باغی ملاحوں اور دارالحکومت کے بچے کھچے آدمیوں کی اعانت کے باوجود سفید فوجیں ایک ہزار میل پرے عالم پسپائی میں تھیں۔ نومبر میں تو لینن کا پیتروگراد پر بھی پورا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ وہ سمولنی کے محل میں گرداگرد خندق کھدوا کر وقت کاٹ رہا تھا۔ اور یہاں کی حفاظت توپ خانے، مشین گنوں اور بہت سے سپاہیوں اور ملاحوں کے سپرد تھی۔ اگرچہ کیرنسکی بھاگ چکا تھا عارضی حکومت نام چار کو محل سرا میں اپنے اجلاس منعقد کرتی رہی۔ جب عوام الناس نے پردکوپورچ قائم مقام وزیر اعظم کو محل سرا میں گھسنے بھی نہ دیا تو وہ اور ان کے رفقاء کار ٹاؤن ہال میں بیٹھ کے حکومت چلانے لگے۔ بنکوں نے لینن کو روپیہ دینے سے انکار کر دیا مگر ان پر دھاوا بول دیا گیا۔ روٹی کا بہت توڑا ہو گیا تھا مگر خورد و نوش کا سامان مہیا کرنے والی پارٹیاں دیہاتوں میں کاشتکاروں کو لوٹنے کے لئے نکل پڑیں، سوویت کی حکومت کا مرکز ڈاکوؤں کا کیمپ بن گیا اور اس کیمپ کے اندر بھی سیاسی نقشۂ جنگ کے مسئلہ پر بہت کچھ اختلاف اور بے اطمینانی تھی۔ کامینف، زنوویف اور ٹراٹسکی نے تو ایک موقع پر استعفےٰ ہی پیش کر دیا اور ٹھان لی کہ لینن کو چھوڑ کے

حکومت کا کابینہ بنالیں۔ جب یہ معلوم ہوا تو سناکن بولا "ہمیں انھیں گولی سے اڑا دینا چاہیئے"

مگر لینن نے لاپرواہی سے جواب دیا "ابھی نہیں یہ تو بھاگا بھاگ یہیں آ کھڑے ہوں گے" چنانچہ یہی ہوا کہ سب سے پہلے زنوویف نے اپنی پشیمانی کا اظہار شائع کرایا اور اس کے بعد تراتسکی۔ ریکوف اور کامینیف نے لینن نے ستالن سے کہا کہ یا تو عوام الناس ہمارے ساتھ ہیں یا ہمارے خلاف، ستالن نے جواب دیا کہ اگر وہ خلاف ہیں تو ہمیں ان کا مزاج ٹھیک کر دینا چاہیئے جس پر لینن نے جواب دیا کہ "ہاں بات تو ٹھیک ہی ہے۔ ہم اگر جیت سکتے ہیں تو دہشت انگیزی سے"

بالآخر ملاحوں نے ابتدا کر ہی دی اور شنگاریف اور کوکوشکن دو معقول حیثیت وزراء کو ہلاک کر دیا، لینن نے عارضی حکومت کی پولیس کو ان قاتلوں کو گرفتار نہیں کرنے دیا اور چھوٹے موٹوں کے قتل کا تو پوچھنا ہی کیا، سزا تو سزا چرچا بھی نہیں ہوا۔ مگر لینن نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ان قتلوں کو قانونی جامہ پہنانا ضروری ہے۔ اور اس غرض کے پیش نظر اس نے "چیکا" کو قائم کیا اور اس جماعت کی صدارت فلیکس زرزنسکی کو ملی جسے روسیوں سے بغض للہی تھا۔ زرزنسکی قوم کا پول تھا۔ ایک وقت میں تو وہ سرگرم کیتھولک تھا مگر اس کے بعد خدا کی ہستی کا قائل نہیں رہا۔

باقی ماندہ عارضی حکومت کو منتشر کر دیا گیا۔ سوف نارکوم، (انقلابی کابینہ) نے زمام حکومت ہاتھ میں لی اور فوج کے کمانڈر انچیف کو تار دیا کہ فوری صلح کرنے کی غرض سے وہ جرمنوں سے عارضی صلح

کے لئے نامہ و پیام کرے۔ ونکھوف نے جواب دیا کہ ایک ذمہ دار مرکزی حکومت ہی صلح کے نامہ و پیام کی ابتدا کر سکتی ہے، اس کے جواب میں ایک اور تار بھی گیا "عوام الناس ..... کے یکساروں یعنی وزیروں کے حکم سے روس کی پبلک کے نام پر تمہیں کمان سے برطرف کیا گیا اور تمہاری جگہ انسائین یعنی علمبردار کرلینکو کو سپہ سالار مقرر کیا گیا، دستخط شدہ لینن۔ ستالن، کرلینکو"

عارضی صلح کی خبر تمام روس میں آگ کی طرح پھیل گئی اور اس نے لکھوکھا آدمیوں کو سرخ جھنڈے تلے لا کھڑا کیا۔ اور محاذ جنگ سے جو فوج تیزی کے ساتھ خود تتر بتر ہو کر آ رہی تھی اسی کے آدمیوں سے سرخ فوج کی ابتدائی پلٹنیں تیار کی گئیں۔ ستالن نے لینن کے ہمنفس اور خدمت گزار ہونے پر قناعت کی مگر لینن نے اس کے ساتھ عجیب طریقۂ عمل رکھا۔ دونوں میں ذہانت کے لحاظ سے زمین آسمان کا فرق تھا لیکن لینن ستالن سے برابر مشورہ کرتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ ستالن کی رائے قریب قریب وہی ہوتی ہے جو خود اس کی، دونوں میں پالیسی کے معاملہ پر اختلاف نہیں ہو سکتا مگر لینن مطلق العنان نہ تھا، اسے یہ کہنے میں مزا آتا تھا کہ میرے اور ستالن کے خیال میں ....."

چنانچہ جب ترائسکی نے لینن کو شہر پرمست لتوفیسک میں ایک خاص معاملے میں اس کی رائے دریافت کرنے کے لئے تار بھیجا تو اس نے جواب دیا "انتظار کرو میں اس معاملہ میں ستالن سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں" یہ ترائسکی کو ضرور ناگوار گزرا ہوگا۔

حقیقت میں ستالن طاقت حاصل کرنے کے مسئلہ میں خطرناک

ایک متحدہ محاذ نہ بن جائے۔ مگر فوری خطرہ مخالفین انقلاب کے نو ساختہ گروہوں سے تھا جو شمال مشرق میں ٹڈی دل کی طرح بڑھ رہے تھے اور جن کے رہبر قابل اور بے دھڑک تھے۔ جرمن جو یوکرین پر قابض تھے کھلم کھلا خانہ جنگی کی آگ بھڑکا رہے تھے۔

زارتسن کی کمک کے لئے پندرہ ہزار مزدوروں اور کسانوں نے ایک دیہاتی قفل ساز مسمی اندروشیلوف کو جس کی کسی قسم کی فوجی تربیت نہیں ہوئی تھی اپنا لیڈر منتخب کیا تھا۔ ستالن دو آرمرڈ کاریں (مسلح گاڑیاں) اور کوئی سو یا سو سے زیادہ سرخ سپاہی ساتھ لے کر اس سے پہلے جا پہنچا، اس نے شہر کی وہی پرانی حالت پائی جو جنگ کے زمانہ سے پہلے تھی، میکدے اور قہوہ خانے کھلے ہوئے تھے عام باغوں میں باجے گاجے موجود تھے، ناچ ہوتے تھے، لوگ بازاروں میں چہل قدمی کرتے تھے اور لہو لعب کی دنیا کی چہل پہل موجود تھی آبادی کا بیشتر حصہ بالشویکوں کا مخالف تھا اور اس توقع پر خوش خوش نظر آتا تھا کہ کوساک آئیں اور قبضہ کریں۔ قلعہ کی فوج کی ہمدردیاں بھی مشکوک تھیں؛ لوگ علانیہ سفیدوں کے نشان لگائے بازاروں میں پھرتے تھے ٹریڈ یونین بدظن تھیں۔ مقامی بولشویکوں کا حال خراب تھا۔ اُن کی یہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اگر حکومت تبدیل ہو ہی جائے تو وہ جان بچانے کے لئے دکھاوے کو قومیت کا راگ کیوں نہ الاپنے لگیں۔

مگر ستالن کے آتے ہی جس کو موت اور زندگی اور ہر قسم کے دوسرے ممکن اختیارات حاصل تھے تھوڑے ہی عرصہ میں شہر کی ہوا بالکل ہی بدل گئی۔ قہوہ خانے بند ہو گئے، ناچ رنگ رُک گیا، باتونی

آبادی نے بازاروں میں اپنے ہونٹوں پر مہریں لگالیں۔ گرجا گھر کا گھنٹہ بجنا بند ہوگیا۔ مسلح سپاہی بازاروں کے ناکوں پر کھڑے نظر آنے لگے اور بے وردی کے سپاہیوں نے گھروں سے باہر آنیوالوں کے کاغذات کی پڑتال شروع کردی گویا سارا شہر سخت ضابطہ کا پابند مسلح کیمپ بن گیا۔ چیکا بناکر کھڑی کردی گئی اور دہشت انگیز جھنڈا زارتسن پر اڑنے لگا۔

اسے پندرہواڑہ نہ گزرا تھا کہ سفیدوں نے شہر کو نرغہ میں لے لیا۔ ستالن اس سے گھبرایا نہیں بلکہ اس نے بچاؤ کے انتظامات کو اور پکا کیا اور لینن سے جو ماسکو میں تھا قدم قدم پر نامہ و پیام کرتا رہا۔ لینن نے ستالن کی کارروائیوں کو ٹھیک سمجھا مگر انقلاب کی جنگی کونسل کے صدر تراتسکی کا اس بچاؤ میں کوئی ہاتھ نہ تھا۔ پہلے تو تراتسکی زارتسن کو ایک کمتر درجہ کی اہمیت کا میدان جنگ سمجھتا رہا مگر رفتہ رفتہ ستالن کی کامیابی اسے کھٹکنے لگی۔ ستالن نے لکھا کہ "فوج میں بہت سے موچی بھرگئے ہیں" تعجب کی بات ہے کہ ایک موچی زادہ نے موچی کا لفظ اہانت آمیز معنوں میں استعمال کیا۔ وہ ان گھڑ قفقازی ایک معمولی سپاہی کی وردی پہنے آج شمالی قفقاز کی فوج کا ڈکٹیٹر تھا۔ کمان تو اس کی زارتسن تک ہی تھی۔ مگر اس کے عہدہ کا نام یہی تھا اس نے ماتحت فوج کے سپاہیوں کو ڈرانے دھمکانے اور ان سے دبا کر کام لینے میں ایک جابر جرمن افسر کی طرح کام کیا۔

اس کے اسٹاف یعنی قومی افسروں میں زار کی فوج کے نکلے ہوئے افسر اور انجنیر تھے اور اس کی نظر میں وہ یا تو بالکل نالائق تھے

یا لڑائی کے نتیجہ کی طرف سے بے پروا تھے، ان کے وقت کا بیشتر حصہ نقشوں کو الٹنے پلٹنے اور مایوسی کی باتیں کرنے میں گذرتا تھا۔ مگر ستالن نے ان کے ہاتھ سے کمان لے کر اپنے چنے ہوئے آدمیوں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ شہر میں دن رات دھڑا دھڑ گولے پڑ رہے تھے اور دشمن کی جانب سے ایک بڑے حملہ کا خطرہ ہر وقت لگا ہوا تھا مگر سفید فوج کا جرنیل کوئی ڈھیلا آدمی تھا جس نے موافق حالات سے فائدہ نہیں اٹھایا اور ایک نازک وقت میں ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھا نتیجہ یہ ہوا کہ دوروشلوف عوام الناس ..... کی پلٹن کو لئے ہوئے شہر میں گھس آیا۔ ستالن نے دوروشلوف کے ہاتھ میں کمان دے دی اور اب دونوں نے مل کر حالات کو سنبھال لیا۔ چونکہ اب شہر کے اندر کی بغاوت کے خطرہ کا پورا انسداد ہو گیا تھا اس لئے اب ستالن فوج کے ان افسروں کا جو مشتبہ تھے مضبوطی کے ساتھ تدارک کر سکتا تھا۔ کئی ایسے افسر تھے کہ جنھیں پہلے گرفتار کرا دینا چاہیئے تھا۔ مگر بد دل آبادی کا بھڑکانا خطرہ سے خالی نہ ہوتا۔ مگر اب ریوڑ کے ریوڑ تہ تیغ کر دیئے گئے اور قریب قریب ان تمام فوجی افسران کو جنھیں ترائسکی نے یہاں بھیجا تھا حراست میں لے کر دریائے فالگا میں ایک تیرتے ہوئے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا ترائسکی نے تار دیا کہ ان لوگوں کو فوراً رہا کر دو مگر ستالن نے اس تار پر لکھ دیا "اس پر توجہ کرنے کی ضرورت نہیں"

ترائسکی کے آدمیوں کو جب بالآخر رہائی ملی تو ان میں سے بعضے دشمن سے جا ملے۔ جن میں سے خصوصیت کے ساتھ نوسووچ کا نام قابل ذکر ہے۔ اور اس سلوک کے بعد اس میں تعجب کی کونسی

بات ہوسکتی تھی۔ اصل بات یہ تھی کہ نکلے ہوئے افسر ستالن کے مطلب کے نہیں تھے اور اس نے یہ زیادہ مناسب سمجھا کہ دسویں فوج کے افسروں کے اسٹاف میں نوجوان بھرتی کئے جائیں کیونکہ وہ زیادہ جوشیلے تھے اور ان میں انسانی ہمدردی کا عنصر غالب تھا۔ انھیں میں سرجی میسن بھی تھا جس نے کوسکوں کے حملہ کو پسپا کرنے میں سرفروشی سے کام لیا تھا۔ یہ ایک نوجوان طالب علم تھا اور شعر و شاعری کیا کرتا تھا۔ اس نے زارتسن کے محاصرہ کا ایک ڈراما لکھا جس کا نام اس نے ..... "شہر گھیرے میں" رکھا تھا۔ کارخانہ کے مزدور اور سپاہی اُسے پوجتے تھے اور ایک وقت تو ایسا آیا تھا کہ وہ ان سے جو چاہتا کرا سکتا تھا۔ اور دوں میں فالیری شیرلوک جیسے تو محض بوائے سکاؤٹس تھے۔ جب وہ ستالن کے ہاتھ پڑے تو اس نے انھیں پرکھا اور ڈکٹیٹر ہوجانے کے بعد بھی ان سے کام نکالا۔ ان نوجوانوں نے مدافعانہ سرگرمیوں میں جان ڈال دی۔ حملے کا کھٹکا ہوتے ہی تمام کارخانوں کی سیٹیاں بجنے لگتی تھیں اور مشین گنوں کی تڑاتڑ، اور رائفلوں کی ٹھواں ٹھوں اس زور سے ہونے لگتی تھی کہ سفیدوں پر رعب طاری ہوجاتا تھا۔ اور وہ مخالف کی طاقت کا بڑھا چڑھا کے اندازہ لگاتے تھے۔

زارتسن بالکل گھرا ہوا نہیں تھا، ایک ریل کی سڑک کھلی ہوئی تھی اور دریائے فالگا کی طرف کا حصہ محاصرہ میں نہیں تھا۔ اگر شہر خالی کرنے کی ضرورت پڑ جاتی تو قریب قریب بے کھٹکے ایسا ہوسکتا تھا

مگر ستالن اور اس کے نوجوان ساتھیوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ شہر کو قبضہ سے نہیں نکلنے دیں گے۔ اُنھوں نے ترائسکی سے رائفلیں اور کارتوس منگوائے۔ ترائسکی نے بہت ہی بگڑ کر شکایت کی کہ زارتسن کے محاذ پر لڑنے والے ہر ایک سے زیادہ مطالبہ کر رہے ہیں اور چونکہ خود زارتسن کے کارخانے گولہ بارود تیار کر رہے تھے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دسویں فوج بہت زیادہ گولہ بارود کام میں لائی۔

ترائسکی جو ماسکو میں آرام سے بیٹھا ہوا تھا زارتسن کی طرف سے روز بروز نالاں ہی ہوتا چلا گیا۔ نئی سرخ فوج بنانے کے سلسلہ میں اُس کی یہ پالیسی تھی کہ اس میں پرانے نکالے ہوئے افسروں کو بھرتی کیا جائے اور ستالن اور وورو شلوف ان افسروں کو ناقابل اعتماد سمجھتے تھے اور انقلابی تحریک کے پرجوش نوجوانوں میں سے فوجی افسر بھرتی کرنا چاہتے تھے۔ مزید برآں ترائسکی نے اپنے تار کے نظرانداز کئے جانے کو معاف نہیں کیا۔ وہ لینن کے پاس گیا اور اس نے ستالن کے واپس بلانے پر اصرار کیا۔

اسی دوران میں اگست کی ابتدا میں جنرل کارس نوف نے زارتسن پر شدید ترین حملہ کیا۔ اُس نے سرخ فوجوں کو دریائے فالگا کے پار بھگا دینے کی کوشش جم کر شروع کر دی۔ وورو شلوف لکھتا ہے کہ سرخ فوجوں نے جو سرتاسر اُن مزدوروں پر مشتمل تھیں جو دوآبہ دونت کے رہنے والے تھے کوسکوں کے نہایت ہی منظم اور بڑے ہی قوی حملوں کا کئی دن تک مقابلہ کیا یہ آزمائش کا شاندار زمانہ تھا۔ اُن دنوں کوئی کامریڈ ستالن کو دیکھتا۔ حسب معمول پرسکون، غور و فکر میں غرق، بلا مبالغہ

کئی کئی دن تک آنکھ نہیں جھپکاتا تھا اور اس انہماک کے زمانہ میں گھڑی میں ہیڈ کوارٹر میں ہوتا تھا اور گھڑی میں محاذ جنگ پر۔ ایک وقت محاذ پر ایسا آیا کہ چھکے چھوٹنے لگے تھے۔ کارستوف کی فوجیں جو فاطلوروف مامونتوف وغیرہ کی کمان میں تھیں معرکہ آرائی کے ایک کارگر نقشہ کے مطابق ہماری تھکی ہاری فوجوں کو جو پہلے ہی بہت کچھ ضائع ہو چکی تھیں دبائے چلی آرہی تھیں۔ دشمن کے محاذ کی شکل نال کی سی بن گئی تھی جس کے دونوں سرے دریائے فالگا کے کنارے پر جا کر ٹکتے تھے۔ اور یہ غنیم روز بروز شہر پر ٹوٹا چلا آرہا تھا"

بھاگنے کے لئے سوائے دریا کے اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا تھا مگر ستالن کی یہ کیفیت تھی کہ وہ جن کی طرح دوڑ دھوپ کرتا اور تھکے ماندے افسروں اور سپاہیوں کے دلوں میں اپنے ذاتی عزم کا شعلہ بھڑکاتا پھرتا تھا۔ جب تک سفیدوں کا جی نہ چھوٹ لیا سرخ مورچوں پر ڈٹے رہے۔ اور موقع پا کے خود حملہ آور ہو گئے اور دشمن کو تتر بتر کر کے دریائے دون کی طرف بھگا دیا۔

اس کا یہ صلہ ملا کہ ستالن کو واپس بلا لیا گیا۔ ترانسکی نے لینن سے کہا ہوگا "یا تو میں رہوں گا یا وہ" ہم دونوں میں سے ایک کو جواب مل جانا چاہیئے"۔ لینن نے حکمت عملی سے کام لیا ہوگا کیونکہ وہ ترانسکی کو ہاتھ سے کھو بیٹھنے کو تیار نہ تھا۔ خود اس کے اپنے قدم بھی ابھی کچھ ایسے بہت مضبوط جمے ہوئے نہ تھے۔ خود ماسکو ہی میں اس کے خلاف ایک مسلح بغاوت ہو چکی تھی۔ نڈر سادنکوف نے جو انقلابی تحریک کا سب سے بڑا دہشت انگیز اور قاتل تھا بددل سوشیل ریوولیشنری

پارٹی کو لینن کی تباہی کے لئے گانٹھ رکھا تھا۔ سیاسی عقائد کے اعتبار سے بالشویکوں کے مقابلے میں ٹراٹسکی اس جماعت سے قریب تر تھا لینن نے کہا کہ ہم تم جھگڑ تو سکتے نہیں، اگر تمھیں یہی منظور ہے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ سٹالن کو واپس بلا لیا جائے گا۔

سفیر دلوف ایک یہودی اشتراکی کو بڑی چکنی چپڑی باتیں بنانی آتی تھیں اسے سٹالن کو رضامند کرنے کے لئے روانہ کیا گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ خود سٹالن بھی یہی چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کام کو جس کا اس نے بیڑا اٹھایا تھا ٹھکانے لگا چکا تھا اور اگر کوئی بڑی فوج اس پر دھاوا نہ بول دے تو اب شہر کو کسی قسم کا کھٹکا نہ تھا، شہر کی کمیٹی کے وہ سب ممبر جن کی طرف سے شبہ تھا یا تو قید کئے جا چکے تھے یا گولی سے اڑائے جا چکے تھے، دسویں فوج بخوبی منظم ہو چکی تھی اور گولے بارود کے کارخانے خوب کام کر رہے تھے۔ غلہ اور دوسرا خورد و نوش کا سامان ماسکو اور مرکز کی ضرورت کے لئے برابر شمال کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ اور اب سٹالن اس انتظار میں بیٹھا تھا کہ انقلاب کے وسیع میدان میں کسی اور علاقے کا رخ کرے۔

علاوہ بریں یہ یقینی امر نہیں کہ وہ لینن کے حکم سے سرتابی کرتا۔ ٹراٹسکی کی وقعت تو اس کی نظر میں پہلے بھی نہیں تھی۔ مگر لینن اس کا دیوتا نہیں تو آقا تو ضرور تھا، واپسی کے دوران میں اس کی ٹراٹسکی سے ملاقات ہوئی۔ ٹراٹسکی اس وقت زار کی طرح بڑی شان و شوکت سے شاہی ریل میں سوار گویا دنیا بھر کو دکھانے کے لئے زارتسن کا معائنہ کرنے کے لئے جا رہا تھا۔ ٹراٹسکی کا انداز گفتگو ایسا تھا کہ گویا سٹالن اس کا ماتحت ہے

بولا۔ "آہا لو یہ قفقازی گوریلا آن پہنچا۔ ذرا مجھے اسی جگہ کھڑے ہونے دو کہ میں اس گتھی کو ٹھیک سے دیکھ تو سکوں۔"

ستالن نے جو ایک میلا کچیلا زرد لبادہ پہنے ہوئے تھا اور جس کا سر جھاڑ جھنکاڑ نظر آتا تھا کوئی ایسی بات نہیں کی جس پر برائی جتانے کا گمان ہو۔ اس نے ترائسکی جیسے بڑے آدمی سے نیاز حاصل ہونے پر خوشی ظاہر کی اور ترائسکی نے اسے جو وعظ سنایا اُسے وہ ظاہری عجز و انکسار کے ساتھ سنا کیا۔ اس نے ترائسکی کا یہ خیال اور بھی پختہ کر دیا ہوگا کہ وہ بے وقوف اور نظر انداز کرنے کے قابل ہے۔ مگر حقیقت میں ستالن کو یہ خوف تھا کہ کہیں ترائسکی زارتسن میں اس کے قائم کردہ سارے نظام پر پانی نہ پھیر دے اور اس کا یہ اثر ہو کہ شہر دشمن کے ہاتھوں میں چلا جائے۔ ستالن بولا "وہ بڑی خوبی کے نوجوان ہیں کہیں آپ انھیں نکال باہر نہ کیجئے گا۔"

ترائسکی نے جواب دیا "جی ہاں، وہ آپ کے بڑی خوبی کے نوجوان تو انقلاب کا کھیل بکھیر کئے دے رہے ہیں۔ میں وہاں ایک ہی کام کرنے کے لئے جا رہا ہوں اور وہ یہ کہ زارتسن کا سوویت ریپبلک سے الحاق کر لوں"۔ ستالن مسکرا کے منہ بنا کے رہ گیا۔ یہ وقت نہیں تھا کہ وہ ترائسکی سے مجبت کرتا۔ مگر ستالن کے جواب کا وقت بھی آنے والا تھا۔ اس وقت تو اس کی سب سے بڑی چال یہ تھی کہ وہ کسی طرح لینن تک پہنچ جائے اور اس لئے ایک ایک قدم پھونک پھونک کے اٹھانا لازمی تھا۔

چھٹا باب

۱۹۱۸ء کے موسم خزاں میں جو حالات لینن کو پیش آئے بہت امید افزا نہ تھے فرانس اور انگلستان جرمنی سے زبردست معرکہ آرائی کے بہانے سے ایسے قدم اٹھا رہے تھے جو سرخ روس سے جنگ آزمائی کا پیش خیمہ تھے۔

صریح اعلان جنگ تو کوئی کیا نہیں گیا مگر شکی مزاج سیاسیین نے سیدھا سایہ بہانہ پکڑ لیا تھا کہ روس کے معاملوں میں مداخلت کرنا صرف جرمنی کے مقابلہ میں حفاظتی تدابیر کی غرض سے سمجھنا چاہیئے۔ خبر رسانی کا احتساب حقیقت میں تو اس غرض سے ہونا چاہیئے تھا کہ جرمنوں سے واقعات چھپائے جائیں مگر اس پردہ میں روسی انقلاب کی داستان کو فرانس اور انگلستان کے مزدور طبقہ سے چھپانے کے لئے اس سنسرشپ کو کارآمد ذریعہ بنا لیا گیا تھا

فرانس اور انگلستان کھلے بندوں کیرنسکی کی اعانت کے لئے

میدان میں اتر آئے یا یوں کہئے کہ کم سے کم وہ ایک ایسی مغربی ڈھانچہ کی آئینی حکومت چاہتے تھے جو ان دنوں ملکوں کے تجارتی اور مالی مفاد کی حفاظت کر سکے۔ مختصر الفاظ میں وہ زاریت یا روس کے لئے نہیں بلکہ اپنے قرضے کی کفالتوں اور تیل کے لئے لڑ رہے تھے۔ اس مداخلت کا سیاسی پہلو حامیان زار کے لئے تو صرف ایک ناگوار واقعہ تھا مگر بولشویکوں کے حق میں تو یہ سخت خطرناک تھا۔ اگر عارضی صلح نہ ہو گئی ہوتی تو یہ مداخلت اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوتی،

تمام مشرقی محاذ پر آسٹریا کی چیک اور سلوواک فوجوں نے بغیر ہاتھ ہلائے ہتھیار ڈال دیئے۔ اور ان سلاووں کی پلٹنیں کی پلٹنیں جن میں روسیوں یا کسی اور سے لڑنے کی جرات نہ تھی گاتی بجاتی بڑھیں اور روسی فوجوں سے جا ملیں انھیں باقی اور جرمن قیدیوں کے ساتھ سائبیریا بھیجدیا گیا۔ جب بالشویکوں نے جرمنی سے صلح کر لی تو یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ کہیں انھیں جرمن قیدیوں کے ساتھ واپس نہ بھیج دیا جائے اور پھر کہیں آسٹریا کی فوجوں میں شریک نہ کر دیا جائے اور یا پھر غداری کے جرم میں گولی سے اڑا دیئے جائیں، قدرتی طور پر ان حالات کے ہوتے ہوئے وہ گھر واپس جانے کے لئے ایسے بے چین نظر نہ آتے تھے۔

برسٹ لیتوفسک کی صلح کے بعد مازاریک کے اثر سے جو مئی ۱۹۱۷ء سے اپریل ۱۹۱۸ء تک روس میں رہا، چیک قوم کی ان پلٹنوں میں جن کے ایک حصہ کو کیرنسکی نے بھرتی کیا تھا بہت بڑا اضافہ ہو گیا۔ وہ یورال (کوہ یورال) فلادی وسٹک تک ٹرینوں میں بھر بھر کر پہنچائے گئے مئی ۱۹۱۸ء میں بولشویکوں نے ان میں سے ان سے جو سرخوں کے ہاتھ گرفتار

ہو جانے سے خوفزدہ تھے ہتھیار دھروا لئے۔ مگر ان سے سابق روسی فوج کے افسر جا ملے۔ بجائے اس کے کہ یہ عارضی فوجیں یورپ کے مغربی محاذ پر لڑنے کے لئے بھیجی جاتیں انھوں نے ظاہراً طور پر بولشویکوں کی مخالفت کا چولا پہن لیا۔ اور اس طرح سفید روسیوں کو امیدیں سائبیریا میں پیدا ہوئیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک سفید روسی فوج آسمان سے اتر آئی۔ اور والنٹیروں کے دستوں اور ننکے ہوئے افسروں نے سائبیریا کے شہروں یعنی اومسک ارکتسک اور چیلیابنسک پر جو یورال کی سرحد پر واقع تھے قبضہ کر لیا۔ لال جھنڈے کو اتار پھینکا۔ کمساروں کو مار بھگایا اور تمام اسلحہ اور گولہ بارود پر نیز قدرتی طور پر اس تمام سونے پر جو ان کے ہاتھ پڑ گیا قبضہ کر لیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ چیکوں نے قریب قریب تمام شاہی گولڈ ریزرو یعنی وہ سونا جو فوجوں اور کفالتوں کا پوت پورا کرنے کے لئے محفوظ رکھا ہوا تھا ہتھیا لیا۔ باقی رہی لڑائی تو اس سے انھیں کیا سروکار تھا۔

چیکوں کی لیجنوں یعنی عارضی فوجوں نے مغرب کا رخ کیا اور ہر شہر میں بغیر ایک گولی چلائے وہ اس طرح داخل ہوئے کہ گویا پریڈ کر رہے ہیں۔ اگست سے پہلے پہلے انھوں نے کازان تک جو دریائے فالگا تک ایک بڑا شہر ہے لے لیا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ستاکن کو واپس بلا لیا گیا تھا اور ترتسکی نے زارتسن کا بچاؤ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ قفقاز کے سفیدوں اور دون کی اس واقعہ سے بڑی ہمت افزائی ہوئی کہ تمام سائبیریا کا بولشویکوں سے چھٹکارا ہو گیا۔ انھوں نے جنوب کی سرخ فوجوں پر ایک نئے جوش کے ساتھ حملہ کیا اور ان کاشتکاروں نے جو دل برداشتہ تھے اور روز غلہ

دیتے دیتے تنگ آ گئے تھے ان کی مدد کی اور اب یہ فوج مرکز کی طرف بڑھنے لگی۔

جب ستالن زارتسن کی حالات کی داستان لینن کو سنا چکا تو اس نے درخواست کی کہ اُسے جنوبی محاذ پر امداد کے لئے بھیجدیا جائے۔ وہاں اس وقت حالات بہت ہی خطرناک صورت اختیار کر چکے تھے۔ ترآتسکی اسے کسی قیمت پر بھی جنگی سٹاف میں لینے کے لئے تیار نہ تھا مگر لینن ستالن کے کارنامہ سے متاثر ہو چکا تھا اور جب ستالن نے یہ کہا کہ "میں قطعی اس کے لئے تیار ہوں کہ ترآتسکی کی ہدایات پر چلوں صرف شرط یہ ہے کہ مجھے یہ موقع دیا جائے کہ جو کام میں کر آیا ہوں اسے جاری رکھوں" تو لینن اس کے اس بناوٹی انکسار کی تہ کو نہ پہنچ سکا۔

لینن کا یہ ایمان تھا کہ یکانگت سے کام کرنا چاہئے اور اس وجہ سے وہ آپس کے جھگڑوں کو نہیں ابھرنے دیتا تھا۔ ستالن نے جو کچھ زارتسن کے بارے میں کہا تھا اس نے ترآتسکی کو کم و بیش سب بذریعہ خط لکھ دیا اور اس میں یہ بیان بھی شریک کر دیا کہ صیغۂ جنگ نے گولہ بارود بھیجنے میں جو کفایت شعاری برتی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر ہاتھ سے جاتے جاتے رہ گیا۔ اور آخر میں اس نے یہ صاف ہی لکھ دیا کہ ترآتسکی کو ستالن کے خیالات کے لئے گنجائش نکالنی چاہئے اور اس کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہئے۔ خط کا مضمون ایسے الفاظ میں لکھا گیا تھا کہ ترآتسکی کے لئے اڑ جانا دشوار ہو گیا تھا۔ یہ کہنا چاہئے کہ ترآتسکی نے لینن کی بات مان لی اور ڈھیل ڈال دی اور ستالن کو جنوبی محاذ کے جنگی سٹاف میں شرکت کا موقع دے دیا۔ اگر ترآتسکی کا عقیدہ یہ تھا کہ زار کی فوج کے سابق افسران کی بجائے

نوجوان اشتراکیوں کا فوجی کاروبار چلانا سم قاتل ہے تو اس کی یہ رائے غلط تھی۔

بہرکیف اُس نے سٹالن کے زارتسن کے سورماؤں کو الگ کرنا شروع کر دیا، دسمبر میں اس نے لینن سے مطالبہ کیا کہ دوروشلوف کو برطرف کیا جائے کیونکہ وہ دوروشلوف کو ساتھ رکھ کر کام نہیں چلا سکتا اور وروشلوف کے ساتھ ہی بقیہ سٹاف بھی برطرف کر دیا گیا اور کمانڈر سمیت ترتسکی نے اپنی مرضی کے مطابق نیا سٹاف چن لیا۔

وروشلوف اور سب جو نکالے گئے تھے شہر خارکوف میں سٹالن سے جا ملے اور یہ بات گرجی کے دل کی ہوئی۔ مگر جنوب میں حالات مخدوش تھے۔ وہاں ترتسکی کی فوج بالکل نالائق تھی۔ سٹالن وہاں مقابلہ اور مقاومت کا انتظام کرنے کے لئے بہت دیر سے پہنچا۔ ان زمینوں کے علاقے کے علاقے جہاں غلہ پیدا ہوتا تھا اور غلہ کے ذخیرے سفیدوں کے ہاتھ پڑ چکے تھے اور جنرل رینگل زارتسن لے چکا تھا گویا یہ باب ہی ختم ہو چکا تھا

ترتسکی اس پر تلا ہوا تھا کہ جنوبی محاذ کی سرتاسر ناکامی کی تمام تر ذمہ داری سٹالن کے سر ڈالے۔ اُس نے لینن سے مطالبہ کیا کہ سٹالن اور وروشلوف کو فوج سے قطعی طور پر علیحدہ کر دیا جائے۔ اس نے لکھا کہ زارتسن والی فوجی تحریک (یعنی سابقہ افسروں کی بجائے نوجوان بولشویکوں کا فوجی افسر بنانا) جس کا سٹالن حامی ہے ایک نہایت ہی خطرناک قسم کا غارضہ ہے سٹالن وروشلوف اینڈ کمپنی کا منشا یہ ہے کہ ہم سب پر تباہی آئے" لینن نے جو ہمیشہ معاملات کو سلجھانے کا خواہشمند رہا کرتا تھا تار دیا۔ اس معاملے میں ہمیں سمجھوتے کی راہ نکالنی چاہیئے" مگر ترتسکی اڑ گیا اور اگر سٹالن پہلے ہی

چلنا نہ بنتا تو غالباً جیسے اسے زارتسن سے واپس بلالیا تھا لینن پھر اسے جنوبی محاذ سے بھی واپس بلالیتا۔ غالباً ستالن نے سوچا ہوگا کہ یہ جنوب کا گڑبڑ جھالا اب میرے قبضہ سے باہر ہے اور اس لئے وہ کول چاک اور سائبیریا کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے مشرقی محاذ پر جا پہنچا۔

عارضی طور پر ورشلوف کا نام مٹ گیا۔ مگر غالباً ترائسکی کا اندازہ اس کے متعلق صحیح تھا۔ یعنی یہ کہ ورشلوف میں بھیڑ کی لیڈری کرنے کا تو مادہ تھا مگر اس میں بڑے پیمانے کے فوجی معرکوں کی باگ ڈور سنبھالنے کی اہلیت نہ تھی۔ ابھی تو وہ چھوٹے موٹے چھاپے مارنے کی ترکیبیں سیکھ رہا تھا ہاں ستالن کا وہ جگری دوست بن چکا تھا اور بالآخر ستالن نے اسے فوج اور جنگی محکمہ کا افسر اعلیٰ بنایا غالباً وہ دنیا میں سب سے زیادہ جاہل وزیر جنگ تھا جو کبھی کسی عظیم الشان سلطنت کو نصیب ہوا ہو۔ مگر جیفسکی اور بلوکر جیسے قابل رفقاء کار اسے میسر آئے۔ دراصل جنگ کا سارا کاروبار تو ان کے ہاتھ میں تھا اور یہ صرف نام کا عہدہ دار تھا۔

ساتواں باب

ترائسکی کو مطمئن کرنے کے لئے لینن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ ستالن کو مشرقی محاذ پر فوج میں شراب خوری بڑھ جانے کے مسئلے کی تحقیقات کرنے کے لئے بھیجا جائے۔ کول چاک کی فوج نے پوربی روس پر حملہ کر کے شہر پرم پر قبضہ کر لیا تھا۔ تیسری فوج اٹھارہ ہزار آدمی کٹوا کے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلی تھی اور کثیر تعداد میں توپیں، مشین گنیں، سٹور، رسد کا سامان، گولہ بارود اور فولادی گاڑیاں چھوڑ گئے تھے، ترائسکی کے منظور نظر سابق افسران سب کے سب یک لخت دشمن سے جا ملے جن کے وہ دل سے ساتھی تھے۔ ستالن کا مشن یہ تھا کہ وہ یہ دریافت کرے کہ پرم کی شکست کے صحیح اسباب کیا تھے۔ نیز یہ کہ فوجی معرکوں کے لئے ایک نئے مستقر کا از سر نو اہتمام کرے۔ لینن نے ترائسکی کو تار دیا "ہمارے پاس پرم سے فوجی مراسلات پہنچے ہیں جن میں فوجوں میں شراب خوری اور شکستہ دلی کی خبریں ہیں، میں ستالن کو بھیجنے کی تجویز کر رہا ہوں کیونکہ

مجھے خوف ہے سمگا کافی سختی سے کام نہیں لے سکے گا" اس سے ترائسکی نے اتفاق کیا۔

اس کے بعد سوویت کی مرکزی کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ زرزنسکی اور سٹالن دونوں کو بھیجا جائے تاکہ وہ پرم کی شکست کے اسباب کو دقتِ نظر سے جانچیں اور اس کے ساتھ ہی تازہ ترین یورال کے محاذ کی شکستوں کے اسباب کو بھی اور سیاسی اور فوجی نظم دوبارہ قائم کرنے کے لئے ہر قسم کے مناسب ذرائع اختیار کریں۔

اور اس طرح اگرچہ بظاہر تو وہ دودکا یعنی روسی شراب کی دکانیں بند کرانے اور نظم کو بحال کرنے کے لئے روانہ ہو رہا تھا مگر حقیقت میں وہ اس لئے جا رہا تھا کہ وہ اس موقعہ پر بھی سوویت کی وہی خدمت انجام دے جو پچھلے سال زارتسن جا کر اس نے انجام دی تھی۔ ۵ رجنوری ۱۹۱۹ء کو اس نے لینن کو مندرجہ ذیل تار دیا:-

"تحقیقات جاری ہے اور ہم امید کرتے ہیں کہ تفتیش کی رفتار سے آپ کو اطلاع دی جاتی رہے گی۔ فی الفور تو ایک نہایت اہم مسئلہ درپیش ہے۔ تیسری فوج کے تیس ہزار آدمیوں میں سے گیارہ ہزار آدمی باقی ہیں اور ان میں اتنی سکت نہیں معلوم ہوتی کہ وہ دشمن کے حملوں کا مقابلہ کر سکیں۔ ترائسکی نے جو کمکیں بھیجی تھیں وہ ناقابل اعتماد نکلیں جو رنگروٹ ہمیں بھیجے گئے تھے ان میں سے بعض مغویانہ خیالات رکھتے ہیں، اگر ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ویادکا کو جو اس وقت سخت خطرے میں پڑا ہوا ہے بچائیں تو ہمیں

قطعی طور پر قابل اعتماد تین رجمنٹیں فوراً بھیجنی چاہئیں۔
ہم آپ سے استدعا کرتے ہیں کہ آپ حکام متعلقہ پر
فوری زور ڈالیں گے ورنہ جو پرم کا حشر ہوا وہی دیاد کا
پر بھی بیتے گی، تمام رفقا کی یہاں یہ متفقہ رائے ہے
اور تمام ان اطلاعات کو پیش نظر رکھ کر جو حاصل ہوئی
ہیں ہم بھی اس سے اتفاق کرتے ہیں۔"

جنوری ۱۹۱۹ء دیاد کا دستخط شدہ ستالن زرزنسکی

فوج میں دوبارہ جان ڈالنے کے کام کو ستالن خوب سمجھ چکا تھا اور پولینڈ کا باشندہ زرزنسکی جس میں روسی نسل سے خوفناک نفرت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ایذارسانی اور احتساب کے دلچسپ شغل میں انہماک سے مصروف ہوگیا۔ دیادکا کی مقامی چیکاس کسٹر آدمیوں کو بھرتی کیا گیا اور دیادکا میں جو جو رفقا مشتبہ تھے انھیں پھرتی سے ٹھکانے لگا دیا گیا۔

تار کے جواب میں بارہ سو چھٹے ہوئے سپاہی اور رسالے کے دو دستے ویاٹکا فوراً بھیجے گئے اور ایک اور رجمنٹ بھی جس کے سیاسی عقائد کی پختگی کی تصدیق کی جاچکی تھی مہینہ ختم نہیں ہونے پایا کہ پہنچ گئی۔ یہ کمکیں تھیں تو کم مگر شہر کے بچاؤ کے لئے کافی ثابت ہوئیں سفید روسیوں میں بس اتنا ہی دم تھا کہ ان کا ذرا ڈٹ کر مقابلہ کر لیا جائے اور یہ ثابت کر دیا جائے کہ لڑنے بھڑنے کا ان میں دم خم باقی نہیں ہے۔

نومبر ۱۹۱۸ء کی عارضی صلح کے وقت سے چیک قوم کے سپاہیوں نے روسیوں اور اتحادیوں کے مشنوں کی سائبیریا میں برائے نام امداد

کی تھی۔ اب جنگ ختم ہو جانے اور یہ اطمینان ہو جانے کے بعد کہ جرمنوں کی طرف سے لڑنے کا موقع باقی نہیں رہا وہ اپنے گھروں کو جانے کے لئے بیتاب تھے، مزید براں ان کی قوم کی ایک نئی ریپبلک چیکوسلوواکیہ بن گئی تھی اس لئے یہ قدرتی امر تھا کہ ان کا دل اس سائبیریہ کی غیروں کی لڑائی سے اچٹ جائے۔ کول چاک خود تو بڑا شریف اور وضعدار آدمی تھا مگر اُن لوگوں نے جو اس کی مدد کر رہے تھے ان کے کام میں رخنے ڈالے جس طرح چیکوں نے جو سائبیریا میں دغا دی تھی اسے روسیوں نے کبھی معاف نہیں کیا۔ ان کی سہل انگاری اور دغابازی نے کول چاک کو ایسا کمزور کیا کہ ختم ہی کر دیا۔

صرف یہی نہیں کہ سفیدوں کے حملہ کو ویادکا کے باہر روک دیا گیا بلکہ مشرق کی طرف سرخ فوج نے کامیابی کے ساتھ پنکھ پھیلانا شروع کئے اور شہر اور اسک کو واپس لے لیا۔ جس مہینہ ستالن مشرقی محاذ پر پہنچا حالات بہتر ہونے شروع ہو گئے۔ سفیدے سرخوں سے کہیں زیادہ تھے اور جنوری ۱۹۱۹ء میں بلاشبہ پوربی روس میں دور تک گھس کر بدامنی اور بغاوت پھیلا سکتے تھے مگر انھوں نے اپنی شگون کی گھڑی کو کھو دیا۔ چیک کمانڈر پرم میں فاتحانہ تعطل کے عالم میں بیٹھا یہ خواب دیکھتا رہا کہ کب برطانوی فوجیں آرچنگل سے آئیں اور وہ ان سے مل جائے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اس کا منشا یہ تھا کہ وہ اس وقت آگے بڑھے جب سرخ فوج اس کے مقابلہ میں برف کی طرح پگھل چکی ہو۔ مگر وہ بھلا کہاں پگھلنے والی تھی وہاں تو ستالن کی آہنی شخصیت موجود تھی اور وہ بھلا کب ایسا ہونے دیتا

اس میدان میں فلیکس زرزنسکی نے بھی حق ادا کیا۔ دیادکا کی نئی چیکا نے اپنا دست عمل دراز کیا اور اشتراکیوں کے محتسبوں نے یورال کی سرحدوں تک جھاڑو پھیر دی۔ دہشت انگیزی نے چہ میگوئیاں کرنے والی آبادی کی سٹی گم کر دی، پول ظالم تھا، نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اس پر جنوں کا عالم طاری تھا یہ بات مسلم ہے کہ ظلم اور نیکی ساتھ نہیں رہ سکتے۔ مگر روسی انقلاب سے یہ بات ثابت نہیں ہوئی، جس نے زیادہ ظلم کیا اس کی جیت ہوئی۔ اس کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ سلاو قوم ظلم سہنے کی عادی ہے۔ دوسروں کی تکلیف کا انھیں ذہنی احساس تو ہے مگر وہ جسمانی تکالیف سے عملی ہمدردی کرنی نہیں جانتے۔ روسی دوسروں کی تکلیف کا ذکر سن کر خدا سے پناہ مانگنے لگتا ہے۔ مگر وہ ہتھیار نہیں سنبھالتا مورخ تاکیش نے ایک تعزیری فوج کشی کے جرنیل کی نسبت کہا تھا کہ اس نے ایک صحرا بنا کے اس کا نام قیام امن رکھا۔ روس میں کئی مرتبہ یہ کیفیت ہوئی ہے۔ روس کے سلسلہ میں یہ ایک قابل افسوس امر ہے کہ وہاں ظلم کرنے والے پھلے پھولے۔ زرزنسکی نے موسکو کی مرکزی حکومت کے لئے جو کام کیا وہ تشفی بخش تھا اور وہ اس سرخ یادگار کا مستحق ہے جو اس کے لئے مخصوص ہے

ستالن نے دیادکا میں اس پول کی خونخواری میں تو حصہ نہیں لیا مگر اس سے دوستی گانٹھ لی۔ اگر عامیانہ فقرہ استعمال کیا جائے تو ان دونوں کی دوستی ایسی گہری تھی جیسے چوروں کا گٹھ جوڑ۔ ان کا معاملہ اشتراک عمل اور معاونت ہی کی حد تک نہیں تھا۔ ستالن سائبیریا کے محاذ کی صفائی پر تلا ہوا تھا اور زرزنسکی اس کے احکام کی تعمیل کو حاضر تھا مگر معاملہ کا ایک اور پہلو بھی تھا جس طرح ستالن نے لینن کے ساتھ رہ کر سبق حاصل کیا تھا وہ

یہاں بھی وہ باتیں سیکھ رہا تھا جو اس کے سیاسی کارنامۂ زندگی کو ترتی دینے میں مدد دیتی (وہ یہاں یہ سیکھ رہا تھا کہ) اگر بدعتی اور مشکوک عناصر کو مضبوطی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جائے تو ایک محاذ، ایک عوام کا گروہ اور پوری آبادی مکمل وہ اپنے ہاتھ میں لا سکتا تھا اسی طرح آگے چل کر وہ کمیونسٹ پارٹی کو بھی موسکو میں چھاننے والا تھا جس طرح اس نے ویاد کا میں چھنائی کی تھی۔ نیز قوت حاصل کرنے کی کشمکش کے لیے اس نے زرزنسکی کو رفیق بنائے رکھا چونکہ زرزنسکی پول تھا وہ قدرتی طور پر روسیوں سے نفرت کرتا تھا۔ یہودیوں کے لئے بھی اس کے دل میں کوئی جگہ نہ تھی ایک تو گرجی کی دوستی اسے ناگوار نہ تھی اور دوسرے وہ یہ محسوس کرتا تھا کہ ستالن کی طبیعت میں وہی تعصبات کام کرتے ہوں گے جو اس کی طبیعت میں تھے۔ مگر ستالن کی نسبت اس کا قیاس غلط تھا کیونکہ ستالن کے دل میں نسلی تعصبات نہیں ہیں۔ بس اس میں یہ ہوشیاری ضرور ہے کہ جب مطلب نکلتا ہوا نظر آتا ہے تو وہ ایسا بن جاتا ہے کہ گویا وہ بھی اسی کا خیال ہے کہ جو دوسرا چاہتا ہے

ستالن اور زرزنسکی ایک معاملہ میں ایک سے تھے یعنی دونوں جنگجو کمیونسٹ تھے۔ لینن ان جیسا خونخوار نہ تھا۔ لینن نے برطانوی سیاست کی ترکیبوں اور طریقوں کا مطالعہ بھی کیا تھا اور وہ ان کا مداح بھی تھا۔ وہ مفاہمت کر لینے کا بھی قائل تھا اور "نفاق ڈالو اور حکومت کرو" کا بھی۔ اگر ستالن کا بس چلتا تو وہ انقلابی اصولوں میں اتنی آمیزش روا نہ رکھتا جتنی لینن نے نئی اقتصادی پالیسی" جاری کر کے روا رکھی تھی۔ غارتگری اور کاٹ پھینکنے کا غیر مہذب جذبہ اس کی فطرت میں داخل ہے اس کا

قول ہے کہ "جو انقلاب کے راستے میں حائل ہو اسے گولی کا شکار بناؤ" زرزنسکی اس سے متفق تھا مگر وہ اتنا اور اضافہ کرتا تھا کہ قیدیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ زرزنسکی مجسم دہشت انگیزی تھا اور قلمرو بھر میں وہی ایک شخص تھا جس کے نام سے لوگ تھراتے تھے۔

ستالن کو اس کی دوستی سے یہ فائدہ اور پہنچا کہ اس کے راستہ میں حائل ہونا خطرناک ہو گیا۔ اور وہ یوں کہ زرزنسکی کی دوستی کی وجہ سے ستالن کی چیکا میں بات چلتی تھی اور وہ جس سے چاہے باز پرس کرا سکتا تھا اس نے ترائسکی کو ستالن کے مقابلہ میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا ستالن اس کی طرف سے بے فکر تھا اس وجہ سے اور بھی کہ وزیر جنگ ہونے کی حیثیت سے ترائسکی کوئی نام نہیں پیدا کر رہا تھا۔

۱۹۱۹ء کے موسم بہار و گرما میں سوویت ریپبلک پریشانی میں مبتلا تھی، سائبیریا پر جرنیل کول چاک کا قبضہ تھا، جنوب سے جرنیل ڈینکین بڑھ رہا تھا، برطانوی جہاز خلیج فن لینڈ میں کھڑے تھے اور ایک مخلوط فوج جس میں روسی، استھونیا کے رہنے والے اور انگریز شامل تھے۔ جرنیل یودینچ کی کمان میں پیتروگراد کے قریب پہنچ چکی تھی، اور خوف تھا کہ برف کے پگھلنے کے زمانہ میں انگریز اپنے مستقر سے جو آرچنگل میں تھا آگے بڑھیں گے۔

ترائسکی ایسی سخت تقریریں کر رہا تھا جن سے صاف پایا جاتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہے، سوویت کے لیڈروں کو شکست، گرفتاری اور موت سر پر کھیلتی نظر آتی تھی، مگر لینن پرسکون رہا۔ اس نے ترائسکی کی طرح اداکارانہ ڈھنگ اختیار نہیں کیا بلکہ ستالن کو طلب کر کے خطرے

کے سب سے بڑے مقام یعنی پیتروگراد کے حالات درست کئے۔
ستالن نے زارتسن اور ویاتکا میں جو کچھ کر کے دکھایا تھا اس سے کرونشتات اور پیتروگراد میں دہرانے کی اس سے درخواست کی گئی وہاں فوج بگڑی ہوئی تھی، بغاوت تھی، سپاہی فوج چھوڑ کر بھاگ رہے تھے اور سخت خوفزدگی چھائی ہوئی تھی، پلٹنوں کی پلٹنیں سفیدوں سے جا کے مل رہی تھیں اور کرونشتات کے دو قلعوں کی فوجوں نے تو سرخوں پر آگ برسانی شروع کر دی تھی۔
ایک مرتبہ پھر ستالن سخت ترین خطرے سے دوچار ہوا ایک طرف تو پیتروگراد میں مخالفین انقلاب کی سازش پک چکی تھی اور دوسری طرف سے سفید فوج کی یلغار تھی، اس دفعہ ستالن کے ساتھ زرزنسکی نہیں تھا بلکہ ایک اور سنگدل اور بدنام شخص پیٹرز اس کے ہمراہ تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اصل میں یہ وہی شخص تھا جو لندن میں "پیٹر نقاش" کے نام سے مشہور ہو گیا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر قومی افواج سے معاملہ کرے گا، آدھے سے زیادہ آبادی چپکے چپکے اپنے سرخ جھنڈوں کو آگ کے نذر کر رہی تھی اور یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ ایک صبح شاداں آئے اور وہ روس کا پرانا جھنڈا جس پر عقاب کا جوڑا بنا ہوا ہے نکال کے ٹانگ دیں وہ لوگ جو امیروں کے عالیشان مکانوں اور عشرت کدوں میں جا کے بسنے لگے تھے۔ رات ہی رات میں چوکی دار ہونے کا دم بھرنے لگے۔
جن کے دلوں میں جذبۂ انتقام تھا انھوں نے اپنے ہمسایوں کی گردن زدنی کے لئے فہرستیں بنا ڈالیں، اوروں نے چھپ چھپ کے شہر کے باہر مسروقہ سونے کو دبانے کے لئے گڑھے کھودے۔ بظاہر کسی کے خیال

میں یہ بات نہ تھی کہ جنرل یودینچ کی پیش قدمی کو روکا جا سکے گا مگر یودینچ کے مشوروں میں ایک مستقل کا تقدیری توقف اور تامل کام کر رہا تھا۔ نہ خود اس میں فن سپاہ گری کی قابلیت تھی اور نہ اس کی فوج بھروسہ کی تھی۔ اس نے دشمن کو سانس لینے کا موقع دیا کہ وہ اپنے انتظامات مکمل کرلے، ستاکن نے فوراً ایک نئی سرخ فوج کو معرکہ آرائی کے لئے تیار کیا جس میں پوتی لوف کے کارخانوں اور دیگر تمام کارخانوں کے مزدور اور وہ تمام نوجوان کمیونسٹ جنھیں اس نے زیادہ بھروسہ کا پایا شریک تھے۔ یہ فوج اِدھر اُدھر کے عناصر جمع کرکے بنائی گئی تھی۔

جنرل کارسنوف نے مندرجہ ذیل الفاظ میں ان کا نقشہ کھینچا ہے

"رنگ زرد، منہ بنا ہوا، چہرے اترے ہوئے جیسے بھوک کے ماروں کے، چھاتی تنگ، دیکھنے میں بھدے، لمبی پتلونیں اور پرانے بوٹ پہنے ہوئے جن میں سستی کے تسمے۔ تھیلے اور کارتوس رسیوں سے جکڑے ہوئے پیٹھوں پر پڑے ہوئے۔ آسٹریا کی بنی ہوئی رائفلیں کندھوں پر جن کی نالیں ہر قسم کے زاویئے بناتی تھیں،

یہ فوج تھی جو ایک مایوس کرنے والی بھیڑ کی طرح سگرٹ پیتی ہوئی بازاروں میں لڑھکتی پڑتی چلی جا رہی تھی یہ بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ سپاہی ہیں یہ وہ تندرست روسی پلٹنیں نہیں تھیں جنھیں ہم سب جانتے ہیں بلکہ ان میں سے خراب تمباکو اور پسینہ کی بدبو آرہی تھی۔

اور یہی مسلح بھیڑ تھی جس کے ساتھ ساتھ آرمرڈ کاریں تھیں جس نے پیٹرا عظم کے شہر سے باہر نکل کے سفیدوں کے دلوں میں ایسا ڈر بٹھایا کہ انھیں خدا یاد دلا دیا۔ اب اس میں ایک آرمرڈ ٹرین اور

بڑھا دیجئے جو زار سکوسیلو کی طرف خراماں خراماں گولہ باری کرتی ہوئی چلی جا رہی تھی۔

سفید فوج نظم درست کرنے اور برطانیہ اعظم سے کمک کا انتظار کرنے کے لئے پیچھے ہٹ گئی، کرونشتات کے قلعوں پر سرخوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا اور سٹالن اس قابل ہو گیا کہ لینن کو تار دے کہ "دشمنوں کے جہازوں نے ہماری طرف توجہ نہیں کی کیونکہ ظاہر ہے کہ قلعوں کے دوبارہ مسخر ہو جانے سے وہ خوف زدہ ہیں۔ فوج سے بھاگے ہوئے سپاہی ہزاروں کی تعداد میں ہمارے پاس واپس آ رہے ہیں۔ سفید رو بہ فرار ہیں"

چونکہ یودینچ موسم بہار میں شہر پر قبضہ کرنے میں ناکامیاب رہا موسم گرما میں چیکا کو انتقام لینے کا موقع ملا اور ان لوگوں کی طرف جو آگا پیچھا دیکھے بغیر انقلاب کے خلاف اظہار خیال کر بیٹھے تھے۔ پیٹرو گراد کا خون آلود ہاتھ بڑھنے لگا۔ آگے چل کر پیٹروگراد کا نام لینن گراد رکھ دیا گیا۔ جس سے ایک قسم کی توہین ٹپکتی تھی۔ چیکا کی ان کوششوں کے باوجود کہ شہر کو مخالفین سے پاک کر دیا جائے۔ پیٹروگراد باغیانہ خیالات سے پاک نہیں ہوا، جب یودینچ موسم خزاں میں پھر حملہ کرنے کے لئے بڑھا۔ اس وقت بھی شہر کا مزاج باغیانہ تھا، سٹالن کو وہاں کبھی ہر دلعزیزی حاصل نہیں ہوئی اور اگر تراتسکی اور زنوویف میں جرات اور یہ اہلیت ہوتی کہ موقع سے فائدہ اٹھائیں تو یہ شہر ان کی سرکردگی میں ایک نئی انقلابی تحریک کا مرکز بن جاتا ہمیشہ ایک لینن گراد کی تحریک رہی ہے اور آخر میں زنوویف کو اسی وجہ سے گولی ماری گئی کہ وہ اس ساتھی راجدھانی کی باغیانہ آبادی کا لیڈر بن سکنے کی اہلیت رکھتا تھا

آٹھواں باب

ستالن کو تو جنوبی محاذ پر لگا دیا گیا جو سوویت ریپبلک کے لئے نہایت ہی خطرناک ہو چلا تھا۔ جنرل ڈینکن شہر کرسک اور اوریل لے چکا تھا، طولا خطرہ میں تھا اور موسکو کے آس پاس کا مرکزی زرعی حصہ کوسکوں کے گروہوں کی تگ و تاز کا میدان بنا ہوا تھا۔ قدم اٹھانا نہ اٹھانا سفیدوں پر منحصر تھا، معلوم ایسا ہوتا تھا کہ گھبرائے ہوئے بولشویک جنگ کی اس وسیع سرزمین پر کہیں بھی بچاؤ کی مورچہ بندی کرنے کے قابل نہ تھے۔ بہ ایں ہمہ ڈینکن کی فوجیں حد سے زیادہ پھیل چکی تھیں کئی ایک بڑھے ہوئے دستے از خود جو چاہتے تھے کر بیٹھتے تھے اور کمانڈر اور ان کے درمیان جیسا مسلسل رشتہ ہونا چاہیئے نہ تھا بجائے لڑنے کے وہ لوٹنے میں زیادہ سرگرمی دکھا رہے تھے۔ اگر ترانسکی کے پاس جمعیت کافی ہوتی تو اس کی یہ تجویز کہ جنوب میں دریائے فالگا سے زارتسن کے قریب ہی سے ایک بازو پر حملہ کیا جائے۔

کامیاب ہوجاتی۔ نقص یہ تھا کہ جنرل دینکن نے پہلے ہی سے اس کا اندازہ کرلیا تھا اور وہ متوقع تھا اور یہ بات خیال میں آسکتی تھی (کہ اگر یہ حملہ ہوتا) تو اس کا مقابلہ جنرل رینگل کی سفید فوج کا بڑا حصہ کرتا جس میں بڑے ہوشیار سپاہی موجود تھے۔ ستالن ترائسکی کے اس نقشۂ جنگ کو کسی حالت میں بھی درست نہیں سمجھتا تھا۔

ستالن کے بڑھے ہوئے اقتدار اور ذاتی اہمیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انقلابی کونسل کی اس دعوت کو منظور کرلینے سے پہلے کہ وہ جنوبی محاذ پر جائے اس نے یہ شرط کرلی کہ ترائسکی کو مطلق اس امر کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ اس مہم میں وہاں کوئی مداخلت کرے اس نے یہ بھی اجازت لے لی کہ وہ چاہے تو ترائسکی کے چنے ہوئے افسروں کو نکال کر ان کی جگہ اپنے منتخب کئے ہوئے آدمی مقرر کردے دور انقلاب میں ترائسکی کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسے منھ کی کھانی پڑی اور وہ بھی ستالن کے ہاتھ سے،

سوویت نے ستالن کو سیاہ و سفید کا پورا اختیار دے دیا تھا۔ ترائسکی کے نقشۂ مہم کو رد کر دیا گیا۔ ستالن نے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے مگر اس کا پورا خیال رکھا کہ لینن سے تار کے ذریعہ ذاتی سلسلہ قائم رہے اور وہ اسے مجوزہ تبدیلیوں اور اپنے نقشۂ عمل سے مطلع کرتا رہے۔ ترائسکی اس خیال پر جما ہوا تھا کہ صحرا کے راستہ سے حملہ کیا جائے ستالن نے اس کی نسبت بڑی حقارت کا اظہار کیا اور اسے حماقت اور ضد سے تعبیر کیا ..... "یہ بھیڑ اکتا نقشۂ رجنگ کیا جانے" کوسکوں کے ملک میں سے گزرنے کا ایک ہی نتیجہ ہو سکتا تھا

کہ اس سے تمام کوسکوں کی آبادی آگ بگولہ ہو جاتی

جو نیا نقشہ جنگ بنایا گیا اس میں یہ تجویز تھی کہ خارکوف کو منزل مقصود قرار دے کر مرکز روس کو چک کی طرف بڑھا جائے اور اس کے بعد دریائے دون پر شہر رستوف پر حملے کی دھمکی دی جائے۔ اس نے لینن کو لکھا کہ "یہاں ہم لوگ بجائے دشمنوں کی آبادی میں اپنے آپ کو پانے کے دوستوں سے گھرے ہوئے ہوں گے اور اس سے ہمیں آگے بڑھنے میں مدد ملے گی، ہمیں اس طرح ایک اہم ریلوے لائن پر بھی قبضہ مل جائے گا اور ہم شہر ورونیز اور شہر رستوف کے درمیان اس راستہ کو جس سے دنکن کی اشد ضروری رسد رسانی ہوتی ہے کاٹ دیں گے ہم کوسکوں کے پہلو سے نکل کر ان کو عقب سے خطرے میں ڈال دیں گے اگر اس طرح آگے بڑھنے میں ہم کامیاب ہو گئے تو یہ بہت اغلب ہے کہ وہ اپنے مرکز کو کوسکوں کی کمک سے مضبوط بنانا چاہیں جو اس صورت میں وہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوں گے اور ہمیں یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ یہ ضرور سفیدوں کے لئے مشکلات پیدا کرے گی۔ پھر ہمیں دریائے رومینس کی وادی سے کوئلہ پہنچنے لگے گا اور دنکن کوئلے سے محروم ہو جائے گا"

سٹالن کے سرکاری سیرت نویسوں کا قول ہے کہ اس نے لینن پر زور ڈالا کہ وہ اس کی اس حملہ کی تجویز کو ہی کامیابی کا ممکن ذریعہ سمجھ کر منظور کرے بلکہ اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر اس کی یہ تجویز نامنظور ہو گئی تو اس کا جنوبی محاذ پر روانہ صرف تضیع اوقات، فضول، مجرمانہ فعل بلکہ بالکل بے کار ہو گا اور اس صورت میں وہ وہاں ٹھہرنے پر جہنم کو

ترجیح دے گا۔

اس پر وروشلوف کی حاشیہ آرائی یہ تھی :۔

زارتسن سے نووورسک تک کا راستہ بڑا لمبا معلوم ہونے لگتا۔ چونکہ وہ جماعتی دشمنوں سے گھرا ہوا ہے۔

برعکس اس کے طولہ سے نووورسک راستہ کا فاصلہ تھوڑا ثابت ہوتا چونکہ وہ مزدور طبقہ کے شہر خارکوف اور دریائے دونت کی وادی کے کانوں کے علاقے میں سے گزرتا ہے۔ ستالن نے جو صحیح اندازہ لگا کر حملہ کا نقشہ تیار کیا وہ اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ اس میں ایک ایسے انقلاب کی رہبری کا مادہ جو مزدوروں کے طبقہ کی خاطر کیا جائے خصوصیت کے ساتھ موجود ہے اور خانہ جنگی کے زمانہ کا وہ اصلی معرکہ آرا ہے"

وروشلوف ستالن کی ہمیشہ جوتیاں چاٹتا تھا، یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ستالن کے سر سہرا باندھنے میں اسے استحقاق سے کچھ زیادہ دیا ہو مگر بہرکیف تجویز کامیاب رہی، ترانسکی نے پیتروگراد کا بچاؤ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا اور وہ بہت مصروف تھا مگر اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ جنوبی محاذ پر ترانسکی کی معرکہ آرائی اتنی بھی کامیاب ثابت نہ ہوتی جیسی بالآخر ستالن کی ہوئی ناکامیابی کا جرم تو دنیکن کے دماغ میں تھا جس میں یہ قابلیت نہ تھی کہ وہ ان بے شمار افواج کو جن سے وہ کام لے سکتا تھا قابو میں رکھتا۔

لینن نے ترانسکی کی ہدایات کو منسوخ کرنے کے حکم پر دستخط کر دئے اور مرکزی سوویت نے ستالن کو اپنی رائے کے مطابق

کام کرنے کا مشورہ دیا، کامیابی نے اس کی سوجھ بوجھ پر مہر ثبت کردی، پہلے ہی جان توڑ حملہ میں سفید فوج کے قلب کے سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور جدا جدا دستے جو لوٹ مار کر رہے تھے اور جو بہت پھیلے ہوئے تھے اس ڈر کے مارے کہ کہیں کٹ کر الگ نہ ہو جائیں اور تہ تیغ نہ کر دئے جائیں سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلے۔ اور اس سے خوفزدگی کی وبا تمام فوج میں پھیل گئی۔ اس پہلی فتح میں جو کچھ ہاتھ آیا اس میں صحیح سالم رائفلوں اور گولے بارود کا بہت بڑا ذخیرہ بھی تھا جس کی اہمیت کچھ کم نہ تھی۔ رسد کے ذخیرے نہ صرف فوج بلکہ ماسکو کی ضرورت کو بھی پورا کرتے تھے۔ بہت سے گھوڑے بھی ہاتھ آئے ستالن نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر اپنے اس من بھاتے خیال کی تکمیل کا موقع نکالا کہ ایک رسالہ مرتب کیا جائے، جس قسم کی جنگ انھیں لڑنی پڑ رہی تھی اس میں بغیر اپنے ایک اچھے اور جاندار رسالے کی مدد کے آگے نہیں چلایا جا سکتا تھا سرخ گوسکوں نے ڈینکن کی شکست میں بڑا حصہ لیا۔ سوویت روس میں بدیتی کا نام جوان کا کمانڈر تھا گھر گھر چھا جانے لگا اور بچوں کا تو وہ ہیرو بن گیا۔

ڈینکین سخت شکست کھا کے سمندر کی طرف بھاگ نکلا۔ سفیدوں کی جنوبی فوجی جمعیت جو بہت بڑی تھی برباد ہو گئی جو بچ کچھ رہے تھے ان سے جنرل رینگل کی جو کریمیہ میں بیٹھا ہوا تھا ٹوٹی پھوٹی چھوٹی سی فوج تیار ہوئی۔ مگر سوویت کی ریپبلک کو جو خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ جاتا رہا سائبیریا میں کولچاک کی فوج کا بھی قریب قریب یہی حشر ہوا اور بے درد چیکوں نے اسے ذبح کرنے کے لئے سرخ سپاہیوں کے حوالہ کر دیا۔

ترانسکی نے آرمرڈ کاروں کی امداد سے جنرل بودینچ کو بالکل ٹھکانے لگا دیا
مخالفین انقلاب کے کھیل کی آخری چال پولوں نے چلی۔ فرانس
اس کی پشت پر تھا، یہ ۱۹۲۰ء کے موسم گرما کا آخر زمانہ تھا اور اگرچہ
پولینڈ کی فوجوں کو کسی قدر کامیابی ہوئی بالآخر وہ بھی ناکامیاب رہے۔
جنرل رینگل سرخوں کی مشین گنوں کے بھرمار کی تاب نہ لا سکا، اور وہ
اپنے اسٹاف اور فوج کے اس حصہ کو جسے انگریز بچا سکے ساتھ لے کر
فرار ہوا اور قسطنطنیہ میں جا کر پناہ لی۔

بولشویزم کی فتوحات کی شان کو بڑھا چڑھا کر دکھایا جا سکتا ہے
مزدوروں کی فوج خوب لڑی اور کبھی کبھی اس کی سرداری بھی ٹھکانے کی
رہی مگر سچ یہ ہے کہ سفید ہارے نہ کہ سرخ جیتے، سفید جیت جاتے مگر ان کے
آپس میں سیاسی اختلافات موجود تھے۔ انھیں یہی نہیں معلوم تھا کہ آیا
وہ آئینی ریپبلک قائم کرنے کے لئے لڑ رہے ہیں یا زاریت کے گرینڈ
ڈیوک نکلس کو تخت دلوانے کے لئے یا گرینڈ ڈیوک سرل کو جو جائز حقدار تھا،
یا یہ کہ پروفیسر ملیوکوف کو پریذیڈنٹ بنانے کے لئے، ان کے انتشار آرا کی
ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے ہاں برطانی اور فرانسیسی ایجنٹ موجود تھے جن کی حقیقی
دلچسپی تجارتی مراعات سے تھی نہ کہ روس سے، اور جو کھلے طور پر ایسا ڈھنگ بنا رہے
تھے کہ (روس میں) ایک ایسی حکومت قائم ہو جائے جس سے اُن کی مطلب براری ہو سکے
یعنی جو اس تجارتی اور مالی پروگرام کی تکمیل کو سکے جو اُن کے پیش نظر تھا۔ مزید براں
فوجوں کے مرکزی مقامات میں خیانت اور رشوت کا بازار گرم تھا۔ حقیقت میں
مخالفین انقلاب کی جوابی تحریک ایک ماتمی داستان ہے۔

نواں باب

دو ٹ اسی بات پر پڑ رہے تھے کہ روس میں ایک قومی حکومت قایم ہو یا مارکسی ریپبلک ۔ مارکسیت کے طرفدار جیت گئے مگر جیت کر انھوں نے یہ پایا کہ اگر مارکسیت کے دودھ میں پانی نہ ملایا گیا تو کام نہیں چلنے گا ۔ جب متوسط الحال طبقہ یعنی بورژوا خاک میں مل چکے تو انھوں نے ان مُردوں کو جی اٹھنے کا حکم دینا شروع کر دیا (اس موقعہ پر) لینن نے جو الفاظ استعمال کیئے وہ ایک پہیلی تھی ، اُس نے کہا "ہم کبھی دو اور دو جمع کر کے پانچ تو کہہ دیتے ہیں مگر یہ نہیں کہتے کہ یہ موم بتی ہے" مارکسیت آئے بغیر تو رہنے والی تھی نہیں مگر ضرورت اس کی تھی کہ ایک منتر ایجاد کیا جائے ۔ لینن نے انجھر نکالنے کی کوشش کی اور جس لفظ کو اُس نے آزمایا وہ الکٹریفائیا تھا یعنی بجلی کا دورہ اس لفظ کا بڑا زور بندھا ، روس میں ہر شخص کی زبان پر یہی تھا حالانکہ لاکھوں ایسے تھے جن کی سمجھ میں اس کا پورا مطلب بھی نہیں آتا تھا

ماؤں نے بچوں کے نام الیکٹریفائنگ رکھنے شروع کر دیئے کیونکہ اب تو انھیں نام رکھنے کے لئے ولیوں کے نام کی کتابوں کی چھوٹ تھی (تجویز یہ تھی) کہ نئے دور کی تیاری کے لئے تمام روس بھر میں بجلی لگا دی جائے۔ مگر، یہ اچھر نہیں چلا بلکہ لوگ اسے بھول بھی چکے ہیں۔ سٹالن حسب معمول حالات کے مطالعہ میں مصروف تھا (اس کے خیال میں یہ تھا کہ) لفظ تو غلط تھا مگر جو خیال اس کی تہ میں تھا وہ ٹھیک تھا اور خیال کیا تھا یہی کہ مشینوں کا دور دورہ ہونا چاہیئے (چنانچہ) آخر اسٹالن نے ایک اور لفظ ڈھونڈ نکالا اور یہ لفظ "ٹریکٹر" تھا (یعنی وہ مشین گاڑی جو ہل، بوائی، کٹائی پرسیوں بنانا اور گہائی وغیرہ قریب قریب سب زرعی کام انجام دیتی ہے)

خیر مگر یہ تو ہم تاریخ پر قبل از وقت نگاہ ڈال رہے ہیں لینن پہلے اپنی نئی اقتصادی پالیسی میدان میں لایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روپیہ جائز قرار دے دیا گیا (یعنی روپیہ سے کاروبار کرنا نہ کہ آپس میں چیزوں کا تبادلہ مارکسی انقلاب کے ابتدائی زمانہ میں کاروبار کے لئے محض تبادلہ اشیاء کی حد لگا دی گئی تھی)، دوکانیں کھولنے کی اجازت ہو گئی، بیرونی سرمایہ کو دعوت دی گئی اور بیرونی کمپنیوں کے لئے تجارتی مراعات حاصل کرنا ممکن ہو گیا، ایک طرف تو سرمایہ داری کے خلاف جہاد تھا اور دوسری طرف سرمایہ داروں کو اشتراکِ عمل کی دعوت دی جا رہی تھی۔

سٹالن اگرچہ اپنے آقا اور دیوتا کا تو فرمانبردار تھا مگر اس ترمیم کا وہ حامی نہ تھا۔ اس کا مزاج جنگجو اشتراکیت کے لئے زیادہ موزوں تھا، وہ تو ایک گنوار قفقازی تھا جس کی رگوں میں قزاقوں کا خون تھا اور جس کے ہاتھ خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس وقت اُس کی سمجھ

یہی کہتی تھی کہ شہروں کے لئے روٹی حاصل کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ کسانوں سے لوٹ کھسوٹ کی جائے۔ لینن کی جنگجو اشتراکیت کی تعریف یہ تھی کہ فوجوں کے لئے کسانوں کا غلہ ہتھیایا جائے۔ مگر ایک اور مصنف ڈیبریفسکی اس کی مزید وضاحت کرتا ہے یعنی حکومت کے قبضہ و اقتدار سے صرف عشق باہر تھا (ورنہ) بغیر سوویت کے حکم کے آپ جائے سکونت کرایہ پر نہیں لے سکتے تھے، خوراک کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لئے آپ کا سرکاری ملازم ہونا لازمی تھا۔ بغیر پرمٹ یعنی (اذن) کے آپ ریل گاڑی میں سفر نہیں کر سکتے تھے ہر ایک گھر اور ہر ایک کمرہ چیکا کی نگرانی میں تھا، ایک روٹی کے ٹکڑے کی خاطر باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی، اور بیوی خاوند کی چغلی کھانے کو تیار تھی، دکانیں بند کرا دی گئیں تھیں اور سرکاری طور پر مال کی جو دکانیں کھولی گئیں وہ قریب قریب خالی پڑی تھیں، سرکاری مال میں سے جو کچھ چوری کر لیا جاتا تھا وہ چھپ چھپ کر تہ خانوں، اور اناج کی کوٹھیوں میں جا کر بکتا تھا، چیکا نے ان مجرموں کو گرفتار، جلاوطن اور گولی کا نشانہ بنا کر ختم کیا ملک بھر میں خوفناک قسم کا غدر مچا ہوا تھا۔

مگر اس دور حکومت کا امتیاز یہ نہ تھا کہ اس میں اس قدر خونخواری تھی بلکہ یہ کہ کام ہی نہیں چلتا تھا بعض اوقات تو ان انقلابیوں کو بھی جو نہایت ہی معتمد گنے جاتے تھے پہننے کو جوتے اور کھانے کی رسد تک نصیب نہیں ہوتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ جب عوام الناس کے گروہ کے گروہ اتنے وسیع پیمانہ پر بد دل ہوں تو کس حکومت کا کارخانہ چل سکتا ہے

مارچ ۱۹۲۱ء میں کمیونسٹ پارٹی کی دسویں کانگریس ہونیوالی تھی، اسی دوران میں کرونشتات میں ایک مزدوروں کی بغاوت پھوٹ

پڑی گویا یہ ایک نئی درہم برہم کرنے والی تحریک تھی اس مرتبہ سفید سے نہیں بلکہ سرخے غدر پر کمربستہ ہو گئے تھے، سپاہیوں، ملاحوں، کارخانوں کے مزدوروں نے مطالبہ کیا کہ کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھ سے ملک کی حکومت چھین لینی چاہیئے۔ اُن کے آوازے یہ تھے "سوویت آزاد" "کاروبار آزاد" "کمیونسٹ برباد"

ستالن کو اس کی پسند کا یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ کرونشتات کو "صاف کرے" پہلے تراتسکی کو بھیجا گیا مگر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے یہ بھی ممکن ہے کہ اُس نے دُھندلا سا یہ خواب بھی دیکھا ہو کہ شاید ایک نئے انقلاب کی رہنمائی کا اس کے لئے یہ موقع بن جائے، وہ ہمیشہ ارتقائی سوشیلزم کو کمیونزم پر ترجیح دیتا تھا (یعنی وہ زبردستی اشتراکیت قایم کرنے کے مقابلہ میں یہ مناسب سمجھتا تھا کہ تدریجی طور پر سوشیلزم کا خیال لوگوں کے دلوں کی خود اپنی آواز بننا چاہیئے۔) کرونشتات کی آبادی ایک انقلابی حکومت کی بنیاد ڈالنے کے لئے کھڑی ہوئی تھی اور اگر کہیں یہ بغاوت آگ کی طرح تمام روس میں پھیل گئی ہوتی تو لینن برطرف ہو جاتا اور تراتسکی اس کی جگہ کارفرمائی کرنے لگتا، بہرکیف اُس نے کوئی مضبوط قدم نہ اٹھایا، اس کے پیچھے ستالن اور ورشلوف روانہ کئے گئے۔ اور انھوں نے معاملات کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی، نام چار کو تراتسکی اس تعزیری وفد کا صدر رہا مگر ستالن نے نظام مکمل کیا اور تمام کام انجام دیا۔

کرونشتات کے محاصرہ کے لئے فوجیں اور توپ خانے فی الفور پہنچائے گئے۔ شہر کے اس رُخ پر جدھر ساحل ہے بڑی توپیں

برفانی ٹھیلوں پر لاد کر پگھلتی اور ٹوٹتی ہوئی برف کی سلوں پر سے کسی نہ کسی طرح گزار کر پہنچائی گئیں۔ قلعوں پر بے پناہ گولہ باری کی گئی جس سے مطلب یہ تھا کہ آبادی چوہوں کی طرح باہر نکل پڑے۔ سمندر سے بھاگ نکلنے کا راستہ ان کا پہلے ہی بند کر دیا گیا تھا۔ ستالن کا قول تھا "ہمارے انتقام سے کوئی بچنے نہیں پائے گا" باغی سرخوں کا قلعہ تسخیر کر لیا گیا اور اس کے بعد زمانۂ وسطیٰ کا سا قتل عام ہوا، ایک ہفتہ تک کرونشتات کے اینٹ پتھر ایک طرف اور ہزاروں گولیاں دوسری طرف خون کی ہولی کھیلتے رہے۔ نہ صرف باغی سرخ ہی گولیوں کا شکار ہوئے بلکہ وہ کمیونسٹ بھی جنھیں انھوں نے قید کر رکھا تھا (یعنی کہنے میں یہ بات تھی) کہ ان کا یہ تصور تھا کہ انھوں نے اپنے آپ کو گرفتار ہو جانے دیا اس لئے مابقی کے ساتھ انھیں بھی فنا کیا گیا، باغی یہ مطالبہ کرنے میں تو حق بجانب تھے کہ آزاد کاروبار کی اجازت ہونی چاہیئے مگر سزا انھیں اس بات کی ملی کہ یہ خیال سب سے پہلے اُن کے دلوں میں آیا۔ لینن نے اُن کے اس اشارے پر کان دھرا اور ترمیم کی (یعنی) نئی اقتصادی پالیسی کا حکم نافذ کیا گیا۔ اُس نے اعلان کیا کہ "کاروبار اور ملکیت جائداد کو ناجائز قرار دئے رہنا کمیونسٹ پارٹی کی خودکشی کا مرادف ہے ہمیں اپنی غلطیوں کا علاج کرنا چاہیئے" سرخوں میں ایک لینن ہی کو یہ اقتدار و اختیار حاصل تھا کہ ایسی قلابازی کھا سکے۔ نوجوان اشتراکیوں کو اور اُن کو جو زار تسن کے ہیرو کہلاتے تھے اور خود ستالن کو بھی یہ بہت ہی ناگوار گزرا مگر ستالن نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر لینن اس پالیسی کو چلانا چاہتا ہے تو وہ کر کے رہے گا، ستالن نے اُن سیاسی قوتوں کا اندازہ لگا لیا تھا جو میدان میں تھیں اور اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اِس وقت تو چپ رہو اور اپنی مایوسی پر

پردہ ڈالے رکھو۔

اس طرح چھوٹے چھوٹے دکانداروں کو کھل کے بیچنے کا موقعہ دیا گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماسکو میں رات ہی رات میں سستے مال کا میلہ اور پرانے دُھرانے کپڑوں کا بازار لگ گیا، ساری آبادی نے جسے ایک عرصہ تک اپنے پسندیدہ مشغلہ سے باز رکھا گیا تھا خرید و فروخت کا بازار گرم کر دیا۔ ہوشیار دکانداروں نے تیزی سے کمائی کی، بنج بیوپار کی تہذیب جس سے دنیا آشنا ہے یکایک ہوا میں سے پیدا ہو گئی اور امیر غریب پھرتی سے بڑھنے لگے یعنی یوں کہئے کہ لوگوں میں پھر طبقے قائم کر دئے گئے۔ بورژوا سوسائٹی یعنی متوسط طبقے کا نیا جنم قدرتی طور پر خود اُنھیں کے لئے جو اس کی پیدائش کا باعث ہوئے تھے بڑا گھناؤنا تھا۔ اس مسئلہ کے سلسلہ میں پشیمانی بلکہ خیالات میں تبدیلی ہونی لازمی تھی، وہ دکاندار جو ذرا زیادہ کامیاب ثابت ہوئے تھے چیکا کی آنکھوں میں کھٹکنے لگے تھے، انھیں گرفتار اور قید کیا گیا اور سلووسکی وغیرہ مقامات میں انھیں جلاوطن کر دیا گیا جہاں وہ مر کھپ گئے، مگر نئی اقتصادی پالیسی (ن۔ا۔ پ) کو منسوخ نہیں کیا گیا بلکہ جن لوگوں کو چیکا نے برطرف کر دیا تھا اُن کی جگہ دوسرے آدمیوں نے لے لی جنھیں ناپ (Nep) والے کہتے تھے۔

ستالن نے طوطے کی طرح لینن کے الفاظ دُہرانے شروع کر دئے، وہ کہنے لگا "کیا کمیونسٹ پارٹی لوگوں سے اپنی لیڈری زبردستی منوا سکتی ہے، نہیں، ہرگز نہیں، اگر ایسا کیا گیا تو یہ لیڈری چند روز کی مہمان ہوگی" اُس وقت تو وہ لینن کے ساتھ قطار میں

آ کے کھڑا ہو گیا مگر یہ اُس کی حقیقی رائے کا اظہار نہ تھا جیسا کہ اس کے کارنامہ زندگی نے ثابت کر دیا۔ زنوویف، ن، ا، پ، کے سخت خلاف تھا اور اس معاملہ میں وہ لینن کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا تھا، وہ کہتا تھا کہ یہ تو سوائے پسپائی کے اور کچھ بھی نہیں، ستالن نے جواب دیا کہ نہیں اوّل اوّل تو بیشک ن، ا، پ، پسپائی معلوم ہوتی ہے مگر اس کو اس ترکیب سے وضع کیا گیا ہے کہ اس ابتدائی پسپائی کے دوران ہی میں ہم اپنی قوتوں کو پھر مجتمع کر کے پھر حملہ جاری کر دیں گے۔

ن، ا، پ، کا ایک بڑا مقصد شہر کے کاروبار کے حیران میں ڈال دینے والے تماشہ کی وجہ سے عام آنکھوں سے اوجھل رہ گیا تھا۔ اور وہ یہ تھا کہ اس کا شتکاری برادری کو جن کی زندگی سرکاری لوٹ کھسوٹ سے نہ صرف ناقابل برداشت بلکہ بے معنی ہو گئی تھی دوبارہ قائم کیا جائے۔ کسان اس وجہ سے کہ اُن کی پیداوار اُن سے چھن جاتی تھی جو تناسب نا کم کرتے جاتے تھے اگر اس پر بھی ڈاکہ زنوں کی دست بُرد سے اُن کی جان نہ بچتی تو کاشتکاروں کے ہاتھ میں یہ قوت تھی کہ وہ ساری قوم کو بھوکا مار دیں، کاشتکاروں میں زبردستی سوشلزم پھیلانا پہلے ہی ناکامیاب ثابت ہو چکا تھا۔ ضرورت اس کی تھی کہ کوئی ایسا عملی طریقہ اختیار کیا جائے جس سے ان پر دباؤ پڑ سکے۔ ستالن نے جس وجہ سے ن، ا، پ، کو مان لیا اُسے لینن کے الفاظ میں خوب ادا کیا جا سکتا ہے "اس روس میں سے جہاں نئی اقتصادی پالیسی (ن، ا، پ) کا نفاذ کیا گیا ہے وہ روس نکلنے پر نکلے جو سوشلسٹ ہوگا" ستالن کی یہ رائے تھی کہ عارضی طور پر ن، ا، پ، کے ذریعہ کسان کی قدر

کو قائم کر دینا چاہیئے اور پھر اس کے بعد جب نیا طریقہ ہاتھ آ جائے تب دیہات سوشلائز کر دیا جائے یعنی بھائی چارے کا دور دورہ قایم کر دیا جائے۔

ترا تسکی اس ترمیم کو جون ۱۔ پ کے واسطے کی گئی تھی اس طرح پیش کرتا تھا کہ مزدوروں کا انقلاب روس میں اس وقت بھرپور ہو سکتا ہے کہ جب دنیا بھر میں انقلاب ہو جائے، یعنی روس کو مغرب کی راہ دیکھنی چاہیئے۔ (وہ کہتا تھا) "روس میں سوشلسٹ اقتصادیات کی نشوونما اسی وقت ہو سکے گی جب یورپ کے بڑے بڑے شہروں میں مزدوروں کی فتح ہو جائے" اس وقت ترا تسکی لینن کی اس دماغی کیفیت کے نزدیک تر تھا جس کی روشنی میں لینن بین الاقوامی معاملات کو دیکھتا تھا۔ لینن ابھی تک یورپ میں ایک عام انقلاب کے خواب بڑی امید کے ساتھ دیکھتا تھا مگر ستالن کی آنکھیں روس پر گڑی ہوئی تھیں اور غالباً خود اپنے مستقبل پر بھی، عام طور پر روسیوں کو یورپ کا حال کم معلوم ہوتا تھا اور پرواہ وہ یورپ کی اتنی بھی نہیں کرتے تھے اور اس معاملہ میں ستالن کی کیفیت انھیں کی سی تھی۔ اس کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ "روس پہلے یورپ پیچھے"

لینن کی موت کے بعد قدرتی طور پر ان، ا، پ، کے چلانے پر بڑے جھگڑے کھڑے ہو گئے، یہ انقلابی رائے کی سچائی کی کسوٹی بن گئی ایک اچھے اشتراکی کے معیار سے لینن کی قدر ان، ا، پ، نے گھٹا دی تھی، یہ اس امر کا اعتراف سمجھی گئی تھی کہ خالص اشتراکیت نہیں چل سکتی کیونکہ وہ انفرادیت پر ایسا سخت ظلم ہے کہ اس کا نتیجہ سماجی غدر اور ردِ انقلاب ہی ہو سکتا ہے۔ یہ امر مشتبہ ہے کہ آیا لینن کا بھی یہ مقصد تھا کہ آگے

چل کر اس (پالیسی) کا نتیجہ خالص تراشتراکیت نکلے، وہ ایک ایسی ترمیم تھی جس کا منطقی نتیجہ یہی تھا کہ ایک تجارتی ریپبلک قایم ہو جائے
اُس کے جاری کرنے کی کچھ ہی غرض سہی مگر گئی ایک روسی سیاست داں لینن کا مطلب بیان کرنے کی کوشش کی بھینٹ ہو گئے۔

دسواں باب

لینن اور سٹالن دونوں کو جسمانی علالت کی علامتیں پریشان کرنے لگیں، انقلاب کی پریشانیوں اور اس کے سلسلہ میں مسلسل کام کرنے سے جو ان پر بوجھ پڑا تھا یہ دونوں اس کی ماندگی محسوس کرنے لگے، مارچ ۱۹۱۹ء کے بعد جب سفیرولوف کی موت ہوئی لینن پر اس کی بساط سے زیادہ کام کا بوجھ آن پڑا تھا۔ سفیرولوف لینن کے سکرٹری اور ترجمان کی حیثیت سے کام کرتا تھا اور روزمرہ کی ضابطہ کی کارروائیوں کے بہت بڑے بوجھ کو ہلکا کر دیتا تھا۔ لینن آہنی قوام کا آدمی تو تھا نہیں بلکہ وہ اعصابی مزاج تھا توند نکلی ہوئی تھی اور خون خراب تھا، کبھی تو اس کے لئے ایسا زمانہ آتا تھا جب کہ اس کی ذہنی بصیرت روشن ہوتی تھی اور وہ بلا روک ٹوک تن تنہا اپنی مرضی کے مطابق کام کرتا تھا اور کبھی اس پر تساہل اور کمزوری طاری ہو جاتی تھی

سٹالن کو چونکہ جنگ کے زمانہ میں روٹی، نمک، پیاز، لہسن اور سرخ شراب پر بسر کرنی پڑی اُسے شکم کے امراض کی مصیبت پیش آئی

کھانے کے بعد اس کے پیٹ میں درد ہو جاتا تھا اور اس کے بعد اُسے مجبوراً قے کرنا پڑتا تھا جس سے کمزوری ہو جاتی تھی۔ مگر اسے یہ تکلیف گاہے گاہے ہوا کرتی تھی۔ علاج معالجہ کے بعد درد اور کمزوری جاتی رہتی تھی اور وہ پھر چاق چوبند ہو جاتا تھا۔ دینکن کے معرکہ کے بعد اس پر درد کا شدید حملہ ہوا، اور وہ مجبور ہو گیا کہ صرف آرام کرے اور کچھ نہ کرے لینن نے یہ چاہا کہ اس کے کامیاب قدم آگے بڑھتے رہیں اور وہ جنرل رینگل کا بھی وہی حشر کرے جو دینکن کا اس کے ہاتھوں ہوا تھا مگر اس نے طرح طرح کے عذر پیش کئے مثلاً یہ کہ "مقامی پارٹی مجھے بُل بُلا سمجھے گی کہ اِدھر سے اُدھر کودتا پھرتا ہوں" مگر مرکزی کمیٹی نے اُسے روانگی کا حکم دے ہی دیا چنانچہ وہ نیا محاذ تیار کرنے کے لئے روانہ ہو گیا مگر وہاں اس کی صحت نے جواب دے دیا اور وہ کام جاری نہ رکھ سکا، یہ واقعہ ستمبر ۱۹۲۰ء کا ہے موسم سرما میں وہ صحتیاب ہو گیا اور اس وقت وہ اتنا تندرست تھا کہ جب اسے کرونشتات کی بغاوت فرو کرنے کے لئے بھیجا گیا تو اس نے گرمجوشی سے کام کیا۔ مگر اس کے بعد پھر ایک مرتبہ وہ خطرناک طور پر بیمار ہو گیا بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ موت کا خطرہ پیدا ہو گیا، اگرچہ بورژوی طبقہ کے ماہر ڈاکٹروں سے مشورہ لینے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا مگر زندگی کی خاطر اُسے یہ کرنا پڑا۔

ڈاکٹر روسانوف جس سے اُس نے مشورہ کیا — Appendi
(citis) ... اپنڈسائٹس یعنی آنت کے ضمیمہ کی سوجن تشخیص کیا، چونکہ پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں آنت کا ایک بڑا حصہ کاٹ کے پھینک دینا پڑا۔ سٹالن پر یہ جراحی عمل ماسکو کی سوادا تنکو قنفسکی ہسپتال میں ہوا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے

کہ اپریشن پوری طرح کامیاب نہیں ہوا شاید دیر بہت ہو چکی تھی، چند روز تو مریض زندگی اور موت کے بیچ میں لٹکتا رہا۔

اس بیماری سے لینن کے دل پر اثر ہوا بمقابلہ ان اشخاص کے جو تندرست ہوں، ایسے شخصوں کو جو موت کے منہ میں ہوں، ایسے آدمیوں کے ساتھ جو بستر مرگ پر ہوں زیادہ ہمدردی ہوتی ہے لینن منکسر المزاج ستالن کی گرمجوشی اور کام کرنے کی استعداد پر حیران تھا، لینن کو ستالن اور ترانسکی کا بیر سخت ناگوار تھا اور وہ اس سے پریشان بھی تھا۔ وہ ستالن کی ذہنیت کی تہ تک پہنچ چکا تھا اور اسے اس کی طبیعت میں حد سے بڑھی ہوئی جاہ طلبی نظر آنے لگی تھی، جب ستالن تندرست تھا تو لینن کی طبیعت میں قطعی یہ خیال گزر چکا تھا کہ ستالن خطرناک ثابت ہوگا۔ مگر اس وقت جب ستالن بستر مرگ پر تھا لینن کی طبیعت کا عالم دوسرا تھا۔ اس وقت اسے یہ خیال آیا کہ کل بولشویکوں میں ایک ستالن ہی ہے جس کی وفاداری میں کبھی تزلزل نہیں آیا اور یہ وہ شخص ہے جس سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص لینن پر جوش و خروش کے ساتھ ایمان نہیں لایا (اسے یہ باتیں یاد آئیں کہ) ستالن اس کا آدمی ہے وہ شخص جسے اس نے سازشوں سے پناہ دی، جس کی چھپی ہوئی قابلیت اور ذہانت کا اندازہ اسی نے لگایا اور وہ بھی اس وقت جب اور لوگ اسے قفقازی بندر کہتے تھے۔ چنانچہ لینن جن دنوں میں ستالن کی حالت نازک تھی برابر اسے دیکھنے کے لئے ہسپتال جاتا تھا۔ بالآخر جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ خطرے سے نکل گیا تو اس نے اس کے معالج کا توجہ سے علاج کرنے کے لئے شد و مد سے شکریہ ادا کیا

ڈاکٹر روزانوف نے صلاح دی کہ مریض کو تبدیل آب و ہوا اور صحتیابی کے لئے جلد سے جلد اس کے وطن گرجستان میں پہنچا دیا جائے لینن بولا "ہاں یہ بات ٹھیک ہے" موسکو سے دور کسی ایسی جگہ جانا چاہیئے کہ جہاں اُسے کوئی پریشان کرنے والا نہ ہو"

ان دنوں ترائسکی کا ستارہ اوج پر تھا۔ اس وقت سفیدوں کو ہر محاذ پر منتشر کیا جا چکا تھا اور یہ نیک نامی ترائسکی اپنا حق سمجھ بیٹھا تھا اب اس کی یہ کیفیت تھی کہ، وہ شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے رہتا تھا، پریڈ میں سفید گھوڑے پر سوار ہو کر چلتا تھا، تار کی موٹر میں نکلتا تھا جس کے پائیدان پر گارڈ کھڑے ہوتے تھے۔ ایک پر تکلف قیام گاہ اس کا مسکن تھی روس کے باہر تو اس کا نام اور بھی زیادہ روشن تھا۔ لینن کے بعد اسی کا درجہ سمجھا جاتا تھا اور یہ خیال کیا جاتا تھا کہ حکومت میں وہ اُس کا جانشین ہوگا فوجی حلقوں میں اسے سنجیدگی کے ساتھ ایک اعلیٰ پایہ کا سپہ گر تصور کیا جاتا تھا نیز حاسدوں میں یہ کانا پھوسی ہوتی تھی کہ اسے نپولین ثانی بننے کی تمنا ہے۔

انقلاب فرانس کی تاریخ روسی انقلاب کے سفر میں معتبر رہبر ثابت نہ ہوئی۔ نپولین بننا تو ترائسکی کے خواب و خیال میں بھی نہ آیا ہوگا البتہ وہ یہ ضرور سمجھتا تھا کہ وقت آنے پر انقلاب کا خضر راہ بن جائے گا۔ معاملات کی باگ ڈور سنبھالنے کے معاملے میں اُس کا دوسرا درجہ تھا اور اُس کی ٹکر کا کوئی رقیب بھی نہیں تھا۔ زنوویف اور کامینیف کو خود اپنے اوپر بھروسہ نہ تھا۔ اول دن ہی سے ان کی طبیعت میں شعلہ خوئی تھی مگر ڈرپوک اور مذبذب تھے اور ذہانت کے لحاظ سے

ترائسکی کو ان پر فوقیت تھی" نیز اگرچہ اس نے کئی معاملوں میں صدر سے اختلاف کیا، لینن اس کی بات پر کان دھرتا تھا اور اسے قابل اعتماد سمجھتا تھا۔ لینن کی بیوی کروپکایا سے اس کے اچھے مراسم تھے نیز کروپکایا کے خیال میں ستالن کے مقابلہ میں ترائسکی کا اثر لینن پر قابل ترجیح تھا۔

۱۹۲۱ء میں پولٹ بیورو لینن، ترائسکی، ستالن، اور کامینیف پر مشتمل تھا۔ کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سکرٹری کیرستنسکی، سیرپرابرازنوف، اور شتالوف تھے۔ ان کا کوئی سیاسی اثر و اختیار نہ تھا بلکہ اُن کی حیثیت ایک قسم کے کلرکوں کی سی تھی۔ لینن ایک طرح پارٹی اور گورنمنٹ سے بالا تر تھا۔

۱۹۲۲ء تک پارٹی کا حکومت پر پوری طرح قبضہ نہیں ہوا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ اگر ترائسکی کے ہاتھ میں باگ ڈور آگئی ہوتی تو گورنمنٹ اور کمیونسٹ پارٹی میں تفریق کر کے گورنمنٹ کو سیدھے سادے جمہوری نظام میں منسلک کر دیتا اس صورت میں سوویٹ نارکوم یعنی کابینۂ حکومت کو بلا شرکت غیرے اختیار حاصل ہو جاتا، گورنمنٹ پر قابو رکھنے کے لئے پارٹی کا جو نظام بنایا گیا تھا وہ ابھی تکمیل کو نہیں پہنچا تھا اور نظامت ثلاثہ کو کارفرمائی کی کوئی قوت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ لینن جو مناسب خیال کرتا تھا پارٹی کو ہدایت دیتا تھا اور پارٹی وہی کرتی تھی۔ حقیقت میں لینن مطلق العنان تھا مگر انقلاب کی اغراض کا تقاضا تھا کہ وہ پارٹی کے پردے میں کام کرے۔ خلاصہ یہ کہ پارٹی کی ڈکٹیٹری کے یہ معنی تھے "جسے ہم چاہیں گے وہی لیڈر ہوگا نہ کہ وہ جسے روس کا مزدور طبقہ چاہے گا"

لینن نے یہ محسوس کیا کہ پارٹی کا سکرٹری کوئی ایسا مضبوط آدمی ہو جو اسے ترتیب دے سکے اور اس پر قابو رکھ سکے۔ نیز ان سینکڑوں چھوٹے

چھوٹے مسائل کا خود ہی بیٹھ کر فیصلہ کر دیا کرے۔ لینن میں پارٹی کے تمام مخمصے سلجھانے کی طاقت نہیں تھی۔ لینن کو بیماری کا ہر وقت کھٹکا لگا ہوا تھا جس کا علم صرف اسی کو تھا۔ اسے انقلاب کے مستقبل کا بڑا فکر رہنے لگا تھا۔ کیمونسٹ پارٹی کے سکرٹری کا عہدہ یوں تو معمولی سا معلوم ہوتا تھا مگر لینن کے انتقال کے بعد اس کی اہمیت بڑھ جانے کا پورا امکان تھا۔ سٹالن نے اپنے آپ کو اس عہدہ کے لئے پیش کیا تھا مگر لینن کو اس گرجستانی کی چھپی ہوئی طاقت اور ایشیائی چالاکی کا علم تھا چنانچہ وہ ابتدا میں اسے یہ عہدہ سپرد کرتے ہوئے اندیشہ محسوس کرتا تھا۔ مگر اس عہدہ کے حاصل کرنے کے لئے کوئی سازش نہیں ہوئی۔ ٹراٹسکی کو تو اس کی ضرورت ہی نہ تھی غالباً اس نے اس کی اہمیت کا اندازہ نہیں لگایا، رہا سٹالن جنگ میں تو وہ ٹراٹسکی سے بازی لے گیا تھا پھر بھی ٹراٹسکی نے اس کی ذہانت کا جو اندازہ لگایا وہ گھٹا کر لگایا۔ وہ سمجھتا تھا کہ سٹالن قفقاز کا ایک بے وقوف دیہاتی ہے نیز اس کے خیال میں وہ ایک بے رحم وحشی تھا جو انقلاب کے دشمنوں کا قلع قمع کرنے میں مفید ثابت ہوا مگر جس کی حکومت میں شرکت محض لینن کی دوستی کی وجہ سے گوارہ کی جا رہی تھی وہ سوچتا تھا کہ اب لڑائی ختم ہو جانے کے بعد گرجستانی کی کیا ضرورت باقی رہ سکتی تھی یہ اتفاق تھا کہ سٹالن بیمار ہو گیا اور اسے صحتیابی کے لئے قفقاز میں بھیجا گیا جو ایک لحاظ سے جلاوطنی سی تھی، ان حالات کا کامریڈ ٹراٹسکی کے شاندار خوابوں پر کیا اثر ہو سکتا تھا

مگر سٹالن صحتیاب ہو کر واپس آگیا اور لینن نے باوجود اس کے کہ اس کی صحیح رائے کا تقاضہ کچھ اور تھا اسے پارٹی کا سکرٹری بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ لینن روز بروز کمزور ہوتا جاتا تھا۔ شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک

مضبوط تر شخص کا ارادہ اس پر غالب آگیا

اُس نے ترانسکی پر اپنا یہ فیصلہ ان الفاظ میں ظاہر کیا "نئے باورچی صاحب کچھ مرچوں کے کھانے ہمارے لئے تیار کریں گے" ترانسکی نے شانے ہلا کر یہ ظاہر کیا کہ اب جو بھی ہو!

۱۹۲۲ء کے موسم بہار میں تقرری ہوگئی، اور ستالن نے فوراً اس طرح کام کرنا شروع کر دیا کہ کمیونسٹ پارٹی کی ساری طاقت اُس کے ہاتھ میں آجائے۔ لینن نے اس کے کام پر نظر رکھی پر اس سے اُس کا اطمینان نہیں ہوا۔ مگر لینن کی طاقت اب جواب دینے لگی تھی چنانچہ بجائے اس کے کہ وہ پارٹی کے دفتر میں جا کر اس کی خبر لیتا اور اسے نکال باہر کرتا وہ ہفتہ وار اپنی رائے ایک ڈائری میں درج کرتا جاتا تھا، اس نے لکھا ہے کہ "سکرٹری بن کر ستالن نے بڑی طاقت اپنے قبضہ میں کر لی ہے اور میرا دل نہیں ٹھکتا کہ وہ کس حد تک اس قوت کا کافی احتیاط کے ساتھ استعمال کرے گا۔ وہ بڑا اکھڑ ہے اور یہ خامی اگرچہ ہم اشتراکیوں میں تو نبھ جاتی ہے مگر سکرٹری کے عہدہ کے لئے یہ طرز عمل ناقابل برداشت ہے چنانچہ میں کامریڈوں کے سامنے یہ تجویز پیش کرنے والا ہوں کہ وہ ستالن کو ہٹانے کا کوئی راستہ نکالیں ..... "مگر لینن بیمار تھا، مئی ۱۹۲۳ء میں اس پر فالج گرا اور اس کا دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں معطل ہوگئے۔ بلکہ سارے جسم کے مفلوج ہو جانے کا خطرہ تھا اس کے دشمن یہ کہتے تھے کہ وہ یا تو مرض خبیثہ Venerial Disease میں مبتلا ہے یا یہ کہ سوکھا لگ گیا ہے اور اُس کے دوست کہتے تھے کہ ریڑھ کے سیج کا فساد ہے، ڈاکٹروں کو اس کی کچھ زیادہ امید نہ تھی، مرض کا بڑھنا لازمی تھا اور وہ اگر جلد ہی جاں بحق نہ بھی ہوتا تو اُس کا بالکل بے کار ہو جانا یقینی تھا۔

گیارھواں باب

سٹالن نے ترائسکی سے کہا "کہ اب ہمیں پرانے اختلافات بھلا دینا اور دوستوں کی طرح مل کر کام کرنا چاہیئے" سٹالن نے تو ذرا بے تکلفی سے بات چیت کی مگر ترائسکی کھچا رہا۔ ترائسکی لکھتا ہے کہ "جوں ہی وہ قدم آگے بڑھاتا تھا میں ایک قدم پیچھے ہٹ جاتا تھا اور چل نکلتا تھا"

لینن کمیونسٹ پارٹی کا متحد کرنے والا عنصر رہا تھا، مگر لینن کے بیمار پڑنے پر پارٹی میں گروہ بندیاں ہوگئیں۔ کامینف کے پیرو الگ تھے اور زنوویف کے الگ، اور ترائسکی نے اہم عہدوں پر اپنے آدمی مامور کر رکھے تھے۔ سٹالن کے حامی غیر معروف اور اٹھتی ہوئی تانتی میں تھے اس کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ وہ نئی دوستیاں قایم کرے اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے لڑائے۔ ترائسکی نے اس سازش میں حصہ لینے سے انکار کر دیا اس لئے اُس نے ایک گروہ پر ڈورے ڈالنے شروع کر دئے

اور اس کے ساتھ ساتھ اس نے پارٹی کے ممبروں کی فہرست کی چھان بین اور نظر ثانی شروع کر دی،

اس وقت پولٹ بیورو یعنی جس کا ستالن ابھی تک برائے نام ممبر تھا، اب گورنمنٹ کا سب سے طاقتور آلہ تھا۔ اور اس کے فیصلوں میں کمیونسٹ پارٹی کی مداخلت نہیں ہوتی تھی، ایک عینی شاہد جو بیورو کی اکثر نشستوں کو دیکھتا رہا تھا بیان کرتا ہے کہ "اس کے بحث و مباحثوں میں ستالن کچھ بچ بچ کے حصہ لیتا تھا"۔ "ستالن بحث میں اس وقت تک کوئی حصہ نہیں لیتا تھا جب تک بحث خاتمہ پر نہ پہنچ لے، وہ خاموش غور سے بیٹھا سنا کرتا تھا۔ جب اور سب بول چکتے تھے تو وہ کھڑا ہوتا تھا اور چند الفاظ میں اس طرح بولتا تھا کہ اکثریت کے دل کی بات کہہ دیتا تھا اور وہ منظور ہو جاتی تھی، اس طرح وہ پولٹ بیورو کے ممبروں کی طبیعت پر یہ اثر پیدا کرتا تھا کہ گویا اس کی رائے مانی جاتی ہے"

ستالن نے کامینف اور زنوویف کو اپنی طرف کر لیا، یہ دونوں یہودی اپنے آپ کو ایک نہ ایک دن سوویت کا صدر تصور کرتے تھے۔ اُس نے اُنھیں یہ خیال کرنے دیا کہ تراتسکی کے خلاف وہ اُسے استعمال کرنا چاہیں تو اس کی خدمات حاضر ہیں۔ تراتسکی کے متکبرانہ طرز عمل نے دوسرے دونوں یہودی لیڈروں کے دلوں میں اس کے لئے جگہ پیدا نہ ہونے دی، مانا کہ وہ اس سے کمتر درجہ کے تھے مگر ایسے گئے گذرے بھی نہ تھے۔ انقلابی ہونے کی حیثیت سے تو وہ کسی طرح اس سے کم نہ تھے اور ان کا دعویٰ تھا کہ وہ لینن کے اس سے بہتر درجہ کے پیرو تھے۔ جاہ طلبی رجہاں تک دوسروں کا تعلق ہے

خود ایک گناہ ہے اور ترانسکی خطرناک طریقہ پر جاہ طلب تھا۔ وہ اپنے دل کی بات بھی دوسروں سے نہیں کہتا تھا۔ وہ شیکسپیر کے ڈرامہ کے ایک ایکٹر کی طرح الگ تھلگ خیالی پلاؤ پکایا کرتا تھا اور جب وہ زبان کھولتا تھا تو اس انداز سے کہ بس ابل پڑتا تھا اور اس طرح بات کرتا تھا کہ گویا اس کا قول قول فیصل ہے اور دوسرے کامریڈوں کو اس کا حکم بجا لانے کے لئے ہمہ تن گوش رہنا چاہیئے۔

ستالن کا یہ مطلب تھا کہ ایک یہودی کو دوسرے سے لڑائے ایک دفعہ ایک عجیب طرح کا حساب مشرق قریب میں پھیلا ہوا تھا۔ یعنی ایک یونانی دو یہودیوں کے برابر اور ایک آرمینین دو یونانیوں کے برابر، ستالن کی رگوں میں آرمینی خون ہوگا، چالاکی میں روس کے انقلاب نے ایک یہودی ایسا پیدا نہ کیا جو ستالن کی ٹکر کا ہوتا،

اُس نے کامینف اور زنوویف اور ترانسکی کو یوں تو تحقیر کی نگاہ سے دیکھا مگر ساتھ ہی اُس کے اُس نے ایک باقاعدہ سازشی تدبیریں پکانی شروع کیں تاکہ وہ انقلاب میں اپنی جگہ پیدا کرلے، پارٹی کے جنرل سکرٹری ہونے کی حیثیت سے اُسے ترقی اور ملازمت کے لئے انتخاب کرنے کا موقع میسر تھا اور وہ مردم شناس ثابت ہوا، وہ خوب سمجھتا تھا کہ کمیونسٹ پارٹی میں جوہر انسانیت کا وہ عنصر ہے جس سے تعمیر کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اُس نے اس ابتدائی زمانہ ہی میں مولوتوف جیسے ہاں میں ہاں ملانے والے شخص کو چُن لیا۔ جسے اس نے پارٹی کا دوسرا سکرٹری بنایا۔

مولوتوف جو ترقی کرکے ستالن سے دوسرے درجہ کی جگہ پر

پہنچ گیا ہے۔ انقلاب اول کے ہنگامہ آرا مقررین میں سے نہیں تھا۔ وہ خاموش، محنتی، سبزی ترکاری کھانے والا، ایک ایسے خاوند اور باپ کا نمونہ جسے رسمی دنیا مانے، اور منشیات سے پرہیز کرنے والا آدمی تھا وہ روزانہ سولہ گھنٹہ میز پر بیٹھ کر کام کیا کرتا تھا۔ ڈینز سکی لکھتا ہے کہ اس شخص کی سست اور بھدی چال سے اس کا نام سنگ نشست پڑ گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ستالن نے اس کی طرف آنکھ مار کے کہا کہ "سنگ نشست، تم اور میں پارٹی کی انتظامیہ کل کو ہاتھ میں لے کے ٹھیک چلائیں گے" مولوتوف نے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ خاموش اور رسمی دنیا کا آدمی تھا اپنے آقا کے گنوارپن کو اچھی نظر سے تو کیا دیکھا ہوگا مگر اس نے شکر کیا ہوگا کہ اس کا شمار اعلیٰ مقامات کی تقرری کے سلسلہ میں ہونے لگا۔ اس نے خیال کیا ہوگا کہ جہاں وہ ستالن کی پارٹی بنائے گا وہاں خود اپنی بھی تو بنائے گا۔ وہ ایک قابل بیوروکریٹ تھا (یعنی دفتری حکومت کا اہل) جو زار کی حکومت میں بھی ایک اعلیٰ انتظامی عہدہ کو خوبی کے ساتھ پُر کر سکتا تھا۔ وہ انہماک سے کام کرنے والا تھا، ایک دفعہ اگر مولوتوف اپنی جگہ بیٹھ جائے تو پھر اُسے کوئی وہاں سے اٹھا نہیں سکتا تھا، کہا جاتا ہے کہ جتنی امداد اس سے ستالن کو ملی ہے کسی دوسرے معاون کار سے نہیں ملی،

ٹراٹسکی اپنے بلند پایہ مقام سے مولوتوف کی شخصیت کی سرحدوں کا اندازہ نہیں لگا سکا، مولوتوف نسبتاً چھوٹا آدمی تھا، اگر لینن مولوتوف کو کسی ایسے گستاخانہ اظہار خیال پر جس میں ٹراٹسکی کی پارٹی کے ساتھ وفاداری پر حرف آتا ہو جھڑک دیتا تھا تو اسے خوشی ہوتی

تھی، مگر ترائسکی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ ستالن اس محنتی اور حریف مددگار کی اعانت سے کسی دن پارٹی کی اکثریت کو اس کے خلاف کر دے گا۔ ترائسکی کو اس وقت تو صرف یہ نظر آتا تھا کہ حریفِ خاص زنوویف ہے۔ کامینف نے اپنے لئے ایک بین بین راستہ اختیار کر لیا تھا، وہ ہر ایک چیز پر ظریفانہ انداز میں ناک مارتا تھا، کوئی شخص یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کس طرف جا رہا ہے، اگرچہ ترائسکی اس کا بہنوئی تھا مگر ترائسکی کو یقین نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ غداری نہیں کرے گا۔ طُرہ یہ کہ گو کامینف نے ہمیشہ اپنی جاہ کا خیال رکھا پھر بھی ترائسکی کی سازش کا رکن قرار دے کر اسے گولی سے اڑا دیا گیا۔

ستالن کی سازش نے تیزی سے ترقی کی مگر اس میں ایک غیر متوقع رکاوٹ پڑ گئی، لینن جسے یوں کہئے کہ مرنے سے پہلے دفن کر دیا گیا تھا اچانک اٹھ بیٹھا اور کچھ تندرست سا ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا میتوں کو پریشان کرنے کے لئے مردہ کی روح آ گئی ہے۔ تمام سرخ آرمی کے مریڈوں نے اس کا مبالغہ آمیز جوش و خروش سے خیر مقدم کیا۔ وہ سب اور بلکہ ترائسکی بھی دل میں تو بہت پریشان ہوئے ہوں گے ایسی صورت معلوم ہوتی تھی کہ گویا بستر مرگ پر پڑے ہوئے بادشاہ نے گھسٹ گھسٹا کے برابر کے کمرے میں پہنچکر یہ دیکھا کہ اس کے لڑکے اس کا تاج سر پہ رکھ رکھ کے دیکھ رہے ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مردہ لینن کے پھر جی اٹھنے پر اس کے دل میں کیا خیال تھے۔ کیونکہ اس بارے میں معلومات کم ہیں۔

مگر قیاس کیا جا سکتا ہے کہ کامریڈوں نے اس سے وہی

کہا ہوگا کہ جو محاسب اعظم نے حضرت عیسیٰ سے دوبارہ تشریف لانے پر کہا تھا یعنی "آپ کو جو کچھ لکھنا تھا وہ انجیل میں لکھ چکے اور اب اس میں آپ کو ایک لفظ بھی بڑھانا نہ چاہیئے"

کسی شخص نے مبالغہ سے کام لے کر لکھا ہے "اس نے روس کی کشتی کو ایک مفلوج ہاتھ سے چلایا مگر اس نے کچھ کیا نہیں، اس نے سٹالن کو بھی برطرف نہیں کیا جو پارٹی میں فساد کی جڑ تھا۔ وہ اس قابل نہیں تھا کہ اپنے جانشین کے متعلق صاف ہدایت دے سکے، بظاہر وہ ابھی تک اسی دھوکہ میں پڑا ہوا تھا کہ مغربی یورپ میں بہت جلد انقلاب ہو جائے گا اور اس طرح مارکسیت اس معراج کو پہنچ جائے گی جس کا کارل مارکس نے خواب دیکھا تھا۔

اگرچہ ٹراٹسکی اور لینن ایک خیال کے کبھی بھی نہ تھے وہ ایک دوسرے سے قریب تر ہو گئے، لینن کا ذہن دھندلا پڑ گیا تھا اور اسے روس میں اپنی راہ نہیں دکھائی دیتی تھی اس نے تکلیف دہ ن، ا، پ کا آغاز تو کر دیا تھا مگر مستقبل کے لئے اس کے سامنے کوئی تجویز نہ تھی، روس میں "بجلی کا دور دورہ" تو پیدا ہونے سے پہلے ہی جان توڑ چکا تھا اور اب تو وہ ایک قومی لطیفہ ہو کر رہ گیا تھا۔ ٹراٹسکی کے گروہ میں زیادہ تر یا تو دماغ دار یہودی تھے یا وہ انقلابی جن کی سیاسی جلاوطنی کا زمانہ مغرب میں گزرا تھا یا وہ انتہا پسند تھے جن کی تعلیم اور دماغی نشوونما مغربی تھی۔ وہ روس کے دوسرے مارکسیوں سے اس لحاظ سے ممتاز تھے کہ انھوں نے کارل مارکس کا مطالعہ کیا تھا۔ مگر وہ روس کو ایک قسم کی حقارت سے دیکھتے تھے۔ ان اشخاص کے خیال میں

روس ایک گندا اور غلیظ ملک تھا جس کا مستقبل بہ حیثیت ایک سوشلسٹ ریاست کے کچھ شاندار نظر نہیں آتا تھا۔ کسان ان لوگوں سے بھنّاتے تھے مگر روس میں انقلاب پیدا کرنا تھا اور انھیں یقین تھا کہ اگر ایک مرتبہ روس میں انقلاب ہوگیا تو ان کی محنت ٹھکانے لگ جائے گی۔ ایک نئی ریاست کو بیٹھ کر بنانا ان کے خیال میں فضول تھا کیونکہ جب تمام یورپ میں انقلاب ہونا ہے تو تمام براعظم کی ایک غیر منقسم مارکسی ریاست بنانے کے انتظام کا مسئلہ وسیع تر پیمانے پر سامنے آنا ضروری تھا۔ روس پر موسکو سے نہیں بلکہ برلن یا جنیوا یا یورپ کے کسی اور مناسب مرکز سے حکومت ہونی چاہیئے۔

اس وقت فوری طور پر انقلاب کو یورپ میں بڑھانے کی کچھ توقع کی جاسکتی تھی، جرمنی گومگو کی حالت میں تھا اور تمام ملک میں اشتراکیت کا خمیر پک رہا تھا، تراتسکی کے کئی ہمراہی موسکو سے دوڑ کر جرمنی میں انقلاب کرانے کے لئے پہنچ گئے۔ تراتسکی سے دوران گفتگو میں لینن کو یہ معلوم ہوا کہ کن وجوہ سے اس کی صحتیابی کے زرین موقعہ سے روسی مسائل کے حل کرنے میں فائدہ نہیں اٹھایا گیا۔

اگرچہ تراتسکی نے اس کا اعتراف تو نہیں کیا مگر روس کا مسئلہ اس کی نگاہ میں بھی فوری توجہ کا محتاج نہ تھا۔ انقلاب کی لگام تراتسکی کے ہاتھ میں اسی طرح آسکتی تھی کہ ستالن کی طاقت منتشر کی جائے۔ ستالن کو پارٹی کے سکرٹری کے عہدہ سے برطرف کرتے پر لینن کو مجبور کیا جائے اس مہم کو سر کرنے کے لئے وہ ہیر پھیر سے چلا، اور پہلے لینن کی تخریبائی بیوی کے مزاج میں دخل دینا شروع کیا۔ بیگم لینن کے دل میں یہ بات

بیٹھ گئی کہ ستالن زبردستی قبضہ کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اور اُس نے بڑے انہماک سے گرجستانی کی جاسوسی کرنی اور اس کی تمام کارروائیوں کی اپنے شوہر کو خبر پہنچانی شروع کر دی، ایک دن ستالن سے جو اُس نے ٹیلیفون پر باتیں کرنی شروع کیں تو اُس نے اُسے "دخل در معقولات کتیا" یا اس سے بھی کوئی سخت ترگندی اور دل دکھانے والی گالی دی جو لکھی نہیں جا سکتی۔

صحتیابی پر جو لینن میں ابتدا میں جان آگئی تھی وہ ختم ہو چکی تھی اب وہ اپنے کمرے میں پڑا رہتا تھا اور اعصابی عوارض سے بے بس تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جو طرح طرح کی باتیں اس کے کانوں میں پڑتی تھیں ان کا کیا علاج کرے۔ کہتے ہیں کہ لینن نے ستالن کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اسے بدتمیزی پر سخت سُست کہا تھا مگر اُس خط کی نقل موجود نہیں ہے۔ اسی دوران میں تراتسکی کے گروہ نے لینن کے دل میں یہ بات ڈالی کہ ستالن کا یہ رویہ اس قسم کا ہے کہ گویا لینن کی روس میں کوئی حقیقت باقی ہی نہیں رہی۔ ستالن نے انقلاب آزادی کی گرجستانی تحریک کے دبانے کے معاملے کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔

(ہر ایک سوچتا تھا) کہ اب لینن کرے گا کیا، موسکو کے لیڈروں کے کانوں میں طرح طرح کی افواہیں پڑتی تھیں، افواہ آگیا کہ لینن پارٹی میں آنے کی تیاری کر رہا ہے تاکہ ستالن کے اخراج کی تحریک کرے بیگم لینن کو یہ یقین تھا کہ وہ ضرور کچھ کرنے والا ہے۔ ذرا کی ذرا کو کامینف تراتسکی کی طرف جھکا، جوابی سازش کو اس واقعہ سے مدد ملی کہ ستالن کے

شکم میں ٹھنڈ لگ گئی تھی اور وہ صحتیابی کے لئے دیہات میں چلے جانے پر مجبور ہوگیا تھا یہ سیاسی بیماری نہ تھی۔

تراتسکی نے کامینیف کے سپرد یہ خدمت کی کہ وہ طفلس جائے اور وہاں کی مقامی پارٹی میں ستالن کے خلاف کارروائی کرے۔ ستالن کی قفقاز میں زیادتیوں کے متعلق تراتسکی نے لینن کے پاس بہت سا مواد اس خیال سے پہنچایا کہ اگر وہ پارٹی میں ستالن کو مجرم ٹھہرانا چاہے تو اسے استعمال کرے۔ لینن کا سکرٹری یہ تمام کاغذات واپس لے آیا کیونکہ اس کا آقا کوئی ایسا انقطاعی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ مگر مریض لینن کے دل میں بالکل آخری لمحات میں کھلے طور پر یہ خیال آیا کہ اُس نے ستالن کے ہاتھ میں اتنی قوت دے دینے میں غلطی کی۔ اور بیگم لینن کا بیان ہے کہ اُس نے ستالن کے نام ایک خط لکھوایا تھا اور آئندہ کے لئے تمام تعلقات منقطع کر دئے تھے، ستالن نے لینن کے نام ایک معذرت کا خط لکھا۔ گرجستانی کے لئے شدید خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ مگر یہ بات مشکوک ہے کہ ان حالات سے اس پر کوئی خوف طاری ہوا۔ غالب خیال یہ ہے کہ وہ اس چکر سے کسی نہ کسی طرح بچ نکلتا کیونکہ تراتسکی نے اپنی یہ کمزوری ظاہر کردی تھی کہ وہ خود پارٹی کے سامنے ستالن کی مخالفت نہیں کرے گا۔

بہرکیف تائید غیبی نے ستالن کو غیض و غضب سے بچا لیا۔ طفلس جاتے ہوئے راستہ میں کامینیف کو ایک تار ملا جس کے الفاظ یہ تھے "لینن پر فالج گر گیا ہے نہ وہ بول سکتا ہے نہ لکھ سکتا ہے" اس نے اس سے یہ نتیجہ نکال لیا کہ اگر لینن بے کار ہوگیا ہے تو انقلاب کی

سب سے زبردست شخصیت سٹالن ہی بنے گا۔ چنانچہ اس نے لینن گراد پہنچکر ٹراٹسکی کی ہدایات کے بالکل برعکس کیا۔ اس نے گرجستان میں سٹالن کی کاروائیوں پر کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے مہر لگا دی۔

اب لینن تو زندہ درگور تھا۔ وہ بات کرنی چاہتا تھا ٹھوڑی پر رال بہہ کر آجاتی تھی، منہ ہی منہ میں کچھ کہتا تھا بات سمجھ میں نہیں آتی تھی، زندگی اس کے لئے جہنم ہوگئی تھی۔ وہ سُن بھی لیتا تھا، پڑھ بھی لیتا تھا، سمجھ بھی لیتا تھا مگر نہ بول سکتا تھا نہ کچھ کرسکتا تھا۔ بپھرا ہوا سٹالن جب موسکو واپس پہنچا تو لینن کی بیوہ کے سوگ میں ناگہانی خلل پڑا۔ سٹالن نے بیگم لینن کو مجبور کیا کہ وہ اپنے لفظوں کو نگلنے اور سٹالن کے معذرت نامہ کو واپس کرے نیز اُس خط کو تلف کرے جو اس کے نام لکھا گیا تھا اور جس پر لینن کے دستخط ہونے باقی تھے۔ اُس نے بیگم لینن کو ڈرایا کہ وہ ساری پارٹی کے سامنے اس کی مٹی پلید کرے گا اور عورتوں کے معمول کے خلاف اس بیچاری نے ہار مان لی۔

اس وقت سے سٹالن کا حملہ کھلے بندوں ٹراٹسکی کے خلاف شروع ہوگیا۔ اور یہ اس وقت تک نہیں رُکا جب تک ٹراٹسکی روس سے جلاوطن نہ کردیا گیا، سٹالن نے ساری کمیونسٹ پارٹی کی طاقت اپنے ہاتھ میں اکٹھی کرلی تھی اور اب اس نے اسے استعمال کرنا شروع کیا، پارٹی میں ٹراٹسکی کے خلاف ایک اکثریت کھڑی کردی گئی جس میں سے حکومتِ ثلاثہ پیدا ہوئی۔ سٹالن، کامینیف، اور زنوویف، نے کارفرمائی کی طاقت کو ہتھیالیا۔ نیز انھوں نے خوفناک چیکا کی پولیس کے تمام کل پُرزوں پر قبضہ جمالیا۔ اب چونکہ ٹراٹسکی

بے بس ہو گیا تھا اور اس کے منصوبے وہم ہو کر رہ گئے تھے
اسے وہم کی بیماری لگ گئی اور حرارت رہنے لگی جس کا سبب ڈاکٹر
تشخیص کرنے سے معذور رہے ۱۹۲۳ء کے آخر میں اُس نے
قفقاز کے شہر سوخوم میں رہ کر آب و ہوا تبدیل کرنے کا فیصلہ کیا
اور یہ مقام قطعی طور پر راجدھانی اور ستالن سے بہت دُور تھا،
حقیقت میں یہ ایسی جلاوطنی تھی جو اُس نے خود خوشی سے اختیار کی تھی
اگر ماسکو میں رہنے کے لئے حالات موافق ہوتے تو اغلب ہے کہ وہ
وہیں رہتا۔

بارھواں باب

ایک عرصہ تک لوگ لینن کا منھ تکتے رہے مگر اُس کی زبان نہ کھلی۔ اوسن دوسکی کی روایت ہے کہ مرتے وقت اس نے ایک آخری کوشش کی اور وہ منھ ہی منھ میں بولا اور "[redacted]" اور "محبت" لفظ نکلے مگر روایت اس کے خلاف ہے اور ایسا ہونا ناممکن ہی معلوم ہوتا ہے، اس کے دل میں کبھی مذہبی وسوسہ نہیں آیا۔ وہ عقیدۃً ملحد تھا، اور اس کا منکر خدا ہونا واقعی اور صریح تھا۔ مرض انسانی زندگی کا ایک المناک سانحہ ہے جس کا مقابلہ کئے بغیر چارہ نہیں۔ اور اس نے مذہب سے محروم رہ کر اپنی پوری ہمت سے مقابلہ کیا۔ بستر مرگ پر بھی ایک دہریہ کا آخری لفظ دہریت کی رہبری کے لئے ہونا چاہیئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس نے ایک دستاویز چھوڑی جسے اس کی آخری وصیت کہا جاتا ہے۔ یہ اُس کے دنیاوی اثاثے کا ترکہ

نہ تھا بلکہ یہ اس کی سیاسی قوت کی تقسیم کی ایک قسم کی کوشش تھی، یہ دستاویز اب باقی نہیں ہے کیونکہ کمیونسٹ پارٹی کے لیڈروں کی متفقہ رائے سے اسے تلف کر دیا گیا اور گویا یہ سمجھا گیا کہ وہ لکھی ہی نہیں گئی تھی۔ کامریڈوں نے حکومت کی طرف سے شاندار جنازہ اٹھایا، انھوں نے اس کی لاش کو مومیا بنایا (جیسا کہ مصر قدیم میں مومیا بنایا کرتے تھے) اور اس کے لئے ایک نہایت شاندار مقبرہ اور زیارت گاہ تعمیر کی، گویا کہ انھوں نے اسے الحاد کا سب سے پہلا ولی قرار دیا اور اس کی قبر کو ایک تیرتھ بنا دیا۔ مگر انھوں نے اس کی وصیت کو باقی نہیں چھوڑا۔

یہ تقاضائے بشریت سے کیا گیا، اس نے اپنی وصیت میں کسی جانشین کا انتخاب تو کیا نہ تھا بلکہ ہر لیڈر کو نام بنام رنجیدہ کیا تھا۔ محترم ایلیچ (لینن کا اصلی نام) کی وصیت کا پڑھا جانا پارٹی کے غور و خوض کے لئے ایک دلچسپ موقع بن گیا تھا۔ لینن کی موت نے پارٹی کے اندرونی اختلافات پر جذبات کا پردہ ڈال دیا تھا۔ بظاہر تو اس سے اتحاد پیدا ہو گیا تھا مگر درحقیقت بات جہاں تھی وہیں رہی، ستالن نے ترائسکی کو موت کی خبر تار کے ذریعہ بھیجی، مگر وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ ترائسکی ساری فوج ساتھ لے کے فوراً آن پہنچے اور اس لئے اس نے اسے مشورہ دیا کہ وہ وہیں رہے اور اپنا معالجہ جاری رکھے۔ ترائسکی کو اس وقت تک یہ طاقت حاصل تھی کہ اگر وہ چاہتا تو فوج کی مدد سے قبضہ کر لیتا مگر ستالن نے خطرہ جتنا سمجھا غالباً اتنا نہ تھا

ترائسکی میں یہ مادہ نہیں تھا کہ وہ بڑے موقعوں سے فائدہ

اٹھالے، بجائے اس کے کہ وہ موسکو میں واپس آتا وہ سوکھوم کے پام کے جھنڈ میں بیٹھا تذبذب کے عالم میں تلملایا کیا۔

مرکزی کمیٹی کی جانب سے ایک وفد آیا جس میں فرونزے اور ٹومسکی اور دوسرے شریک تھے، انھوں نے سوکھوم پہنچکر اس کو محکمہ جنگ میں خاص خاص تغیر و تبدل کرنے کے سلسلہ میں اشتراک عمل کی دعوت دی، ترانسکی کہتا ہے "یہ نرا ڈھونگ تھا، محکمۂ جنگ کے افسران کو میرے پیچھے دھڑا دھڑ کچھ عرصہ سے الٹ پلٹ کیا جارہا تھا، ستالن ترانسکی کے دوستوں کو زور شور سے الگ کرنے میں لگا ہوا تھا، اور ان کی جگہیں زار تسن کے سورماؤں سے بھری جارہی تھیں اور یہودی لیڈر نے واقعات کو اپنی رفتار سے بڑھنے دیا۔

فرونزے جو اس کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سنٹرل ایشیا کے ایک شہر پشپیک کا یہودی تھا۔ شہر پشپیک کا نیا نام فرونزے کے نام پر رکھا گیا۔ ستالن نے پھر ایک یہودی ہی کو یہودی کے خلاف استعمال کیا، اہل غرض رائی کا پہاڑ بنا لیا کرتا ہے، فرونزے کو یہ نظر آنے لگا تھا کہ ترانسکی کی بجائے اُسے جنگی وزارت کے لئے نامزد کر دیا گیا ہے، بالآخر جب ترانسکی موسکو پہنچا تو اسے یہ پتہ چلا کہ ابھی تک اسے اتنی فوجی حمایت حاصل تھی کہ وہ چاہتا تو زبردستی فوجی قبضہ کر سکتا تھا مگر فرونزے اُس کی راہ میں ایک خطرناک رکاوٹ ہوگیا تھا۔ ترانسکی نے لینن کی آخری وصیت کے پڑھے جانے تک انتظار کرنے کو ترجیح دی، اس نے سوچا کہ اگر لینن نے مجھے اپنا جانشین حکومت قرار دے دیا ہے تو بجائے اس کے کہ روس کو کشت و خون کر کے قبضہ میں لاؤں، عام قبولیت

کے ذریعہ سے سیاسی طور پر جیت جاؤں گا۔

درحقیقت وصیت ستالن اور کامینیف کے ہاتھ میں تھی اور اغلب ہے کہ پڑھنے سے پہلے ہی اُن کو یہ معلوم تھا کہ اس میں کیا لکھا ہے رازانوف نے جو مولوتوف کا اسسٹنٹ سکرٹری مقرر ہوا تھا، وصیت کے پڑھے جانے کے دوران میں ستالن کے چہرے کی جو کیفیت ہوئی یوں بیان کی۔ "وہ صدارتی بنچ پر دبکا ہوا بیٹھا تھا اور اس کی پژمردگی قابل رحم نظر آتی تھی۔ میں اُسے غور سے دیکھ رہا تھا، باوجود ضبط اور مصنوعی سکون کے یہ صاف نظر آرہا تھا کہ وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ قسمت کی بازی لگی ہوئی ہے۔" تمام جسم پر کشمکش کا کھچاؤ طاری تھا اور اب دیکھئے کیا ہوتا ہے" جلی حروف میں لکھا ہوا تھا"

وہ الفاظ جو لینن نے ستالن کے متعلق لکھے تھے پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے سامنے کامینیف نے سنائے جو اس دستاویز کو پڑھ رہا تھا ہم پہلے ہی لکھ آئے ہیں کہ لینن نے لکھا تھا کہ "ستالن بہت ہی اکھڑ ہے اور اس کا یہ ارادہ تھا کہ وہ کامریڈوں کے سامنے یہ تجویز پیش کرے کہ اُسے پارٹی کے سکرٹری کے عہدہ سے ہٹا دیا جائے" لینن کا کھلا منشا یہ تھا کہ وہ کامریڈوں کو ستالن کی جانب سے متنبہ کردے، مگر الزام اس حد تک نہیں گیا کہ کارگر ہوتا، بلکہ نہ تو ستالن کی مستقل طور پر پارٹی کی طرفداری کرنے پر حرف آتا تھا اور نہ اس کا لینن کے ساتھ وفادار رہنا شبہ میں پڑتا تھا۔

لینن نے کامینیف اور زموریف دونوں کی طرف اس قسم کی بے توجہی برتی تھی کہ گویا وہ حقیقت میں صدارت کی اہلیت ہی نہیں رکھتے

تھے اور اُن کے ناموں پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت نہیں۔ اُس نے اُن کے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے دوران میں تذبذب ہونے کا حوالہ دیا تھا اور یہی انھیں ختم کر دینے کو کافی تھا، رہا ٹراٹسکی تو اس کے متعلق لینن نے جو کچھ کہا وہ صاف نہ تھا۔ یہ اغلب ہے کہ یہ وصیت اس وقت لکھی گئی تھی۔ جب سٹالن پر لینن کا غیض و غضب انتہا کو نہیں پہنچا تھا یہ بھی ممکن ہے کہ ساری دستاویز ایک ہی نشست میں نہ لکھی گئی ہو۔ فالج کا دوسرا دورہ پڑنے سے ذرا ہی پہلے وہ ٹراٹسکی کے اس قدر قریب آچکا تھا کہ وہ اس کے متعلق کوئی صاف فیصلہ کر سکتا تھا۔

کامینیف نے جو فقرہ پڑھا یہ تھا "کامریڈ ٹراٹسکی اور سٹالن موجودہ ورکنگ کمیٹی میں دو قابل ترین شخص ہیں، اُن کی باہمی رقابت سے خواہ مخواہ پھوٹ پڑنے کا احتمال ہے۔ کامریڈ ٹراٹسکی شاید تمام لیڈروں میں سب سے زیادہ ذہین ہے مگر اس میں خود پسندی حد سے بڑھی ہوئی ہے اور پھر وہ بولشویک بھی نہیں ہے"

یہ آخری فقرہ ٹراٹسکی کے حق میں سم قاتل ثابت ہوا۔ سٹالن نے تو ناک ہی پر ایک مکہ کھایا مگر ٹراٹسکی کے تو ٹھیک ناف پر بیٹھا۔ ٹراٹسکی (حالات کو بیان کرتے ہوئے) اس مسئلہ کو کہ لینن اس پر پوری طرح اعتماد نہیں کرتا تھا نظر انداز کر دیتا ہے، ٹراٹسکی اپنی خود نوشتہ سوانح میں جولائی ۱۹۱۹ء کا ایک واقعہ بیان کرتا ہے کہ جب لینن نے کورا کاغذ دستخط کر کے اس کے حوالہ کر دیا تھا جو ایک قسم کا حکمنامہ تھا جس پر لینن نے دستخط کر دیئے تھے مگر حکم لکھنے کے لئے جگہ خالی چھوڑ دی تھی اس پر ٹراٹسکی جو چاہتا لکھ سکتا تھا لینن نے کہا تھا "اس قسم کے کاغذ تم جتنے چاہو لے سکتے ہو" اور یہ

یقینی امر ہے کہ اس قسم کا کورا دستخط شدہ حکم لینن ستالن کو کبھی نہ دیتا، ایسا کرنا بڑا خطرناک ہوتا، ممکن ہے کہ تراتسکی کو خوش کرنے کے لئے ایسا کیا گیا ہو کیونکہ تراتسکی کی خود پسندی کو ہر وقت اس قسم کی غذا کی ضرورت رہتی تھی، تراتسکی اس قسم کے دستاویزوں کا استعمال تو کیا کرتا البتہ وہ اس بات سے خوش ہو جاتا کہ اس کی "بادشاہ کی طرف سے عزت افزائی کی گئی" ماکسیم گورکی کا بیان ہے کہ لینن تراتسکی کی تنظیمانہ قابلیت کا بڑا قائل تھا مگر یہ بھی کہتا تھا کہ "باوجود اس کے وہ ہم میں سے نہیں ہے" ہمارے ساتھ ہے مگر ہم میں سے نہیں ہے۔ اس کی طبیعت میں حرص و ہوا ہے اس میں کچھ اساں (ایک شخص کا نام ہے) کی سی بات ہے، کوئی ایسی بات ہے جس میں بھلائی کا پہلو نظر نہیں آتا۔"

اب تراتسکی کے لئے موقعہ آیا تھا کہ وہ کھڑے ہو کے ایک زبردست تقریر کرتا اور اپنی شخصیت کے بل اور حامیوں کے بوتے پر لیڈری ہاتھ میں لے لیتا، مگر زنوویف نے پہلے ہی سے ایسا ڈھنگ ڈالا کہ بحث فقط ستالن ہی کے نام تک محدود رہی، ستالن نے کھڑے ہو کر کامریڈوں کو مخاطب کیا "میں جانتا ہوں کہ مجھ میں تیزی اور اکھڑپن ہے۔ مگر اب اس کا کیا بناؤ گے میں پیدا ہی ایسا ہوا تھا" اور اس کا تالیوں سے استقبال ہوا،

زنوویف نے کمیٹی کے سامنے ایک فصیح و بلیغ تقریر کی، اس نے کہا "کسی شخص کے دل میں شبہ نہیں کہ لینن کا ہر ہر حرف ہمارے لئے قانون کا حکم رکھتا ہے مگر ایک معاملہ ایسا ہے جس میں ہمیں خوشی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اس کے احتمالات کی تصدیق نہیں ہوئی، میں

پارٹی کے جنرل سکرٹری کے معاملہ کا ذکر کر رہا ہوں"

کامینیف نے زنوویف کی تائید کی، ترائسکی نے زبان نہیں کھولی اور محض اس پر اکتفا کی کہ بیٹھا ہوا حقارت سے منہ بناتا اور حرکات وسکنات کرتا رہا۔ اس امر کی بحث کہ لینن کے مشورے کے مطابق سٹالن کو برطرف کیا جائے، ٹال دی گئی اور غیر رسمی طریقہ پر ہاتھ اٹھا کے بحث کے ختم کرنے کا فیصلہ کر دیا گیا،

وصیت سے ترائسکی کو کوئی سیاسی یا اخلاقی فائدہ نہیں پہنچتا تھا، اس کے لئے سٹالن پر وار کرنے کا موقع آیا تھا مگر یا تو وہ لینن کے الفاظ سے مفلوج ہو گیا یا سرے سے اس میں دم خم ہی نہ تھا، جہاں تک وصیت کا تعلق تھا اس کے حق میں وہ ایک ردی کاغذ سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی اور اسے اس تجویز پر کوئی اعتراض نہ تھا کہ اس کا وجود تمام پارٹی اور روس کے لوگوں سے چھپایا جائے۔ جب پیرس اور برلن میں جلاوطنوں کے اخبارات نے سماعی طور پر اس کے مضمون کے راز کو ظاہر کیا تو ترائسکی نے ذمہ دارانہ حیثیت سے اس امر سے انکار کیا کہ کوئی اس قسم کی دستاویز نہیں تھی، اب اپنی خود نوشتہ سوانح میں ترائسکی اپنے خیال کے مطابق اس وصیت کا مضمون بیان کرتا ہے اور ترائسکی کے بیان کے مطابق خلاصہ یہ ہے کہ پارٹی کی پھوٹ بچانے کے لئے سٹالن کو الگ کر دیا جائے اگر ایسا تھا تو اس نے اس پر زور کیوں نہیں دیا؟

چالاک سٹالن نے اس پر اکتفا نہیں کی کہ اس کے علیحدہ کئے جانے کے مسئلہ کو دبا دیا گیا۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے دھونس جمائی، پارٹی کی تیرھویں کانگریس جون میں ہوئی اور اس کے کچھ ہی بعد سنٹرل

کمیٹی کے پورے اجلاس میں سٹالن نے یہ اصرار درخواست کی کہ اُسے سُبکدوش کیا جائے، اور ٹراٹسکی، کامینیف، زنوویف اور تمام مقامی پارٹیوں کے ڈیلیگیٹوں نے اس سے بدستور کام کرتے رہنے کی درخواست کی اور اس طرح وہ پارٹی کی رائے کے مطابق بدستور قایم رہا۔ اگلے سال پھر سٹالن نے یہ خوب اچھی طرح جانتے ہوئے کہ کوئی اس بات پر کان نہیں دھرے گا یہی عمل پھر دہرایا۔

جب ٹراٹسکی سے کسی ایک دوست نے سٹالن کی تعریف کرنے کو کہا تو اس نے جواب دیا۔

"سٹالن پارٹی میں اوسط درجہ کے دماغ کا آدمی ہے"

ٹراٹسکی کا مطلب اس طرح سمجھنا چاہیئے کہ ایک اوسط درجہ کا دماغ رکھنے والا شخص ایک ہوشیار تاش کا کھلاڑی ہو سکتا ہے۔ ٹراٹسکی نے سٹالن کے متعلق نجارین کی رائے بھی بتائی ہے "سٹالن کی پہلی خصوصیت تو اس کی کاہلی ہے اور دوسرے بے پناہ جذبۂ حسد"

ٹراٹسکی کہتا ہے کہ اس میں دوسرے یا تیسرے درجہ کے نائب ہو کر کام کرنے کی اہلیت تھی، وہ خاص طور پر ذکر کرتا ہے کہ سٹالن ناتربیت یافتہ ہے اور اسے کوئی غیر زبان نہیں آتی۔ اپنے بارے میں ٹراٹسکی کی رائے اونچی سے اونچی ہے۔ انقلاب کے سلسلہ میں وہ اپنے آپ کو لینن کا ہمسر تصور کرتا تھا "میری اپنی رائے تھی اور فیصلے ایک دفعہ ہو جاتے تھے ان کو پورا کرنے کے لئے میرے اپنے طریقے تھے، لینن کو یہ خوب معلوم تھا اور اس کا احترام کرتا تھا، اسی وجہ سے وہ خوب اچھی طرح جانتا تھا کہ میں فرمائشیں پوری کرنے کے لئے نہیں بنا تھا، جب کبھی اُسے

یہ ضرورت ہوتی تھی کہ اس کی ہدایتوں کے مطابق عمل درآمد ہو تو اُس کی نظر اوروں پر جاتی تھی" (یعنی) اس کی نظر اس کا اہل وجود ستالن پر پڑتی تھی اس موقع پر یہ کہنا ضروری ہے کہ جو خدمت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں وہ عموماً بہ نسبت اُن کے جو ایسا کرنے کو تیار نہیں ہوتے اکثر بہت دور تک پہنچ جاتے ہیں۔

ترائسکی کا انقلاب کی کمتر درجہ کی ہستیوں کو حقارت سے دیکھنا اور خود مغرورانہ طریقہ پر الگ رہنا، اس کا خود ہاتھ پاؤں نہ ہلانا اور ہر چیز پر ناک چڑھاتے رہنا، اس کے ذرا بھی کام نہ آیا۔ ستالن کی شخصیت میں اس کا حریف اور رقیب موجود تھا، ترائسکی اور ستالن دونوں کے ہاتھ روس کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ایک سماجی لڑائی میں گھرے ہوئے تھے اور اب وہ ایک دوسرے سے بھی برسرپیکار تھے۔ یہ ایک واقعہ تھا جس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی تھی۔

یہ طے ہو جانے کے بعد کہ ستالن پارٹی کا جنرل سکرٹری رہے گا اُس نے بڑے شد و مد سے پارٹی کے کل پرزوں کو اپنا آلۂ کار بنانا شروع کر دیا، وہ وقت آنے والا تھا جب ترائسکی کی طرح وہ زنوویف اور کامینیف کو بھی ٹھکانے لگا دے۔ مگر ابھی وہ ترائسکی سے فراغت نہیں پا چکا تھا۔ ترائسکی کے جوشیلے مداحوں کی ایک کثیر تعداد موجود تھی، ان میں سے بعض ترائسکی سے زیادہ جھڑپ کے لئے تیار تھے۔ وہ اپنی طاقتیں جمع کر رہے تھے سازش میں مصروف تھے، معلوم ایسا ہوتا تھا کہ شاید ترائسکی کو اپنی مرضی کے خلاف ہی اپنے سفید گھوڑے پر پھر سوار ہو کر چوکڑی بھرے ہوئے مخالفین کے مقابلہ میں فاتحانہ انداز میں کودنے اور نچانے

ہوئے نکلنا پڑے گا۔ ایسے بھی دن آئے کہ جب حالات نازک بنے ہوئے تھے،

واسیدوفسکی کہتا ہے" دو ہفتہ تک ہم سب انقلاب کے منتظر تھے، (ہم خیال کرتے تھے) کہ تراتسکی شاید پلٹو تسکی کی طرح زمام حکومت جھپٹ لے گا۔ بلا مبالغہ یہ منٹوں کا سوال تھا۔ اوفیسن کے اس خط سے جو اس نے پولیٹ بیورو کو لکھا تھا کہ اگر تراتسکی پر کسی نے ہاتھ ڈالا تو ساری سرخ فوج اس کو بچانے کے لئے کھڑی ہو جائے گی ستالن کا گروہ بہت گھبرا گیا تھا۔ منٹ کے منٹ میں آفت برپا ہو سکتی تھی، مگر تراتسکی ٹھرڈ دلا نکلا، ستالن نے فرونز کو شہر خارکوف سے بلوالیا، تھوڑے ہی وقت میں خطرہ نکل گیا، اور تراتسکی کی بات بہت بری طرح بگڑ گئی"

مگر تراتسکی کی داستان یہاں ختم نہیں ہوئی، جہاں تک انقلاب کا واسطہ تھا جو نام سب سے زیادہ مرحوم لینن کے نام کے ساتھ لیا جاتا تھا وہ اس کا تھا، ابھی تک لینن اور تراتسکی کے نام انقلاب کے مترادف تھے ضرورت اس کی تھی کہ، تراتسکی کی راسخ الاعتقادی اور اس کے قابل اعتماد ہونے کو شک میں ڈالا جائے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ لینن کی عظمت اور اس کی شخصیت کے عدیم المثال ہونے کو بڑھا کر دکھایا جائے، لینن گراد، موسکو اور صوبوں میں بیسیوں خفیہ کانفرنسیں تراتسکی کے معاملہ پر غور کرنے کے لئے ہو چکی تھیں، تراتسکی کہتا ہے جب خفیہ تیاریاں ہو چکیں تو 'پروودا' (اخبار کا نام) کے ایک اشارے پر تمام جلسوں اور اخبارات کے صفحوں اور کالموں میں ایک ہی وقت میں "تراتسکیت" کے خلاف ایک جہاد شروع ہو گیا، یہ ایک قسم کا

بڑا ہی شاندار نظارہ تھا ..... پارٹی کے ایک بڑے گروہ کو یہ بہت ہی شاق گزرا، میں بخار میں مبتلا بستر علالت پر تھا اور خاموش رہا" یہ ۱۹۲۴ء کے موسم خزاں کا قصہ ہے، ٹراٹسکی نے انقلاب میں جو حصہ لیا تھا اگر اس کی صفائی معقول طریقہ پر پیش کی جاتی جیسا کہ نہیں ہوا تب بھی انقلاب کے ساتھ اسے جو نسبت تھی وہ معرض شک میں پڑ چکی تھی۔ اُس کی داستان ایک حد تک تر کی جا چکی تھی، اور اسی کے ساتھ ساتھ لینن کی عظمت کو مبالغہ کے ساتھ بڑھانے کے لئے سازش کام کر رہی تھی۔ لینن کی لاش درشنوں کے لئے رکھی ہوئی تھی وہی لاش جسے خوشبودار مسالوں وغیرہ سے محفوظ کیا جا چکا تھا۔ (اور فیصلہ ہو گیا تھا کہ) اُسے ہمیشہ اسی طریقہ سے رہنے دینا چاہیئے، (یہ بھی) طے ہو چکا تھا کہ سرخ چوک میں لینن کے لئے ایک عالی شان مقبرہ تیار کرنا چاہیئے جو حضرت عیسیٰ کی زیارت کا جواب ہو ٹراٹسکی نے احتجاج کیا (کیونکہ) ایک سوشلسٹ انقلاب میں کوئی شخص اتنا بلند مرتبہ نہیں بنایا جا سکتا تھا جتنا وہ لینن کو بنا رہے تھے، ٹراٹسکی کہتا ہے "لینن کی لاش کو میرے مقابلہ میں استعمال کیا گیا" بیشک سٹالن اس کا انتظام کر رہا تھا کہ انقلاب کی تاریخ میں ٹراٹسکی جیسے کسی شخص کا نام لینن کے ساتھ نہ لیا جا سکے۔

سٹالن نے اس سے بھی زیادہ کیا، اُس نے لینن کی کتابوں کو انقلاب کی بائبل بنا دیا۔ یعنی ایک قسم کا مقدس کلام غیب اور اس معاملہ میں وہ لینن ازم، (وہ مذہب سیاسی جو لینن کے خیالات سے وابستہ ہے) کی روح کے خلاف گیا، کیونکہ لینن تو انقلاب کو جمہوری بنانا چاہتا تھا، اس کی رائے میں ایک آدمی کے مقابلہ میں دو کا مشورہ قابل ترجیح

تھا، وہ کسی کا مرید کو بھی خارج کرنا دل سے ناپسند کرتا تھا، اس کا یہ خیال تھا کہ پارٹی کو اپنی اجتماعی فہم و فراست استعمال کرنی چاہیئے تاکہ وہ ایک شخص کی رہبری پر انحصار کرے۔ مگر سٹالن نے اپنی اغراض کے لئے بولشویزم کو ایک بے لچک مذہب بنا دیا، اس کی عالم شباب کی مذہبی تعلیم نے شاید اس کے دل میں یہ خیال ڈالا ہو، گویا وہ لینن کے احکام شرعی مرتب کر رہا تھا "یعنی میں تیرا خدا ئے بزرگ ہوں اور تو میرے ساتھ ہرگز دوسرے خداؤں کو شریک نہیں کرنے پائے گا، ٹراٹسکی کے حامیوں کے لئے کوئی جگہ باقی نہ رہی، یعنی یا تو کوئی شخص مذہب لینن ازم کا قائل ہو سکتا ہے یا سوویت کا دشمن۔

آئندہ جنوری میں ٹراٹسکی کو عوام الناس کی وزارتِ جنگ (People's Commissionary for War) کے فرایض کی انجام دہی سے سبکدوش کر دیا گیا۔

تیرھواں باب

اتحادِ ثلاثہ (یعنی ستالن، زنوویف، کامینیف) جس کی تائید میں زرزنسکی۔ بخارن اور ذرجنسکی مولوتوف، بوبنوف اور دوسرے تھے اب مکمل طریقہ پر قابو یافتہ ہو گیا تھا، لینن کا ایک جانشین تلاش کر کے نکال لیا گیا یعنی کامریڈ ریکوف جس میں ایک ہونہار حاکم (ایڈمنسٹریٹر) بننے کی قابلیت موجود تھی، مگر اس کی شہرت اس وجہ سے بہت زیادہ تھی کہ اسے جام و سبو سے عشق تھا، (یہاں تک کہ) ودد کا یعنی روسی شراب کو عامیانہ زبان میں ریکوفسکا کہنے لگے، عامیان تراتسکی نے جو پارٹی کے اندر ہی موجود تھے خفیہ طور پر مقابلہ کرنے کے انتظام پر غور کرنے کے لئے جلسہ کیا جن پر دوسری طرف سے جاسوسوں کی گہری نگاہیں گڑی ہوئی تھیں، اب جو زنوویف اور کامینیف کو یہ نظر آیا کہ تراتسکی پر فتح حاصل ہو چکی تو انھوں نے سوچنا شروع کیا کہ ستالن سے میدان کس طرح صاف کیا جائے

وہ ستالن کے مخلص پیرو تو تھے نہیں اور انھیں یقین تھا کہ اگر

پارٹی میں رائے شماری کی نوبت آگئی تو بڑی تعداد ان کے ساتھ ہوگی اگر کسی وقت تراتسکی کے ساتھیوں کے ووٹوں سے فائدہ اٹھالیا جائے تو ہم جیت جائیں گے۔

ستالن کے دل میں یہ خیال تھا کہ اُن کے لیے تراتسکی کے حلقۂ اثر میں جانا ناممکن کر دیا ہے، اُس نے تراتسکی کو زیادہ تر اُن ہی کی زبان سے برا بھلا کہلوایا تھا، "زنوویف نے ۱۹۲۵ء میں کھلے بندوں کہا تھا کہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ بولشویک پارٹی کے اندر تراتسکی کے عقائد کی کوئی جگہ ہے تو وہ خود بولشویک نہیں ہے" کامینیف نے بھی قریب قریب اسی زمانہ میں یہ لکھا "پارٹی کے خلاف جو کچھ کارروائیاں کی جارہی ہیں تراتسکی اس کا جھنڈا بن گیا ہے" ہمیں بولشویزم کی مخالفت کی وبا کو ہر ممکن ذریعہ سے دبا دینا چاہیئے" یہ الفاظ پرانی دستاویزات میں بڑی احتیاط سے محفوظ رکھے گئے تھے اور جب اس کے یہ دونوں پرانے ساتھی واقعی طور پر تراتسکی سے جا ملے اور ستالن کے خلاف اُس سے اتحاد کرنے کی کوشش کی تو ستالن نے ان ہی کے الفاظ کو ان کے لئے سمِ قاتل بنا دیا۔

واقعہ یہ تھا کہ زنوویف اور کامینیف کے حامیوں کی تعداد بڑی تیزی سے گھٹ رہی تھی، نوجوان طبقے کے دل میں یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ اُن کا لیڈر ستالن ہے، سرخ روسیوں کے دلوں سے بھی یہودیوں کی مخالفت کا جذبہ نہیں نکالا جا سکتا تھا ان دونوں یہودیوں میں سے ایک کی بھی شخصیت ایسی نہ تھی جس میں ایک وسیع طبقہ کے لئے کشش ہوتی۔ ایک تو یہی بات ان میں تھی کہ انقلاب نے جو عیش و آرام کی زندگی تراتسکی کی بنا دی تھی وہی وہ بھی بسر کر رہے تھے، ستالن نے

اپنی وضع قطع وہی دلاریوں کی سی رکھی، اور اس وجہ سے اس پر یہ الزام نہیں آسکتا تھا کہ اس نے حالات کی تبدیلی سے کوئی ذاتی نفع حاصل کیا ہے، وہ کالر بھی نہیں لگاتا تھا اور کرسئ حکومت پر بھی وہ مزدور ہی معلوم ہوتا تھا، علاوہ بریں نوجوانوں اور پارٹی سے باہر کے آدمیوں کی ہمت افزائی کرکے اُس نے روسیوں کے مخفی جذبۂ قومیت کو اُبھار کے اُن کے دلوں میں گھر کرلیا تھا، اور اُس نے بی۔پی۔یو۔ (جو پورانی چیکا کا نیا نام تھا) کے ذریعے بہتیرے ایسے آدمیوں سے جو اس کے سدِّ راہ تھے میدان صاف کرادیا تھا۔

اُس نے کامینیف اور زنوویف دونوں کو کئی طرح نیچا دکھایا چنانچہ جب اُنھوں نے اگلیا نوف کو اپنا آوردہ بناکے موسکو کی پارٹی کی صدارت کے واسطے پیش کیا تو اُس نے منظوری دینے میں بڑے تامل سے کام لیا، وہ سمجھتے تھے کہ اگلیا نوف اُن کا آدمی ہے دراصل تھا وہ ستالن کا آدمی۔

مئی تک تو تراتسکی کو بغیر عہدہ کے خالی رکھا گیا، پھر یہ جانچنے کی کوشش کی کہ آیا وہ حکومت کے کسی کمتر درجہ پر قناعت کرے گا یا نہیں، فوج تو اس کے ہاتھ سے نکالی جاچکی تھی (اب اس سے پوچھا گیا کہ) وہ (Foreign Concessions) یعنی بیرونی مراعات کے دفتر کا کام کرنا کہاں تک پسند کرے گا، معلوم یہ ہوا کہ اب اس میں بڑا انکسار آچکا تھا، اس نے بیرونی مراعات کے بورڈ کی صدارت خوشی سے منظور کرلی اور واقعہ یہ ہے کہ اب اسے اس کی قابلیت کے لحاظ سے مناسب کام مل گیا بمقابلہ اس کے کہ جنگی فوج کا کام اُس کے ہاتھ

میں رہتا۔ ترا تسکی کی افتادِ طبیعت بین الاقوامی تھی، اسے کسی طرح بھی روسی نہیں کہا جا سکتا تھا، وہ اوّل دن سے ایک ایسے مزاج کا آدمی تھا جو کسی ملک کو اپنا نہ سمجھے، اور اسی ذہنیت کا عنوان انقلاب تھا۔ غالباً لینن جس بات کی سب سے زیادہ قدر کرتا تھا وہ ترا تسکی کی بین الاقوامی وسیع النظری تھی، اس کے نئے عہدہ نے اسے مغرب کی حقیقتوں سے عملی طور پر آشنا کیا، اُس نے اپنے گرد اپنے نئے بین الاقوامی موکل جمع کئے جن میں خاص طور پر کراسین اور راکوفسکی قابل ذکر ہیں۔

کامینیف اور زنوویف بھی بین الاقوامی اتحاد کے سرگرم حامی تھے مگر ستالن کم از کم اس وقت نہیں تھا، اس کی پالیسی اس وقت یہ تھی کہ ملک کو از سرِ نو تعمیر کیا جائے، اور زراعتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی جائے، کامینیف اور زنوویف نے مخالفت کے انداز میں بین الاقوامی اتحاد کے سلسلہ میں تقریریں کیں، مگر یہ مقابل پارٹی کے لوگ بھی ان ہی عناصر سے مرتب ہوئے تھے جو کامینیف کے خمیر میں تھے اور رفتہ رفتہ یہ مقابل پارٹی شخصیت سے معرا ہو کر غائب ہو گئی۔

ستالن نے پارٹی اور پولیٹ بیورو کو ہموار کر کے یہ پایا کہ وہ ان کے خلاف ایک اکثریت کھڑی کر سکتا تھا، اور جونہی کہ انھوں نے اُس کے ذاتی سیاسی منصوبوں کی مخالفت کرنی چاہی اُس نے انھیں اپنا ہاتھ دکھایا۔ ۱۹۲۵ء کے موسم خزاں میں رائیں اُن کے خلاف گئیں اور ان کو عہدوں سے برطرف کر دیا گیا۔

چودھویں کانگریس ستالن کی مٹھی میں تھی اور اس میں اس وقت بھی اتنی طاقت موجود تھی کہ اگر وہ چاہتا تو ترا تسکی کو پارٹی سے نکال دیتا

اُس نے کامریڈوں سے کہا کہ کچھ عرصہ پہلے کامینیف اور زنوویف دونوں نے اس پر یہ زور ڈالا تھا کہ ترانسکی کو نکال باہر کرے" لیکن اُس وقت ہم کامریڈ کامینیف اور زنوویف سے اتفاق نہیں کر سکتے تھے چونکہ ہم یہ جانتے تھے کہ کامریڈوں کو پارٹی کی ممبری سے خارج کرنے کی پالیسی پارٹی کے لئے بڑے خطرے کی بات ہو جائے گی۔ اخراج کا طریقہ ——— یعنی خون بہانا اور اُن کا تقاضہ خون ہی کا تھا ——— خطرناک ہے اور وبا کی طرح پھیلتا ہے، آج ہم ایک کو ہٹاتے ہیں، کل دوسرے کو، تیسرے دن تیسرے کو۔ تو پھر پارٹی میں رہ کون جائے گا؟"

حقیقت میں سٹالن کا منشا یہ تھا کہ وہ ایسا وقت تھا کہ جب ممبروں کا اخراج خطرے سے خالی نہیں تھا، ان لوگوں کے ساتھ جو حکومت کے معاملہ میں اُس کے رقیب بنے ہوئے تھے اُس نے بڑے حزم و احتیاط سے کام لیا، اور اس معاملہ میں اُس نے لینن کے اندیشے کو غلط ثابت کیا، کیونکہ لینن تو یہ سمجھتا تھا کہ سٹالن بہت ہی تیز و تند ہے اور اُس کی طبیعت کا میلان یہ ہے کہ وہ قبل از وقت بندوق داغ دیتا ہے بیشک اُس نے ترانسکی کو ختم کرنے کے موقعہ کو جو جلدی ہی پیدا ہو گیا ہاتھ سے جانے نہیں دیا، مگر اُس نے نہ اسے پارٹی سے الگ کیا، نہ اُسے قتل کرایا گو وہ چاہتا تو ایسا کرانا اس کے لئے مشکل نہ تھا، اُس نے صرف اس پر قناعت کی کہ نظام حکومت سے اسے خارج کر دیا۔

طاقت حاصل کرنے کے لئے زنوویف اور کامینیف اوچھے ہاتھ ڈالتے رہے۔ یہ صاف دکھائی دیتا تھا کہ تذبذب کی وجہ سے وہ صحیح موقعہ کا اندازہ نہ لگا سکتے تھے۔ ان کے دل میں کہیں یہ خیال کام کر رہا تھا کہ بہرکیف ترانسکی

ستالن سے بلند تر انسان ہے، ممکن ہے کہ ترائسکی کی نمائشی حرکات نے (اور وہ ہر وقت بنتا ہی رہتا تھا) انھیں دھوکہ میں ڈال دیا ہو، انھیں ستالن ابھی تک چھوٹا آدمی معلوم ہوتا تھا اور کم ظرف بھی، وہ اس کا ظاہر دیکھتے تھے اور یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ملک کا مستقبل اس کی مٹھی میں ہے اُن کا خیال تھا کہ ستالن بہت جلدی غائب ہو جائے گا۔

مگر اُس وقت ان کو ترائسکی سے زیادہ مدد نہیں ملی، اُسے پھر حرارت رہنے لگی اور وہ ایسے مقام پر چلا گیا جہاں موسم گرم تر ہو اور جہاں کی آب وہوا صحت کے لئے بہتر ہو، زنوویف اور کامینیف پھر رینگتے ہوئے ستالن کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشیمانی کا اظہار کیا، ستالن نے انھیں معاف تو کر دیا مگر فوراً ہی انھیں عہدے نہیں دیئے۔ انھیں سرِ دست ایسی ملازمتوں پر قناعت کرنی پڑی جہاں تنخواہیں تو ہوں مگر کام محض نام کا،

جس حالت کو ترائسکی پہنچ گیا تھا وہ افسوسناک تھی، کھوئی ہوئی جگہ کا انچ بھر وہ واپس نہ لے سکا اور بایں ہمہ مایوسی اس سے برداشت نہیں کی جاتی تھی، اس کے اعصاب پر اس کا بہت ہی برا اثر پڑا، اس میں کوئی کلام نہیں کہ ہر وقت کی دل کی بے چینی نے اس کی صحت کو برباد کر دیا، ظاہر ہے کہ اس کے مرض کا تعلق دماغی حالت سے تھا، ناکامیابی کے عالم میں اُس نے دوستوں سے مڑ کر یہ نہیں آیا کہ زمین میرے پاؤں تلے سے نکل رہی ہے بلکہ یہ کہا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بہت ہی بیمار ہوں۔ اس نے اپنی بیماری سے وہی کام لیا جو کیرنسکی نے لیا تھا، نئے سال یعنی ۱۹۲۶ء میں اسے یہ خیال ہونے لگا کہ مجھے جرمنی جا کر کسی سپشلسٹ یعنی ماہر سے مشورہ کرنا چاہیئے اُس نے اجازت کی درخواست دی، جی۔ پی۔ یو نے سفر کی اجازت نہیں دی

مگر ترا تسکی کو یہ معلوم ہوا کہ ابھی تک اس کا اتنا اثر ہے کہ وہ ان کے اعتراض کو ٹھکرا سکتا ہے، وہ برکن گیا اور ڈاکٹروں سے جا کر اُس نے اپنی حرارت کا ذکر کیا، اُنھوں نے اُس کے گلے کے غدود نکال دیئے مگر حرارت پھر بھی نہ گئی۔ یہ حرارت ایک طویل عرصہ تک قائم رہی اگرچہ نہ بظاہر اُس کا کوئی سبب معلوم ہوتا تھا اور نہ اس کی کوئی قابل اعتبار تشخیص ہو سکتی تھی، مگر جرمنی جانا اُس سُرخ لیڈر کے لئے ایک معنوی دوا ثابت ہوا وہ روس تر و تازہ ہو کر واپس آیا اور اُس نے حکومت کے معاملات میں شد و مد سے مداخلت کرنی شروع کر دی۔

مئی ۱۹۲۶ء کی جنرل سٹرائیک (عام ہڑتال) کے آخر میں برٹش ٹریڈ یونین کانگریس کا جو رویہ رہا اُس سے ترا تسکی کو یقین ہو گیا کہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کو برطانیہ اعظم کے ٹریڈ یونین کے لیڈروں سے قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔ زنوویف کچھ عرصہ مذبذب رہنے کے بعد پھر ترا تسکی سے آملا۔ ستالن کے خلاف سخت ایجی ٹیشن شروع ہو گئی اور گرجستانی نے آزادئ تقریر کا گلا گھونٹنے کے لئے ہر اس ذریعہ کو استعمال کیا جو اس کے اختیار میں تھا، ترا تسکی کے حامیوں نے خفیہ طور پر اس غرض کے لئے جلسہ کیا کہ وہ اپنا ایک پروگرام بنائیں اور پارٹی کے اندر ہی ایک اور پارٹی کھڑی کریں، مزدور طبقہ کی مزدوریوں کو بڑھانے اور غریب کسانوں کے ٹیکس کو منسوخ کرنے کی تجاویز سے انھیں یہ امید تھی کہ ملک اُن کے قابو میں آجائے گا۔ دوسری پارٹی کے لیڈروں نے سرکاری اسمبلیوں میں ہر موقعہ پر تھ بندی کی تقریریں کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہیں چھوڑا یہ تقریریں کبھی کبھی چھپ بھی گئیں اور عوام میں بھی ان پر بحث و مباحثے

ہوئے، یہ بات کمیونسٹ پارٹی کے فیصلہ کے خلاف تھی مگر ستالن بھی اس سازش کے معاملہ میں چپکا نہیں بیٹھا رہا (ستالن کا مقولہ تھا) "دو پارٹیاں نہیں رہ سکتیں صرف ایک پارٹی رہ سکتی ہے جس طرح لینن کے حامی اور ٹراٹسکی کے حامی ایک نہیں ہو سکتے۔ روس میں اگر پارٹی ہے تو صرف لینن کی۔ اس نے پارٹی کو مخالفین کے ختم کرنے کے لئے تیار کیا اور اکتوبر ۱۹۲۶ء میں مخالف جماعتوں میں مقابلہ ٹھن گیا۔ زبردست اکثریت کے مقابلہ میں اور اس دھمکی کی وجہ سے کہ انھیں بالکل پارٹی سے خارج کر دیا جائے گا مخالفین نے ہتھیار ڈال دئے، ٹراٹسکی کہتا ہے کہ "مخالفین یعنی میری پارٹی پسپائی پر مجبور ہو گئی" اور اس نے اسے عارضی "امان" کہا ہے۔

اس مرتبہ ٹراٹسکی موقعہ ہی پر موجود رہا کہ شاید پھر کوئی صورت نکلے چنانچہ یہ موقعہ اس وقت نکلا جب ستالن نے انقلاب چین کے دوران میں مداخلت کی، ٹراٹسکی کے کہنے کے مطابق ستالن نے چین کے حالات کو غلط سمجھا اور اس نے ایک غلط چینی لیڈر یعنی چنگ کائی شیک سے اتحاد کیا اور اس طرح چینی مزدوروں کے ساتھ غداری کی، جوش و خروش بہت پھیل گیا اور مخالفین نے ایک دفعہ پھر سر اٹھانے کی جرات کی، پھر بھی مخالفت کرنے والوں کے لیڈر یعنی ٹراٹسکی کی یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس جوش و خروش سے کس طرح فائدہ اٹھایا جائے، غالباً روسی عوام الناس کو کچھ زیادہ پروا نہ تھی کہ چینی کمیونسٹوں کا کیا حشر ہوتا ہے ٹراٹسکی اپنی کتاب The Revolution Betrayed - "انقلاب کے ساتھ غداری" میں لکھتا ہے کہ "۱۹۲۷ء کے آخر میں چینی انقلاب کو ایک جلاد یعنی چنگ کائی شیک نے ذبح کر دیا جس کے ہاتھوں بلا مبالغہ کمیونسٹ انٹرنیشنل نے چینی مزدوروں اور کسانوں کو بیچ ڈالا

سوویت یونین کے عوام الناس پر مایوسی کی اوس پڑ گئی"

کامینیف اور زنوویف نے پھر مخالف پارٹی سے ساز باز کی ٹھیرائی تحریک نے پھر ایک بار قدم جمائے، روس میں ایسی شکایتوں کا طومار تھا۔ جو کسی دوسرے ملک میں نہیں پائی جاتیں، مزدوروں کا فوجی طاقت سے دبانا اور کسانوں کو ڈرانا دھمکانا اس قسم کی باتیں تھیں جن سے ایک بددلی پھیلی ہوئی تھی، اور اگر ترائسکی دیا سلائی دکھا دیتا تو یہ آگ بھڑک اٹھتی، عام لوگوں کی طبیعت پر یہ اثر تھا کہ ترائسکی کے دور میں ان کی حالت اس سے بدتر نہ ہوگی جتنی ستالن کے دور میں ہوگئی تھی، ترائسکی اور زنوویف کے حق میں بازاروں میں مظاہرے کثرت سے ہونے لگے۔ ان میں سے سب سے پہلا جو لینن گراد میں ہوا اس سے تحریک کا ایک نیا نام پڑ گیا زنوویف نے کارخانوں کے مزدوروں کے مرحبا کے نعرے سر جھکا کے قبول کئے اور پرانی راجدھانی کے لفنگوں کی بھیڑ اور سرکاری پریس نے اس کا اور اس کے دوستوں کا نام "لینن گراد کے رکھوا" رکھ دیا

تھوڑی دیر کے لئے تو زنوویف پر اپنی کامیابی کا نشہ سوار ہو گیا مگر ترائسکی نے اس کے جوش پر ٹھنڈا پانی ڈال دیا۔ جیسا کہ ہمیشہ اس کی عادت رہی تھی وہ کھلے میدان میں نکل کر لڑنے سے گھبراتا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ "مظاہرہ سرکاری طاقت کو ہمیں چکنا چور کرنے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس معاملہ میں میرے دماغ میں کوئی موہوم خیالات نہیں تھے ..... یہ سب کچھ برسر اقتدار طبقہ کے دل میں اس ضرورت کے احساس کو اور بھی پکا کر دیتا کہ مخالفین کا جلد سے جلد کام تمام کیا جائے"

لینن گراد کا مظاہرہ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں ہوا، اور بولشویک انقلاب کی دسویں سالگرہ کے موقعہ پر تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اسے موسکو میں دہرایا

گیا۔ مجمعوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ ٹراٹسکی کی موٹر کار پر گولی چلائی گئی، کوئی شخص کلہاڑی ہاتھ میں لے کر پائیدان پر چڑھ گیا اور موٹر کے سامنے کے شیشہ کو چور کر دیا، ٹراٹسکی کو یہ معلوم ہوا کہ اس کے اور اس کے ہمدردوں کے لئے ایک خونی انجام کی تیاری ہے، یہ ممکن ہے کہ اس وقت اس کا خیال ٹھیک ہو، اگر اس وقت وہ کسی باغی فوجی پارٹی کی سرکردگی کا فیصلہ کرتا تب بھی ہار اس کے سامنے تھی، اس نے اس معاملہ میں بہت تاخیر کر دی تھی۔ وہ اس سے ڈرتا تھا کہ کامیابی کے سلسلہ میں ہنگامہ آرائی بڑھ جائے گی، چنانچہ نومبر میں اس نے یہ خواہش کی کہ بڑے بڑے جلسوں کا انتظام نہ کیا جائے۔ سٹالن کا جواب یہ تھا کہ اس نے ٹراٹسکی کو پارٹی سے خارج کر دیا۔ زنوویف نے جلدی ہی ہتھیار ڈال دئے، دسمبر میں پارٹی کی پندرھویں کانگرس کے موقعہ پر سٹالن نے ٹراٹسکی کی پارٹی کا اخراج کرا دیا اور خارج شدہ پارٹی کو انقلاب کا دشمن قرار دے کے جی، پی، یو کے حوالہ کر دیا۔

اب ٹراٹسکی مخالفین انقلاب میں شمار کیا جانے لگا اور یہ یقینی امر ہے کہ اگر اس کے پیروؤں کی تعداد بڑی نہ ہوتی تو اسے گولی سے اڑا دیا جاتا، مگر بجائے اس کے اسے جلاوطن کر کے روسی وسط ایشیا کے ایک دور دراز حصہ میں بھیج دیا گیا۔ جی، پی، یو کے ایجنٹ اس کے مکان پر پہنچے مگر اس نے ان کا خاموش مقابلہ کرنا چاہا، یعنی اس نے کپڑے پہننے چلنے سے انکار کر دیا انھیں اسے زبردستی کپڑے اور جوتے پہنانے پڑے، اسے یہ امید تھی کہ اس کے حق میں مظاہرہ ہوگا اور شاید راستہ میں سٹیشن جاتے ہوئے اسے چھڑا لیا جائے گا۔ مگر پولیس نے اس کی روانگی کے وقت کے متعلق اسے بھی دھوکا دیا اور مجمع کو بھی۔ اسے ماسکو سے تین سو میل پرے آسانی اور

پھر قی سے جلاوطن کر دیا گیا۔

یہ واقعہ جنوری ۱۹۲۸ء میں ہوا۔ ٹراٹسکی پورے سال اپنے دوستوں اور اپنے حامیوں سے بڑے پیمانہ پر خط و کتابت کرتا رہا۔ روس کی مخالف پارٹی کا وہ اب بھی قائد تھا وہ انھیں مشورے دیتا رہا اور اس کی ترقی کی تحریک کرتا رہا۔ سٹالن نے اس کا یہ جواب دیا کہ اس کے پاس پہنچنے والے سب خط روک دیے گئے۔ دسمبر میں اس کے پاس جی۔ پی۔ یو کا ایک ایجنٹ پہنچا اور اس نے اس کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ یا تو وہ مخالفین کی رہبری کرنی بند کر دے ورنہ اسے سیاسی زندگی سے کاٹ کے الگ کر دیا جائے گا۔

ٹراٹسکی کو غالباً یہ معلوم ہوا ہوگا کہ یہ دھمکی خالی خولی ہے (مگر) مرکز حکومت سے تین ہزار میل پرے اسے خط و کتابت سے محروم کر کے ایک کونے میں الگ تھلگ بٹھا دیا گیا۔

ٹراٹسکی نے اس بنیاد پر جواب دینے سے انکار کر دیا کہ پیام زبانی تھا (اس نے کہا) کہ اگر جی۔ پی۔ یو۔ تحریری شرائط بھیجے گی تو اس کا جواب دیا جائے گا" مگر اس نے مرکزی کمیٹی کو اپنے حالات کے متعلق ایک بیان بھیجا۔ بظاہر اس کا یہ خیال تھا کہ جلاوطنی کے بدلے قید ہوگی۔ جی۔ پی۔ یو۔ کا ایجنٹ خط لے کر نہیں گیا، اسے پیامبر کے ہاتھ بھیجا گیا، ایجنٹ بغرض انتظار ٹراٹسکی کی خدمت میں حاضر رہا۔ مہینہ بھر پیچھے وہ ایک مسلح گارد لے کر ٹراٹسکی کے پاس پہنچا، اس کے لئے یو۔ ایس۔ ایس۔ آر یعنی روس کی قلمرو سے جلاوطن کئے جانے کا حکم آچکا تھا۔ کسی شخص نے اس کے بچانے کی کوشش نہیں کی اور ۱۲ فروری ۱۹۲۹ء کو ضدی سرخ لیڈر کو ترکی میں پہنچا دیا گیا۔ ایک دفعہ

وہاں پہنچ جانے کے بعد ترا تسکی نے انگلستان، فرانس یا امریکہ جانا چاہا تاکہ ایک بہتر مقام سے ایجی ٹیشن جاری رکھے۔ مگر ان حکومتوں نے اجازت داخلہ سے انکار کر دیا، اور یہ خانہ بدوش یہودی پھر خانہ بدوشی کرنے لگا۔ وہ ناروے پہنچا، مگر ناروے سے نکال دیا گیا، وہ میکسکو پہنچا۔ ہوتے ہوتے وہ اپنے حامیوں میں بڑے میاں" OLD MAN مشہور ہو گیا، اور قصہ کہانیوں کی سی شخصیت بن گیا،

ستالن کا ذاتی طور پر سازش سے پیچھا چھوٹ گیا مگر اس کی تحریک سے پیچھا نہیں چھوٹا، کیونکہ ترا تسکی نے باہر جا کے چوتھی بین الاقوامی کانفرنس یعنی فورتھ انٹرنیشنل کا اہتمام کرنا شروع کیا تاکہ ایک نیا انقلاب کر کے ستالن کو ہٹایا جائے، اور یہودی بڑے میاں، کو پھر برسر اقتدار لایا جائے[1]

---

(۱) ۱۹۴۰ء میں ترا تسکی کا اس کے میکسیکو کے قیام کے دوران میں ایک شخص نے ہتھوڑے سے سر پاش پاش کر دیا اور یہ ضرب کاری ثابت ہوئی۔ (مترجم)

چودھواں باب

کسانوں کا سوال سٹالن کے ڈکٹیٹر بننے تک انقلاب کے راستہ میں ایک رکاوٹ بنا رہا۔ ایک لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو لینن نے کسانوں کے معاملے کو نظر انداز کیا۔ اس نے پرولتاریہ میں کسانوں کو داخل نہیں کیا۔ اگر وہ ایسا کرتا تو روس میں مزدور طبقہ کی ڈکٹیٹری کے معنی حقیقت میں کسانوں کی حکومت ہونے کیونکہ ایک مزدور کے مقابلہ میں کسان وہاں دس تھے۔ لینن کی یہ رائے تھی کہ کسانوں کی مزدور طبقہ کو مدد پہنچنی چاہیئے اس کا اس پر قابو نہیں ہونا چاہیئے۔ کسانوں کو اچھا کمیونسٹ بنا دینا چاہیئے اور ان سے اُن کی قدیم مذہبیت چھڑانی چاہیئے۔ اور لینن کے زمانہ میں وسیع دیہاتی رقبوں میں زور شور سے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے نشر و اشاعت کی گئی، ان کے دلوں میں رشک کی آگ بھڑکائی گئی، غریب کسانوں کو خوش حال کسانوں کے خلاف اور انھیں جن کے پاس زمین نہ تھی ان کے خلاف جن کے پاس زمین تھی بھڑکایا گیا۔ گاؤں کے گرجا گرا دئے گئے یا انھیں کلب اور سینما بنا دیا گیا،

پادریوں کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ کو منقطع کر دیا گیا تاکہ بڈھے پادریوں کے مرنے کے بعد نوجوان ان کی جگہ لینے والے نہ رہیں، بچوں کی تعلیم پادریوں کے ہاتھ سے نکال کر کمیونسٹ استادوں کے ہاتھ میں دے دی گئی جنھیں اسی غرض سے اسطرح دیہاتوں میں اندر بھیجا گیا تھا۔

لینن کی پالیسی کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بہت کامیاب رہی، جنگجو کمیونزم، یعنی اشتمالیت کے ڈاکوؤں اور کسانوں کے کھیتوں کی لوٹ کھسوٹ نے تمام غریب اور خوش حال کسانوں کو خلاف کر دیا تھا، اور جب نئی اقتصادی پالیسی کو چلایا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ کسانوں نے اپنی پیداوار پھر بیچنی شروع کر دی مگر اس سے خوش حال کسانوں کی تعداد میں اضافہ ہو گیا، ٹیکس از سر نو چلائے ہوئے روپیہ کی صورت میں نقد نہیں وصول کیا جاتا تھا بلکہ جنس کی شکل میں، اور اس وجہ سے کسان پھر خلاف ہو گئے اور گٹ بنا بنا کے طرح طرح کے ہتھکنڈوں پر اتر آئے تھے۔ جنس میں ٹیکس وصول کرنے کا جواب انھوں نے یہ دیا کہ ایک قسم کا غیر منظم بائیکاٹ شروع کر دیا، یعنی کسان صرف اتنا ہی بونے لگے۔ جتنا ان کی ذاتی ضروریات اور مویشیوں کی خوراک کے لئے ضروری تھا، اور شہروں کو یعنی مزدور طبقہ کو گھنی ہوئی رسد پر دن کاٹنے پڑے،

سوویت نے بائیکاٹ کا یہ توڑ کیا کہ حکومت کے اہل کاروں کو ہدایت ہو گئی کہ جتنا غلہ بھی ہاتھ آسکے اسے ضبط کر لیا جائے۔ معاملہ بہت طول پکڑ گیا، کسانوں نے خود تو جیسے تیسے پیٹ بھرا مگر ان کے پاس اتنا نہیں بچا کہ مویشیوں کا بھی پیٹ بھر سکتے، چنانچہ انھوں نے یا تو قصابوں کے ہاتھ جانوروں کو بیچ دیا یا کاٹ کے خود کھا گئے۔ پہلے تو گوشت کی افراط ہو گئی اور اس کے بعد گوشت اور غلہ دونوں کا خوفناک قسم کا توڑا پڑ گیا۔ اور بلا تعداد اشتراکی مبلغ

اور مدرس قتل کر دیے گئے۔ کل کسان بجز ان کے کہ جو بالکل نادار تھے یا جن کا چلن ہی بگڑ چکا تھا موسکو کے دشمن ہو گئے تھے۔ یہ مخالفت خطرناک نہ تھی کیونکہ کسان جتھے بندی کر سکتے تھے اور نہ لڑ سکتے تھے۔ کسی وقت بھی کاشتکاروں کی جنگ، کا خدشہ نہیں پیدا ہوا، کیونکہ بالآخر درانتی مشین گن کا تو مقابلہ نہیں کر سکتی۔ مگر اقتصادی حالات نازک ہو گئے تھے۔ زیر کاشت رقبہ اس رقبہ کے مقابلے میں جو جنگ سے پہلے زیر کاشت تھا تیس فی صدی گھٹ گیا تھا اور پیداوار تو نسبتاً اس سے بہت گھٹی ہوئی تھی۔

جہاں تک دیہات کا تعلق تھا ستالن اور اس کے رفقائے کار کے سامنے کوئی منصوبہ نہ تھا۔ روٹی کے سوال کے سلسلہ میں ان کا کوئی معینہ اصول نہیں تھا بجز اس کے کہ یہ کہہ لیجئے کہ ان کا یہ اصول تھا کہ روٹی تو ملنی ہی چاہیئے ستالن نے لینن سے ایک سبق سیکھا تھا کہ اگر ایک طریقۂ کار کام نہ دے تو اُسے چھوڑ دو اور دوسرا آزماؤ۔ ۱۹۲۴-۲۵ء میں اس نے ایک نئی پالیسی آزمائی، وہ اُن لوگوں کی طرف جھکا جو دائیں بازو کے مخالفین کہلاتے ہیں دائیں بازو والے بخارن، ایکوف، تومسکی، کا یہ عقیدہ تھا کہ خود کھیتی کرنے والے مالکان زمین کو زیادہ سے زیادہ رعائتیں دینے کی پالیسی اختیار کرنی چاہیئے۔ بخارن نے کسانوں کو مشورہ دیا کہ "دولت کماؤ" جو کمیونزم یا اشتمالیت کی سراسر تردید ہے، اس نے کہا "کسانوں دولتمند بنو" خوش حال کسانوں پر جو سختی ہوتی تھی ترک کر دی گئی اور غریب کسانوں کی جنھیں پہلے اپنے آقاؤں پر حملہ کرنے کے لئے اکسایا جاتا تھا اب قدر جاتی رہی۔

۱۹۲۵ء میں پارٹی کی چودھویں کانگریس کے موقعہ پر کاشتکار مالکان کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی ضرورت سے زیادہ زمینوں کو کاشت پر

اٹھائیں اور کھیتوں کے لئے مزدوری پر لیبروں سے کام لیں۔ سٹالن تو اس حد تک چلا گیا کہ اُس نے مزارعوں کے ایک وفد سے یہاں تک کہا کہ چالیس اور چالیس سے زیادہ سال کے پٹوں پر انھیں زمینیں مل سکتی ہیں مگر بائیں بازو والوں کے زور دینے پر جو ترائسکی کے گروہ کے تھے وہ مجبور ہوا کہ ان حیرت انگیز شرائط کو جن سے صریحاً اصول کی قربانی ہوتی تھی واپس لے لے۔

مگر زیادہ خوش حال اور ذمہ دار کاشتکاروں کی حمایت کی پالیسی کئی سال تک ترک نہیں کی گئی۔ زراعت پھلی پھولی، مویشیوں میں اضافہ ہوا، زیر کاشت رقبہ ۳۳ فی صدی بڑھ گیا اور موسکو میں گوشت اور روٹی پھر ملنے لگے،

پنج سالہ تجویز کے ابتدائی قدم اُٹھنے شروع ہو گئے تھے۔ سب سے پہلی تجویز یہ تھی کہ روس میں صنعت و حرفت پھیلائی جائے، نئی صنعت و حرفت کے شروع کرنے اور پرانی صنعت و حرفت کے دوبارہ جاری کرنے کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ ملک کے اندر ہی قرضہ لیا جائے۔ پارٹی نے تمام سیاسی مشینری کو جو اس کے قبضہ میں تھی اس قرضہ کے حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا، یہ کارروائیاں برطانیہ کے ان مالیات کے زمانہ کو یاد دلاتی ہیں جو چارلس اول کی حکومت کے دوران میں نظر آتا تھا جب کہ زبردستی چندے وصول کئے جاتے تھے اور لوگوں سے مالی امداد حاصل کی جاتی تھی۔ مزدور طبقہ کی مزدوریاں کٹیں، اور چھوٹے دوکاندار جی، پی، یو، کی نگرانی میں بونڈ یا گفالتیں لینے پر مجبور کئے گئے۔ ہر ایک شخص جو کچھ فاضل کما لیتا تھا وہ جی، پی، یو، کی نگرانی میں آجاتا تھا اور اُسے منافع اندوزی کے الزام میں گرفتار ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا تھا، یہ حیرت انگیز

الٹی بات نظر آتی تھی کہ ایک کمیونسٹ (اشتمالی) ملک سرمایہ کی تلاش میں تھا، شہروں میں زبردستی چندے وصول کرنے کی پالیسی کامیاب رہی، مگر جب وہ دیہات میں پہنچے تو وسیع پیمانہ پر اُن کا مقابلہ کیا گیا، ایک لاکھ کے قریب دیہاتی سورما نکل آئے جنھوں نے اپنے گاؤں گویں پر چھوٹے موٹے ظلم وستم ڈھانے والوں کا مقابلہ کیا۔ ایک چند سال کی عدم مداخلت سے معمولی اوسط درجہ کے کسانوں کے ہاتھ میں کچھ روپیہ آگیا تھا۔ تھا یونہی سا مگر مفلس روس میں اُسے بھی دولت شمار کیا جا سکتا تھا۔ ان دیہاتی سورماؤں نے اسے حکومت کو جس سے وہ نفرت کرنے لگے تھے روپیہ دینے سے انکار کر دیا، دائیں بازو والی پارٹی کا سارا کرا دھرا خاک میں مل گیا، سٹالن نے اپنے پٹھوؤں کو خوش حال کسانوں سے زبردستی چندے وصول کرنے کے لئے بھیجا جنھوں نے پھر بائیکاٹ شروع کر دیا۔ ان کسانوں نے رقبہ زیر کاشت گھٹا دیا اور مویشی بیچ ڈالے اور تھوڑے ہی عرصہ میں شہروں میں کھانے پینے کی چیزوں کا توڑا پیدا کر دیا، جب شہروں میں لوگ بھوکے مر رہے تھے تو کسانوں نے غلہ اور آلو کو زمینوں میں دبا رکھا تھا اور خود چھپے ڈھکے ذخیرہ پر گزارہ کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ملا کہ لوٹ مار کے دھاوے ہوئے، گرفتاریاں ہوئیں، لوگ گولیوں سے مارا گئے اور ایک ایسی خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو گئی جس میں ایک جماعت ہستی تھی یعنی کسانوں کی جماعت، ایک دفعہ پھر کمیونسٹ پارٹی کو غذا حاصل کرنے کے لئے کشمکش کرنی پڑی، راستہ بند ہو گیا، مزدور طبقہ کتنا ہی گرا ہوا ہو مگر وہ کسانوں کی لاشوں پر گزر کرنے سے رہا، دائیں بازو والی پارٹی دیہات میں دہشت انگیزی کے تو خلاف تھی مگر یہ بھی مشکل تھا کہ خوش حال کسانوں کے پاس جائے جنھیں حقارت سے کولک کہا جاتا تھا اور کہے کہ اچھا بھئی کام چلاتے رہو،

صنعت و حرفت کے پروگرام کا بھی تقاضا تھا کہ غذا کے مسئلہ کا حل نکالا جائے۔ اگر آپ کو بڑے پیمانے پر صنعت کے کارخانے چلانے ہیں تو آپ ایسے مزدوروں کے بل پر نہیں چلا سکتے جنھیں پیٹ بھر کے روٹی بھی نصیب نہ ہوتی ہو اور جنھیں اپنا سارا فرصت کا وقت رسد کے انتظار میں قطاروں میں کھڑے رہ رہ کر گزارنا پڑتا ہو۔

جنوری ۱۹۲۷ء میں تراتسکی تو جلاوطن ہو گیا، اور اس کے بعد ستالن کو دائیں بازو والوں کی مدد کی ضرورت نہیں رہی، اس نے بڑی ترکیب سے مگر خاموشی سے ان لیڈروں کو کسنا شروع کیا، روس میں اُن کے پیچھے بہت بڑی تعداد تھی جو کمیونسٹ انتہا پسندی سے تنگ آ کر حکومتی سرمایہ داری ..... کی طرف آس لگا رہی تھی یا کسی اور ممکن راستہ کی خواہشمند تھی جو پرانے دور اور سوشلزم (اشتراکیت) کو ملا جلا کے نکالا جائے۔ ستالن نے ان لوگوں کی پالیسی کو نچلے درجہ کے متوسط الحال طبقہ کی فراخدلی قرار دیا، اُسے یہ نظر آتا تھا کہ ان لوگوں کی قوت کا انحصار ملک کے نچلے درجہ کے متوسط الحال طبقہ پر ہے جن کا علاوہ خوش حال کسانوں کے پارٹی پر دباؤ پڑتا ہے" دائیں بازو کی کامیابی کا یہ مطلب تھا کہ مزدور طبقہ کو نہتا کر دیا جائے اور دیہات میں سرمایہ دار طبقہ کے ہاتھ مضبوط کئے جائیں جس کا ممکن نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ ریاستہائے متحدہ سوویت روس میں سرمایہ داری کا پھر دور دورہ ہو جائے،

جی۔ پی۔ یو۔ کو متعین کیا گیا کہ وہ اس پروگرام کے ہمدردوں کی نگرانی کرے، اور جب ملک اور پارٹی میں اُن کے ہمدردوں کا خاتمہ ہو گیا تو ستالن نے ان لیڈروں کو بھی ٹھکانے لگا دیا۔ یہ سب کچھ بڑی ہوشیاری سے کیا گیا

توفسکی اور ایکوف جنھیں یہ پتہ ہی نہ چلا کہ ان کے مددگار کیسے غائب ہو گئے چاروں خانے چت زمین پر آ رہے۔ بیچارا شرابی زیکوف جو لینن کا جانشین تھا اور سوفنارکوم کی صدارت پر ناز کرتا تھا اپنی شکست پر بُری طرح رویا مگر اُسے نکلنا پڑا۔ ستالن نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ زیکوف کے نام چار کے اختیار اور سوویتوں کی روسی جمہوریت کے صدر ہونے کی وجہ سے اُسے جو لحاظ کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے اس سے بھی چھٹکارا پائے۔

جب ایک طرف تروتسکی اور دائیں بازو والے اور دوسری طرف زیکوف توسکی اور بائیں بازو والے ختم ہو چکے تو ستالن مرکزی مقام پر آ کر جم گیا اور یہاں اس کی بنیادیں بجائے کسی معینہ پالیسی کے ذاتی اقتدار پر مبنی تھیں، وہ روس کا ڈکٹیٹر ہو گیا اگرچہ انصاف یہ چاہتا ہے کہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ یہ نام اس نے خود نہیں اختیار کیا بلکہ مغرب کے اخبار نویسوں نے اُسے یہ نام دیا۔ وہ اس میں بے حد احتیاط سے کام لیتا تھا کہ اس کی ظاہری وضع قطع اب بھی ایک ایسے کامریڈ کی سی رہے جو حقیر سے حقیر شہری سے برتر تصور نہ ہو چنانچہ نہ تو وہ سوفنارکوم کے جلسوں کی صدارت کرتا تھا اور نہ پارٹی کے پولیٹ بیورو کے جلسہ کی لینن کی کرسی خالی چھوڑ دی جاتی تھی، ممبران بھی سُرخ میز کے گرد اگرد بیٹھ جاتے تھے جس پر ایک سُرخ کپڑا پڑا ہوا تھا، ستالن صدارت نہیں کرتا تھا، صدارت وہ مولوتوف کو کرنے دیتا تھا اور خود اس کے بائیں بیٹھ جاتا تھا۔ بعد ازاں جب مولوتوف اقتصادی کانفرنس کا صدر ہو گیا تو محکمہ رسل و رسائل کا وزیر روستوسکی صدارت کرتا تھا۔ ستالن محض عام ممبروں کی طرح آ کر بیٹھ جایا کرتا تھا اگرچہ سب جانتے تھے کہ انتظامی قوت ساری اسی کے ہاتھ میں ہے۔

کسانوں کا سوال ابھی تک حل نہیں ہوا تھا، آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ منطقی طور پر یہ کہنا مناسب تھا کہ کمیونسٹ پارٹی کو یا تو کاشتکاروں کے مسئلہ کو حل کرنا چاہیئے یا پھر مکمل اقتصادی ناکامیابی سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ سٹالن نے اپنی رہبری کے لئے یا ممکن ہے اپنے ذاتی ارادوں کی تصدیق کے لئے لینن کی تصنیفات الیچ پلیٹس اور اُن میں اُسے جو کچھ دستیاب ہوا ذیل میں درج ہے،

"بڑے پیمانے کی پیداوار کے تمام ذرائع ریاست کے ہاتھ میں ہیں اور ریاست کی تمام قوت مزدور طبقہ کے ہاتھ میں ہے اور اسی مزدور طبقہ کا اتحاد کروڑوں اوسط درجہ کے اور غریب کسانوں سے ہے، اس طرح کسانوں کی رہبری لازمی طور پر مزدور طبقہ کو حاصل ہے ....."

اس سے سٹالن نے جو استنباط کیا وہ یہ تھا کہ کسانوں کے محنت مشقت کرنے والے انبوہ مزدوروں کے طبقہ کی ریزرو، یعنی کوتل فوج ہے" وہ اس سے بھی آگے گیا اور اس نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ ان الفاظ میں تھا۔

مزدور طبقہ جب قوت حاصل کر چکا تو وہ اس کوتل فوج کو اس طریقہ سے استعمال کر سکتا ہے کہ صنعت کو زراعت سے جوڑ دے"

مختصر یہ کہ سٹالن نے یہ فیصلہ کیا کہ کاشتکاروں کو بھی حرفت پیشہ مزدور طبقہ بنا دیا جائے۔ دیہات میں جو نازک حالت پیدا ہو گئی تھی اس سے اُسے مدد ملی، گھوڑے مر چکے تھے، اور اس کا منطقی نتیجہ یہ تھا کہ ٹریکٹروں یعنی مشین کے ہلوں سے کام لیا جائے، یہ تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ گھوڑا (یعنی رویشی) کمیونزم کا حامی نہیں ہوتا مگر ٹریکٹر بالشویت کے لئے بہترین کا آلہ ہے ٹریکٹر گاؤں کی آبادی کو ایک گینگ بنا دیتا ہے یعنی سب لوگ مل کر ایک ہی کام

میں لگ جاتے ہیں اور وہ کمیروں کو صنعتی مزدوروں کے طبقہ میں تبدیل کر دیتا ہے۔ کسان ایک قسم کا کارخانہ ہیں کام کرنے والا مزدور ہو جاتا ہے اور اس کے کھیت اور اس کی مشین یعنی ٹریکٹر اس کی فیکٹری یا کارخانہ بن جاتے ہیں۔

ٹریکٹر کی بنیاد قایم کر کے ایک نیا زراعتی پروگرام شروع کیا گیا۔ زراعتی مشین استعمال کرنے کے لئے روس کی سرزمین اتنی ہی موافق ہے جتنی کینیڈا کی بلکہ کچھ زیادہ، وہ رقبہ جہاں غلہ پیدا ہوتا ہے بہت وسیع ہے اور قریب قریب ایسا ہی ہموار ہے جیسے ایک میز کا سپاٹ تختہ، روس میں بڑے پیمانہ کی زراعت اور غلہ کی بڑی مقدار میں پیداوار کی خاصی صلاحیت ہے۔

سب سے بڑی دقت (اگر وہ کسی طریقہ سے قابو میں آجاتی تو اقتصادی اور سیاسی دونوں مسئلوں کا حل نکل آتا) چھوٹے چھوٹے کسانوں کی ملکیتِ زمین کا مسئلہ تھا۔ تمام کو کسانوں کا بیشتر حصہ زمین پر قابض تھا، ان کا یہ یقین تھا کہ وہ زمین مقبوضہ کے مالک ہیں، کسان علاوہ اپنے مذہبی عقائد اور قبل از مذہب توہمات کے ایک اقتصادی عقیدہ بھی رکھتے تھے اور وہ یہ تھا کہ خدا نے زمین کسانوں کے لئے پیدا کی ہے، زمین کی ملکیت کی بھوک ان کی فطرت میں موجود تھی، جب انقلاب آیا تو ان کے لئے سب سے بڑا دلچسپی کا باعث یہ تھا کہ زمینداروں کی ضبط شدہ زمین کی چھینا جھپٹی کا موقعہ ان کے ہاتھ آئے گا اور جب شمال میں سفید روسیوں کی یورش ہوئی تو کسانوں نے ان سے صرف یہی مطالبہ کیا کہ جن زمینوں پر ہم قابض ہیں وہ ہماری قانوناً ملکیت تسلیم کر لی جائیں۔ جب سرخوں نے خانہ جنگی سے نجات حاصل کی تو کسانوں کی ضبطی املاک عمل میں نہ لا سکے اگرچہ ذاتی ملکیتِ آراضی کو

روا رکھنا۔ ان کے بنیادی اصولوں کے خلاف تھا۔ وہ رواج عام کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے اور انھیں اس موقع کا انتظار کرنا پڑا جب ملک کی تمام زرعی آراضیات کو شاملات دیہہ یا بھائی چارے کی زمین قرار دے دیا جائے، حقیقت میں تو زمین پر قبضہ انھیں کا نظر آتا تھا مگر سیاسی نظریہ کے لحاظ سے وہ کروڑوں کی تعداد میں دخیل کار بلا استحقاق تھے۔

مگر ٹریکٹر چھوٹے کھیتوں کی بوائی جتائی کے مطلب کا نہ تھا کینیڈا میں ایک قطعہ ایک مربع میل کا ہوتا ہے۔ کفایت اس میں رہتی ہے کہ ایک ٹریکٹر بغیر مڑے دس میل تک جتائی کی لیک ڈالتا چلا جائے اور اس سے بھی بہتر یہ ہے کہ بیس ٹریکٹر ایک دوسرے کے متوازی ایک ہی وقت میں بیس میل کی جتائی کریں۔ جتنے بڑے پیمانہ پر کام لیا جائے اتنی ہی زیادہ بچت ہوتی ہے یا تو ٹریکٹر کو ریاست یا حکومت کی زمینوں پر چلانا چاہیے یا کسانوں کے بھائی چارے کے گروہ بنا دینے چاہئیں، فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ تمام روس میں اسے رواج دے دیا جائے، اور روسی انقلاب کے دوران میں سب سے زبردست اقتصادی قدم غالباً اسی فیصلہ کے ذریعہ اٹھایا گیا۔ رعیت داری کی حلقہ بگوشی سے نجات ملنے کے بعد کسانوں کی حالت میں اس فیصلہ نے سب سے بڑی تبدیلی پیدا کر دی،

بھائی چارے یا مشترک کسانوں کے جتے جو مشینوں سے جوتیں بوئیں پنج سالہ تجویز کے غالب عنصر تھے، پہلے تو اُن کا مذاق اڑایا گیا، روس کے پاس نہ ٹریکٹر تھے اور نہ ٹریکٹر بنانے کی مشینری، نیز یہ کہ اس کے پاس اتنا کافی روپیہ بھی موجود نہ تھا کہ وہ زراعتی کلیں کسی بڑے پیمانہ پر خرید سکے، نہ وہاں ایسے آدمی موجود تھے جو کل پرزوں سے کام لے سکتے ہوں اور

نہ مرمت کے کارخانے تھے مگر یہ سب کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی پنج سالہ تجویز کی حمایت کرنے والا ستالن تو موجود تھا یعنی وہ شخص جس کے عزم و استقلال نے انقلاب کو اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔

یہ شاندار تجویز محض باتوں ہی باتوں میں ختم نہیں ہو گئی جیسا کہ عموماً بہت سی روسی تجاویز ہو جایا کرتی ہیں۔ وہ محض ایک کاغذی تجویز نہ تھی، امریکہ اور انگلستان میں ٹریکٹر بڑی تعداد میں خریدے گئے غیر ملکی انجینیر اور دستکار باہر سے بلائے گئے۔ ٹریکٹروں کے بنانے کی مشینیں باہر سے منگوائی گئیں، ٹریکٹر بنانے کے کارخانے قایم کئے گئے پنج سالہ تجویز کے شروع ہونے کے دو سال کے اندر ہی اندر زراعتی پروگرام نے روسی کسانوں کی جو پڑے سو رہے تھے آنکھیں کھول دیں، مالکانہ حقوق رکھنے والے کسانوں کے خلاف تمام ملک میں معرکہ آرائی شروع ہو گئی، ایسے کسانوں کے ساتھ بہت کچھ اٹھا پٹک ہوئی اور انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی زمینیں اشتراکی جتھوں کے سپرد کر دیں، اس تبدیلی کے پیدا کرنے میں دھمکانے اور بائیکاٹ کرنے کے سب ہتھیار برتے گئے اشتمالیت کے ایجنٹوں نے جو شہروں سے آئے تھے محنت مشقت کرنے والے اور شراب سے بچنے والے کسانوں کے مقابلہ میں دیہات میں کاہل وجودوں، لفنگوں، اور ایسوں سے جن کے پاس کوڑی نہ تھی اور بے وقوفوں اور شرابیوں سے دوستی گانٹھی، ساٹھ برس پہلے تک تمام کسان غلام تھے اور مویشیوں کی طرح خرید و فروخت ہوتے تھے، اب یہ نوبت تھی کہ خود اسی رعیت کی اولاد میں آپس میں طبقہ وار جنگ شروع ہو گئی تھی۔ کمیونسٹ یہاں تک جرأت کرنے لگے تھے کہ وہ اس کسان کو

بھی کہ جس کے پاس اپنی دو گائیں ہوں۔ بورژوا یعنی متوسط طبقہ کا آدمی کہنے لگے تھے۔ ایسے کسان کو کولک کہلاتے تھے۔

دیہات میں اس طبقہ وارانہ لڑائی کا بدترین پہلو یہ تھا کہ محنتی کسان اوّل تو چند لاکھ اور پھر لکھوکھا اپنے گھر بار سے الگ کر کے نظر بندی کے کیمپوں میں رکھے گئے اور پھر اس کے بعد اپنی بستیوں سے دور دراز کے مقامات پر پھینک دیئے گئے، انھیں سائبیریا اور بحر منجمد شمالی کے علاقوں میں بھیجا گیا تھا جہاں بہت بڑی تعداد تو بُری طرح سے مر کھپ گئی اور جو بچ رہے انھوں نے غلامی کا طوق پھر اپنے گلے میں پایا۔

حالات کا مشاہدہ کرنے والے غیر ملکی لوگوں نے یہ کہا کہ انقلاب کی کامیابی کی کسوٹی فصلوں کو سمجھنا چاہیئے۔ اگر جدید طریقہ عمل کے اشتمالی جتھوں کی کھیتیوں میں زیادہ پیداوار ہوئی تو سمجھنا چاہیئے کہ پالیسی کامیاب رہی، اوّل اوّل تو نظر نہ آتا تھا کہ کامیابی ہوگی، ستالن پر ایک بڑا نازک وقت آیا۔ اگر اسکا زراعتی تجربہ اقتصادی طور پر ناکامیاب رہتا تو اس کا زوال لازمی نظر آتا تھا

زرعی اشتمالیت کا پہلا نامکمل دور تو قطعی ناکامیاب رہا پنج سالہ تجویز کے پروگرام کا یہ حصہ تو بہت ہی لغو ثابت ہوا، اُن خوش حال کسانوں کے گھر بار والوں کا جنھیں بے دخل کیا گیا تھا رونا جھینکنا ہر ریل کے سٹیشن پر سنائی دیتا تھا۔ شہر کے قحط زدہ لوگ اُن کی اس بپتا کو دیکھ کر یہ سمجھتے تھے کہ یہ اسی کال کے مارے ہیں جو روس میں پڑا ہوا ہے، دائیں اور بائیں بازو کے سیاستدال ستالن کے خلاف آپس میں کانا پھوسیاں کرتے تھے، ترائسکی کے عقیدوں کو یکایک بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، ستالن کے مار ڈالنے اور ایک فوجی ڈکٹیٹری قایم کرنے کے لئے ایک زبردست سازش ہوئی، سازش کا وقت

پتہ چل گیا، مگر ملک کے عام محسوسات اتنے زبردست تھے کہ سٹالن کو یہ جرات نہ ہوئی کہ وہ سازشیوں کو پھانسی پر لٹکائے

اس سازش کا بانی سیرت سوف تھا جس کا یہ مقصد تھا کہ فوج کے سردار واسلی بلوکر کو سوفیت یونین کا ڈکٹیٹر بنا دیا جائے، سوائے سٹالن کے کسی کو نہیں معلوم کہ بلوکر حقیقت میں ہے کون، وہ ایک قسم کا سوفیت کا "لارنس" ہے عام طور پر اس کے متعلق جو کہانی سب سے زیادہ مشہور ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک جرمن افسر ہے جو دوران جنگ میں گرفتار ہوا تھا مگر سائبیریا کے قیام کے دوران میں وہ انقلاب کی رو میں آگیا، اس نے سوفیت کو اپنی خدمات پیش کرنے کا فیصلہ کیا اور اس نے اپنے آپ کو خداداد فوجی قابلیت کا مالک ثابت کیا۔ اس کی شہرت زبردست ہے اور ایک حد تک وہ جائز ہوگی۔ مگر وہ منظر عام سے ہمیشہ بچ کر رہتا ہے اور اس لئے یہ ممکن ہے کہ اس کا ڈکٹیٹر بنانا اوروں کی خواہش کی اختراع ہو، ظاہر ہے کہ اگر زبردستی تختہ پلٹنا مقصود تھا تو انقلاب کی سرکردگی کے واسطے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی جس کا اخلاقی رعب اس شخص سے زیادہ ہو جسے ہٹانا مطلوب تھا۔

سرجی سیتوف نے جو 'سوفنارکم' کا صدر تھا گرفتار ہونے کے بعد بغاوت کی غرض کا انکشاف کیا، اُس نے کہا سٹالن نے کسانوں کو غلام بنایا ہے اُس نے مارکس کے نظریہ کا جس لوٹ مار کی پالیسی سے اطلاق کیا ہے اس سے کسانوں کے گلے میں پھر طوق غلامی پڑ گیا ہے۔"

ریسنیکوف نے سازش کا بھانڈا پھوڑا تھا سیرت کوف کو یورال کے قید خانہ میں بھیجا گیا اور وہاں وہ عام نظروں سے غائب ہوگیا۔ دروشلوف نے بلوکر کے لئے منت سماجت کی کہا جاتا ہے کہ دروشلوف نے اسے بچایا مگر ایسا کہنا دروشلوف کے بھلانے بھانے

کی قوت کو مبالغہ سے دیکھتا ہے، ستالن نے کبھی کسی کا مشورہ نہیں مانا بجز اس کے کہ خود اس کی رائے کی ایسے مشورہ سے تصدیق ہوتی ہو، یہ ناکامیابی کا زمانہ تھا اور ایک ہر دلعزیز سورما کو قتل کرانے کے خطرہ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا، اس نے بلوکر کو مشرق بعید کی فوجوں کی کمان پر واپس بھیجدیا۔ وروشلوف کے نائب تو فاچیفسکی نے فیلڈ مارشل تو اُسے بنا ہی دیا مگر پوربی روس یا موسکو میں اسے معاملات کی رہبری کرنے کا پھر موقع نہیں دیا گیا، اس کے سپرد یہ کام تھا کہ وہ جاپانیوں کے مقابلہ کی تیاریاں کرے اور معلوم یہ ہوتا تھا کہ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ وہ ساری عمر اس کے انجام دینے میں لگا رہے گا۔

ستالن فوج کو شبہ کی نگاہ سے دیکھتا رہا اور اپنے ذاتی دوست وروشلوف کے ذریعہ سے وہ حالات سے آگاہی حاصل کرتا رہا جسے اس نے بغاوت کے خلاف ضمانت کے طور پر برسر اقتدار کر دیا تھا۔ اس نے فوج کی تعداد چند لاکھ ہی تک محدود رکھی اور وروشلوف نے اس کا انتظام کر دیا کہ تمام اسلحہ خانوں پر کرٹے پہرے رہیں۔ زیادہ فوجی قواعد جھوٹی رائفلوں سے ہوتی تھی، کاشتکار، متوسط الحال طبقہ اور اہل الرائے طبقہ کو تو کچلا جا ہی چکا تھا اب ایک فوج رہ گئی تھی جس سے یہ خطرہ تھا کہ عالمگیر بے چینی کے موقع پر وہ ہمیشہ خطرہ کا منبع ثابت ہو سکتی ہے۔

*

پندرھواں باب

اس خطرہ کے خیال سے کہ کسی سیاسی دشمن کو فوج کی امداد نہ مل جائے سناکن نے جی۔ پی۔ یو کے اختیارات میں بہت کچھ اضافہ کر دیا، لینن کی موت تک پولیس کا محکمہ محض طبقاتی جنگ کا آلۂ کار ہی رہا، مگر ستالن کے دور میں اُسے یہ اختیارات بھی حاصل ہو گئے کہ وہ خود انقلابیوں کی حرکات سکنات اور تقریروں کی نگرانی کرے،

ترآتسکی جس نے چیکا کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی زبان سے نہیں نکالا اور زرزنسکی کے شکاروں کی کبھی سفارش نہیں کی کہ وہ خود جی، پی یو سے ڈرنے لگا، جی، پی، یو کے ایجنٹ بجائے زار کے حامیوں اور انقلاب کے مخالفین کے زیادہ تر ترآتسکی کے حامیوں کے خیالات کے متعلق معلومات فراہم کرنے لگے۔ یہ جی۔ پی۔ یو، ہی کا خوف تھا جس کی وجہ سے ترآتسکی چپ چپاتے جلاوطنی میں چلا گیا تھا، وہ ذاتی خطرے کے خوف کا متحمل نہ تھا اور یہ خطرہ جب تک وہ روس میں رہتا اس کے سامنے تھا

یہاں تک تو خیر ہے لیکن اگر بلو کر فوج لے کے کریمیا پر چڑھ آتا تو جی، پی، یو، ستالن کو بچانے میں بیکار ثابت ہوتی۔

۱۹۲۹ء سے پولیس کی تعداد اور اختیارات میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا، یہ ایک ایسا محکمہ بن گیا جس پر نظرِ عنایت تھی، پولیس کے ایجنٹوں کو ہتھیار دینے میں کوئی کمی نہیں برتی جاتی تھی، اور چونکہ انھیں بھی قابلِ اعتماد نہیں گردانا جاتا تھا اس لئے جاسوسوں پر جاسوس مقرر کر دئے گئے تھے جی، پی، یو کے ہر ایجنٹ کا یہ فرض تھا کہ وہ دوسرے ایجنٹوں کی بابت بھی اطلاعات جمع کرے اور ہر ایک دوسرے کی نگرانی کرتا تھا۔ مطلب یہ تھا کہ تمام پولیس والوں کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن میں سے کسی کا کسی سازش میں شریک ہونا بیکار ہے اور اس طریقہ عمل نے ایک ایسا باہمی دبلا قصد ضمانت کا سلسلہ قایم کر دیا جس نے خوب کام دیا۔ مگر رعایتیں اس قدر دی گئیں تھیں کہ بغاوت کا دل میں خیال آنے کی گنجائش بہت کم تھی۔ جی، پی، یو کو غذا بہتر ملتی تھی، رہنے کے لئے بہتر مکان، سواری کے لئے موٹریں، عیش و عشرت کے لئے داشتہ عورتیں، اور رنگ رلیاں بھری چھٹیاں اور روپیہ جمع کرنے کے مواقع حاصل تھے، غلامانہ مزدوروں پر اختیارات دے کر ان کے لئے دولت پیدا کرنے کا ایک اور دروازہ کھول دیا گیا تھا، لاکھوں سیاسی قیدی اور بے دخل کئے ہوئے کسان اُن کی ماتحتی میں دے دیئے گئے تھے اور انھیں اجازت تھی کہ وہ ٹھیکیداری کے مقابلہ میں بھی حصہ لیں اور یہ بھی اجازت تھی کہ وہ کمیشن پر مزدور مہیا کریں۔ قریب قریب ستالن کے دور کے دوسرے باب میں جو رفاہ عام کی بڑی تعمیرات ہوئی ہیں۔ وہ قریب قریب سب اسی جی، پی، یو، کے غلاموں کے ہاتھوں کی

بنائی ہوئی ہیں (اس معاملہ میں گویا) پیٹر اعظم کے نقش قدم کو رہنما بنایا گیا۔ جس نے سینٹ پیٹرز برگ اسی طرح تعمیر کرایا تھا اور رعیت کو انگرین لینڈ کی دلدلوں میں موت کے گھاٹ اتارا تھا کیونکہ شہر کی بنیادیں وہیں رکھی گئیں تھیں جی، پی، یو، نے صنعت و حرفت کے کارخانے بھی اپنے جاری کردیے اور ایسی دوکانیں بھی کھول دیں جہاں قیدیوں کی بنائی ہوئی اشیاء اور جگہ سے سستی بیچی جاتی تھیں۔ گویا حکومت کے اندر یہ ایک اور حکومت چلتی تھی۔

جب تک کہ پنج سالہ تجویز تکمیل کو پہنچی جی، پی، یو والے نہایت کامیاب تجارتی فرم بن گئے یا یوں کہیئے کہ ایک قسم کی خفیہ ایسٹ انڈیا کمپنی تھی۔ اس واقعہ نے کہ پہلی پنج سالہ تجویز ناکام رہی ان کے مواقع کو اور بڑھا دیا تھا۔ پہلی پنج سالہ تجویز کو بڑا کامیاب ثابت کرنے کے لئے اعداد و شمار گھڑ گھڑ کے پیش کئے گئے، مگر اس کی ناکامیابی صرف زراعتی پیداوار تک محدود نہیں تھی بلکہ عام پیداوار بھی گھٹتی رہی، چونکہ ہر قسم کے اسباب و اشیاء کا توڑا پڑ گیا اس ناکامی کے پھیلاؤ کو چھپایا نہیں جا سکتا تھا، روس کو ایک صنعتی ملک بنا دینا ستالن کی زبان میں تو رکھا نہیں تھا، اس کے لئے انتظام کرنے والے دماغوں اور کام چلانے کی اہلیت رکھنے والوں کی ضرورت تھی اور اس قسم کے آدمی ہوا میں سے تو پیدا کئے نہیں جا سکتے تھے، جو شیلے سیاست داں شاذ ہی اچھے کارخانہ دار بن سکتے ہیں۔ مگر ستالن کی نازک حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے یعنی غذا کی اشیاء کے قحط کے ساتھ مصنوعات کے توڑ کو بھی ملائیے، اس نے جی، پی، یو، کو مامور کیا کہ وہ اس ایجی ٹیشن (مخالفت) کا توڑ کریں جو اس کے خلاف چل رہی تھی، اس نے سرکاری اخباروں کو اس اعلان پر مجبور کیا کہ ملک بھر میں سابوتاژ یعنی

اندر خانہ دغا ہوئی، اور اس نے پولیس کو اس پر لگا دیا کہ وہ ہزاروں کو گرفتار کرکے اس دعوے کو ثابت کرے۔

جی، پی، یو، نے فائدہ اسی میں دیکھا کہ انجنیروں اور ماہروں کو گرفتار کرے تاکہ آگے چل کر یا تو اُن سے اچھی قیمت وصول کرے اور یا انھیں اپنے کارخانوں میں لگا کر فائدہ اٹھائے۔ قید خانوں میں ان بدبختوں سے جبریہ اقبال جرم لکھوائے گئے اور نہ صرف یہ کہ وہ اپنے خلاف جھوٹے بیانات دینے پر مجبور ہوئے بلکہ انھوں نے دوسروں کے خلاف بھی مجرمانہ کاروائیوں کی شہادت بہم پہنچائی۔ یہ دور قید خانوں میں داستانیں لکھنے کا تھا، وہ طول طویل اقبال جو پولیس کے افسروں نے گھڑے تھے بالعموم محض قصے کہانیاں تھے جن میں ذاتی سوانح اور اغراض بیان کئے جاتے تھے اور یہ چھوٹی چھوٹی سیرتیں ناولوں کے مانند ہوگئی تھیں۔

اعلیٰ قابلیتوں کے آدمیوں کو اتنی بڑی تعداد میں شمال اور مشرق کے نظر بندی کے کیمپوں میں پہنچا دینا دوسری پنج سالہ تجویز کی انوکھی قسم کی تیاری تھی، مگر جی، پی۔ یو۔ والوں کو ان کے کاروبار میں ان نئے اضافوں سے مدد ملی، اس سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ جی۔ پی۔ یو۔ اپنی جگہ اور مضبوط ہوگئی اور ستالن کی ذات اور اس کا مقام محفوظ تر ہوگیا، اس کے ساتھ وفادار پٹھو موجود تھے ایک تو مولوتوف پر جو ٹھس اور دوسرے بدن کا تھا پورے طریقہ پر اعتماد کیا جا سکتا تھا کہ وہ حکومت کے خلاف ہر قسم کی شکایت کی طرف سے اپنے کان بند رکھے گا، پھر ورو شلوف موجود تھا جس کی کتے کی سی وفاداری نے اس کی وفاشعاری کو قابل رحم بنا دیا تھا، سوائے ستالن کے کوئی شخص اُسے حکومت میں اتنا اونچا مرتبہ نہیں دے سکتا تھا۔ پھر بابائے لتویتوف تھے جنھوں نے

زاری حکومت کے زمانہ میں وہ نوٹ جو سٹالن نے گرجستان میں کئی سال ہوئے ضبط کئے تھے (یعنی لوٹ میں حاصل کئے تھے) بھنائے تھے، لتویتوف کے خلاف صرف اتنی ہی بات تھی کہ وہ یہودی تھا اور ممکن تھا کہ اس پر چھپا ڈھکا ترتسکی کا ہلکا سا رنگ چڑھا ہوا ہو، مگر اس کے خلاف پولیس کے ہاتھ کبھی کوئی چیز نہیں لگی، پھر اوزرونکستی تھا جو قفقاز کا رہنے والا ہم قوم گرجستانی تھا وہ اور سٹالن ایک ایسی زبان میں باتیں کر سکتے تھے جو دوسرے نہیں سمجھ سکتے تھے اور کاگانوچ تھا جو اپنی یہودی خوشامد پسندی سے سٹالن کا خادم بن گیا تھا۔ جی۔ پی۔ یو۔ میں ایک شخص یگودا نامی تھا جس نے ۱۹۲۳ء میں سٹالن کی فرمانبرداری کی تھی اور آقا کے اشارے پر ہر کس و ناکس کو بڑا ہو یا چھوٹا گرفتار کرتا رہا تھا، جلاد بن کرتا رہا تھا اور ملکِ عدم کو پہنچاتا رہا تھا۔

ذاتی طور پر (سٹالن کو) جان کا خطرہ نہ تھا، اشتمالی کھیتی باڑی کے پروگرام کی توسیع کی جا سکتی تھی اور غیر ضروری کسانوں کو بیدخل کیا جا سکتا تھا، اور بجائے کاشتکاروں کے اور زرعی مشینری سے کام لیا جا سکتا تھا، یہ سٹالن کی خصوصیت تھی کہ نہ وہ مڑ کر دیکھتا تھا اور نہ کبھی تجاویز پر نظر ثانی کر سکتا تھا، اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ کاشتکاروں کو مزدوروں کے طبقہ میں بدل دے گا اور زمین سے اتنا کافی غلہ حاصل کرے گا کہ شہروں کی اُس آبادی کی جسے پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہوتا تھا شکایتیں بند ہو جائیں۔ اگر اس نے یہ کر دکھایا تو دنیا بھر میں ڈنکا بج جائے گا کہ سوفیت یونین میں اشتمالیت کی مکمل فتح ہوئی، اور وہ پھر عملی مارکسیت کے سب سے بڑے ہیرو کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔

سولھواں باب

ریکوف ایک منکسر المزاج، دائم الخمر بڈھا ہو کر رہ گیا تھا جو شراب کے جام میں آنسو بہایا کرتا تھا اور اس لئے بحیثیت لینن کے نام کے جانشین کے ایک مضحکہ خیز انسان بن گیا تھا۔ اُسے سنبھال کے دوسرے کمرے میں لے جایا گیا اور بتایا گیا کہ آپ کو ڈاکخانہ اور تار گھر کا وزیر بنا دیا گیا ہے، مولوتوف اس کی جگہ 'سوفنارکم' کی صدارت کے فرایض سر انجام دینے لگا اور سوویت کے اجلاسوں میں وہ اپنے مامورہ فرایض کو اس طرح انجام دیتا تھا کہ 'شاباش چلاؤ خوب اپنا کام چلاؤ'، وہ بیٹھا اعداد و شمار بتایا کرتا تھا اُس کی زبان سے کبھی کوئی لطیفہ آمیز لفظ نہیں نکلا، یہ سب کچھ ٹھیک رہا اور ۱۹۳۱ء میں سٹالن نے کہا "ہمیں اپنی کامیابی کے وفور سے بہت نازاں نہ ہونا چاہیئے اس کے انداز بیان کے لحاظ سے اس کے یہ معنی ہیں "کیا ہم مایوس ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں!!

۱۹۳۰ء میں غیر ملکی امور کی وزارت برچیچرن کی جگہ لتویوف

مقرر ہوا۔ اس کی پالیسی یہ تھی کہ سوفیت کی تجاویز کی تکمیل کے زمانہ میں ملک کے باہر امن قایم رہنا چاہیئے۔ تو مسکی جو دہنے بازو کی مخالفت کا قایم مقام تھا پولیت بیورو سے خارج کر دیا گیا اور محض سرکاری طباعت و اشاعت کے محکمہ کا صدر بنا دیا گیا گویا دوسرے الفاظ میں اسے اس محکمہ کا صدر دفتر بنا دیا گیا جس کے سپرد لکھنے پڑھنے کا سامان فراہم کرنا تھا، کامینیف اور زنوویف کے درجہ گرائے جا چکے تھے اگرچہ ان کا معمولی درجہ کے مگر اچھے ملازمین حکومت کی آسامیوں پر تقرر کر دیا گیا تھا۔ مخالفین کا کوئی سر دھرا باقی نہیں رہا تھا اب یہ کہا جانے لگا کہ سوفیت یونین اور ستالن ایک ہی چیز ہیں یعنی ریاست کیا ہے؟ ریاست میں ہوں" ایک ڈکٹیٹر پیدا ہو چکا تھا۔

اگرچہ کمیونسٹوں کی بحث و تمحیص میں لینن کے لفظ کا اثر انقطاعی ہوتا تھا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ڈکٹیٹر تھا، وہ ظاہر داری میں فرق نہیں آنے دیتا تھا (اس کے قول کے مطابق) جب تک کہ مزدور طبقہ سن شعور کو پہنچے پارٹی بحیثیت مزدور طبقہ کے امین کے ڈکٹیٹر تھی (مگر) ستالن باوجود محض جنرل سکرٹری ہونے کے اعلیٰ ترین فرمانروا کی حیثیت رکھتا تھا اور کوئی شخص نہ تھا جو اس کے حق میں کلام کرے۔ مگر ۱۹۳۴ء سے پہلے وہ کبھی نپولین یا مسولینی کی طرح قواعد پریڈ پر آ کر نہیں کھڑا ہوا، ابھی تک اس نے اپنی وضع ایک کامریڈ کی سی رکھی تھی، نہ کوئی نئی شان و شوکت تھی اور نہ کوئی لباس میں تبدیلی تھی، شاید اس نے بال کچھ ذرا بڑھا لئے تھے اور کبھی کبھی وہ ایک گھیر دار ڈھیلا ڈھالا لمبا سا چغہ پہنے ہوئے دکھائی دیا کرتا تھا جس سے اس کی شان ایک بڑے پادری کی سی معلوم ہونے لگتی تھی۔

اب اس کی جائے سکونت ایک دیہات میں ہو گئی تھی یعنی گرمیوں

کے موسم میں وہ موسکو سے باہر گورکی نام ایک گھر میں رہنے لگا جس میں لینن راہی عدم ہوا تھا یہ ایک سفید گھر ہے جس میں یونانی وضع کے ستون ہیں یہ اچھی خاصی جگہ ہے اس کے کمروں کی دیواریں سفید ہیں، تصویریں سنہرے چوکھٹوں میں جڑی ہوئی ہیں، آرام کرسیوں اور صوفوں پر سفید اور سنہری کپڑا بندھا ہوا ہے، قدیم سنگ مرمر کے گلدان، قرمزی پردے، اور بڑے بڑے گملوں میں پام اور پرسیاوش لگے ہوئے ہیں، گزرے ہوئے زمانہ کے شرفاء کی تصاویر لٹکی ہوئی ہیں۔ جب سے اصل مالکوں نے یہ گھر چھوڑا اس میں کچھ زیادہ تبدیلی نہیں کی گئی، سٹالن وہاں اس طرح سے رہتا تھا گویا اس نے سجا سجایا مکان موسم کے واسطے کرایہ پر لے لیا ہے اس نے متوسط الحال طبقہ کے عیش و آرام کے سامان کو وہاں سے ہٹوایا نہیں، نہ اُس نے اُس کا کوئی ایسا استعمال ہی کیا، اُسے اِن چیزوں سے دلچسپی ہی نہ تھی، وہ تو اپنے ہی دفتر کی میز پر کاغذات، کتابوں اور مسودات کے ڈھیر لگائے ہوئے بیٹھا کرتا تھا، کچھ دنوں کے لئے یہاں اُس نے انگریزی پڑھنے کی کوشش کی مگر اسے مشکل معلوم ہوئی اور چھوڑ دی، کبھی کبھی وہ ایک اور کمرے میں جاکر پیانولہ (ایک قسم کا ازخود بجنے والا باجہ) بجایا کرتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس سے اُسے ایک حد تک دلچسپی ہے، لینن کی تقلید میں وہ شطرنج بھی کھیلا کرتا تھا اور اس نے حکم دے دیا تھا کہ شطرنج کے کھیل کو رواج دیا جائے، 'گورکی' میں وہ چند ہی آدمیوں سے ملتا تھا اور اس خاموشی کے مقام پر پارٹی کے ہیڈکوارٹر سے اس کا ہموطن گرجستانی کاگانوچ' اور زنوکسی، اور نکولیاں، ہی قریب قریب کمیونسٹوں میں سے تھے جو وہاں بلائے جاتے تھے،

چونکہ اب سارا دارومدار ستالن پر تھا اس کی خاص طور پر حفاظت کی جانے لگی، جی، پی۔ یو کے پندرہ ایجنٹ گھر کی حفاظت کرتے تھے۔ گورکی سے موسکو تک کی سڑک پر ہر وقت پولیس اور کھلی کمر والوں کا پہرہ رہتا تھا وہ ہر روز ٹھیک صبح کے نو بجے ایک چمکدار رولز رولس موٹر میں جایا کرتا تھا گارد پائیدان پر بھی ہوتا تھا اور ایک پولیس کی موٹر میں پیچھے پیچھے بھی چلتا تھا دن بھر وہ کام کرتا تھا اور خاصی رات گئے گھر واپس آتا تھا، رات کا کھانا کھانے کے بعد بھی وہ کام کرتا رہتا تھا، نہ تو وہ اکثر اور لیڈروں کی طرح تاش کھیلتا ہے اور نہ اور کامریڈوں کی طرح میز کے گرد بیٹھ کر شراب پینا یا گپ شپ کرنا ہی اس کے لئے موجب تفریح ہے۔

موسم سرما میں وہ اپنے گھر بار کو لے کر کریملن واپس آجاتا ہے جہاں زار کے زمانے کے محل میں نوکروں کے رہنے کا ایک چھوٹا سا مکان ہے، اس کی نیچے کی منزل میں کھڑکیوں میں سفید ململ کے پردے لگے ہوئے ہیں اور ان پردوں کے پیچھے چار کمروں میں جن میں بہت تھوڑا فرنیچر پڑا ہوا ہے ڈکٹیٹر رہتا ہے۔ اُس کے بچوں میں سے ایک کھانے کے کمرے میں سوتے پر سویا کرتا تھا، باوجود اس کے کہ ستالن کو سب کچھ میسر ہے اس نے کوئی گھر بنا کر نہیں رکھا۔ کھانا اس کے لئے ایک اشتمالی ریسٹورنٹ سے ایک کشتی میں لگ کر آجایا کرتا تھا، ایک قفقازی باورچی اُس کے لئے اس کے پسندیدہ مرچوں کے کھانے یعنی 'پیرلکا' اور 'شاشلک' تیار کر دیا کرتا تھا اور وہ اس کے ساتھ اپنے وطن گرجستان کی شراب پی لیا کرتا تھا، وہ وادکا کے بڑے پینے والوں میں سے نہیں ہے، اسے تو صرف ارغوانی شراب چاہیئے جو قفقاز میں ہر دوکان پر مل جاتی ہے۔ اس کی صحت اچھی ہے اور

اسے پھر پیٹ کی تکلیف نہیں ہوئی

کھانا اُن پلیٹوں میں دیا جاتا ہے جن میں سے بعض پر اب تک زار کے نام کے حرف پڑے ہوئے ہیں اور جو اب قوم کی ملکیت ہو چکی ہیں۔ وہ اپنی نئی جوان دُلہن اور اپنے بچوں کے ساتھ تیسرے پہر اور رات کا کھانا کھاتا ہے، ان موقعوں پر مہمان شاذ ہی ہوتے ہیں، ستالن کھاتے پیتے وقت بولتا کم ہے، نہ وہ اپنی بیوی سے سیاسی معاملات میں بحث کرتا ہے اور نہ اسے دن بھر کے واقعات سُناتا ہے، جہاں کھانا ختم ہوا اور اُس نے کُرسی پیچھے ہٹائی، پائپ جلایا اور اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ گویا سوچ میں ڈوبا ہوا ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا ان موقعوں پر وہ حکومت کے معاملات پر غور کیا کرتا ہے یا قیلولا کیا کرتا ہے، وہ اس طرح سوچ بچار میں بیٹھا رہتا ہے کہ سراپا ابوالہول (سفنکس) معلوم ہوتا ہے۔ ستالن کے اُن مداحوں میں سے ایک شخص جو ارادتاً اُس کی تعریف نہیں کرنا چاہتے اس حالت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

"ستالن گُم صُم کسی قدیم زمانہ کے اژدہے کی طرح بیٹھا رہتا ہے جس کی صرف آنکھوں میں جان نظر آتی ہے۔ خیالات، خواہشات، اور تجاویز کا اس کے دماغ پر ہجوم ہوتا ہے ..... روس کی وسیع سرزمین کا اُسے کل حال معلوم ہوتا ہے۔ مگر اس کے دل میں کسی بات سے تشویش پیدا نہیں ہوتی اور اس کا دل تذبذب سے پاک ہے"

ہنری بار بوس کا یہ خیال ہے کہ اس کے بھدیلے چہرے میں صرف اس کی ایشیائی آنکھیں ہی ہیں جن سے یہ پایا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو طنزیہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کو دیکھ کر آپ کے دل پر یہ اثر پڑتا ہے

کہ ہر وقت اس کے لبوں پر تبسم کھیلتا ہے گویا وہ کسی مخفی لطیفے سے محظوظ ہو رہا ہے، جو بار بار اس سے ذرا کم درجے کے ہمدرد ہیں اُن کا خیال ہے کہ اس کا دماغ کورا ہے اور وہ قطعی طور پر سوچتا ہی نہیں تاوقتیکہ کوئی عمل کرنے کا موقع نہ آجائے۔ مگر سٹالن میں دماغ کو یکسو کرنے کی بڑی قوت ہے، ایک دفعہ اسے ایک قسم کی آزمائش میں سے نکلنا پڑا، یہ انقلاب سے پہلے کا واقعہ ہے، زار کے زمانے کی پولیس اور فوج نے اُس کے بار بار جلا وطنی سے فرار ہو جانے سے تنگ آکر اس پر ایک ایسا ستم ڈھانے کی ٹھانی جس سے بہت کم آدمی دماغ صحیح و سالم لے کر بچتے ہیں یعنی اُسے سائبیریا کی فوج کی قطار کے سامنے کھڑا کر دیا اور جوں جوں وہ ایک سرے سے دوسرے سرے کی طرف بڑھتا گیا۔ ہر سپاہی نے اس پر اپنی بندوق کا کُندا آزمایا، سٹالن نے دماغ یکسو کر کے مارکسیت کے کسی مسئلہ کے متعلق سوچنا شروع کر دیا، دانت بھینچ لئے اور ان چبھتے اور مارتے ہوئے سپاہیوں کی ساری قطار کے سامنے سے گزر گیا، جو شخص یہ کر سکتا ہے اس میں قریب قریب وہ قوت موجود ہے جو بعض ہندوستانیوں کو اپنے جسم پر دماغی قوت سے قابو پا لینے سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ سٹالن جو اس طرح دیر دیر تک چپ چاپ بیٹھا اپنا پائپ پیا کرتا ہے وہ انقلاب کے واقعات پر جو اسے اپنی زندگی میں اٹھانے ہیں غور نہیں کیا کرتا۔

یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنی نجی زندگی کی قدر جانتا ہے اور اُسے قائم رکھتا ہے، جب وہ گھر میں ہوتا ہے تو ناخواندہ مہمانوں اور ٹیلیفون سے اُس کی جان بچی رہتی ہے، سٹالن سے اس کے کریملن کے

گھر میں ملاقات کرنی اس سے زیادہ مشکل ہے جتنی لینن سے تھی، اور حیران کرنے والے شہری اس سے ٹیلیفون پر بات نہیں کر سکتے۔ حکومت کے سربرآوردہ اشخاص کے ٹیلیفون کی ایک محدود ایکسچینج (یعنی ٹیلیفون ملانے کا دفتر) الگ ہے۔ یعنی ستالن کے کسی کمرے کے ٹیلیفون سے نمبر ملانے کے لئے اس کے نائبوں سے پہلے ٹیلیفون ملانا پڑتا ہے، ایک سکرٹری کا بیان ہے کہ ایک ایسا ٹیلیفون لگا ہوا ہے جس کے ذریعہ دوسرے نمبروں کی باہمی گفتگو سنی جا سکتی ہے وہ ہر بات پر نگاہ رکھتا ہے اس نے قوت حاصل کر لی ہے اُسے برقرار بھی رکھنا چاہتا ہے۔ جی۔ پی۔ یو کو اس کا ایک ٹیلیفون پہنچنے کی دیر ہے اور کسی شخص کی آزادی چھوڑ جان تک کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ مطلق العنانی میں تو زار بھی کچھ کم نہ تھے مگر انھیں یہ قدرت کہاں حاصل تھی؟

جب ستالن کو اعلیٰ ترین اختیارات حاصل ہو گئے جن کے حاصل کرنے کی اُس نے کوشش کی تھی تو اس کی خصلت میں بعض ایسی باتیں ظاہر ہوئیں جن سے ملنساری کم ٹپکتی تھی، ایک تو وہ کم گو ہو گیا اور دل کی بات دل ہی میں رکھنے لگا دوسرے یہ کہ اس تک رسائی مشکل ہو گئی اُس نے میل جول کم کر دیا، اُس کی صرف انھیں لوگوں سے بنتی ہے جو اس کے کام آتے ہیں دوسرے اگر اُسے پریشان کریں یا اُس سے ربط ضبط بڑھانا چاہیں تو کبھی کبھی وہ اُن سے سخت بدتمیزی سے پیش آتا ہے اور ایسی موٹی گالی دیتا ہے جس کا کوئی جواب نہیں بن پڑتا، مگر اس بدخلقی میں کبھی کبھی کسانوں کے اخلاص کی کرن بھی نکل آتی ہے، ایک کامریڈ بیمار پڑ جاتا ہے تو وہ اُسے شہد کے پیسے کے ساتھ یہ لکھ بھیجتا ہے "سُن" یہ کھا اور اچھا ہو جا

پہلی پنج سالہ تجویز کی تکمیل کے دوران میں جب کہ ستالن ہر دلعزیز نہیں

رہا تھا وہ سُرخ نوجوانوں کا ہیرو تھا، جس نگاہ سے لوگ اس کی طرف دیکھتے تھے اس میں قدر اور خوف دونوں شریک تھے، ہر ایک شخص یہ جانتا تھا کہ شعبدہ باز تو یہ ہے نہیں اور سیاسی طور پر بھی اس کا ایمان متزلزل نہیں ہو سکتا۔ اور جن لوگوں کا اس سے واسطہ پڑا تھا وہ جانتے تھے کہ وہ کتنا ہوشیار اور کتنا اہل ہے۔ جس چیز نے بہت سے لوگوں کو اس کا حامی بنائے رکھا وہ یہ خیال تھا کہ اگر اسے گرا دیا گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اور لوگ تو تقریریں کرتے تھے اور جو کچھ وہ ہدایت کرتا تھا اس پر عمل درآمد کرتے تھے مگر انقلاب کا نام جس سے وابستہ ہے وہ یہی شخص ہے خواہ سوویٹ کا جلسہ ہو یا نوجوان کیمونسٹوں یا کسی اور کا جب تک سٹالن کمرے میں نہیں آتا تھا وہاں کی فضا میں روسی قوم کا مخصوص رنگ رہا کرتا تھا یعنی ہوائی اور بے اثر باتیں، اُس کے آتے ہی چاہے وہ زبان بھی نہ کھولے لوگ سیدھے ہو کر بیٹھ جاتے تھے اور یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو جاتے تھے، یعنی سامعین اب قائد اعظم کی حضور میں ہیں اور اب ٹھوس حقیقت سے واسطہ ہے جب وہ بولتا ہے تو اس کی بات چیت سے گرجتانی لب ولہجہ صاف ٹپکتا ہے، اس کی تقریریں لکھی ہوئی ہوتی ہیں اور اُن کو باآواز پڑھتے وقت اُس کی آنکھیں مسودے پر گڑی رہتی ہیں، اگر اس کی دلچسپ شخصیت اور اچانک غیر متوقع حرکات سکنات نہ ہوں تو بحیثیت مقرر کے وہ بالکل بے اثر ثابت ہو، اس کی تقریریں بھی ہوتی ہیں مگر ان میں لفاظی نہیں ہوتی، لفظوں کی ترتیب میں اختصار ہوتا ہے اور ہیر پھیر نہیں ہوتا، لینن اور ٹراٹسکی کی تقریروں کے مقابلہ میں سٹالن کی تقریریں پڑھنے میں بہتر معلوم ہوتی ہیں کیونکہ وہ نظریہ کی جگہ عملی مقصد کا پہلو زیادہ لئے ہوئے ہوتی ہیں بایں ہمہ

اس کی تقریر اور گفتگو میں ایک حیرت انگیز قسم کا فرق ہے۔ یعنی تقریر مدلل اور شائستہ ہوتی ہے اور گفتگو چھدری اور کھری،

نہ تو وہ روزویلٹ کی طرح جذباتی آدمی ہے اور نہ وہ لائڈ جارج کی طرح ہے جو اپنے اعصاب کے بل پر زندگی بسر کرتا ہے، اعصاب سے وہ بھی خالی نہیں، اور اسے جوش بھی آجاتا ہے۔ مگر وہ اپنے آپ کو ہمیشہ قابو میں رکھتا ہے، حکومت کی دشواریوں سے اس کے اعصاب پر بُرا اثر نہیں پڑتا، حکومت کا کام تو وہ ماتحتوں کے ذریعہ سے چلاتا ہے اور خود بچنے کے لئے اس نے ہدایت اور قوت فیصلہ اور خود حکومت کی قوت کو محفوظ کر رکھا ہے، اس کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر ماتحت اس کو کچھ مشورہ دیں تو وہ انھیں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا دیتا ہے (مثلاً وہ کہے گا کہ)

"اچھا تو پھر تمھارے خیال میں کیا ہونا چاہیئے۔ ٹھیک، جاؤ پھر یہی کرو"

کبھی کبھی وہ ماتحتوں کے لفظی اچھاؤ کو ایک سیدھا سادا حکم دے کر ختم کر دیتا ہے، جیسا کہ اس نے اس وقت کیا تھا جب برطانیہ کی مزدور حکومت بعض شرائط پر روس سے سیاسی تعلقات قائم کرنے پر تیار تھی، ستالن کے دل میں اس مسئلہ کے متعلق کوئی شبہ نہ تھا کیونکہ اگر (حکومت روس) کو برطانیہ تسلیم کرلے اور اس طرح وقار کے قایم کرنے کا موقع ہاتھ آئے تو اُس کے خیال میں شرائط اور وعدوں کے مان لینے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ وزارت غیر ملکی کے رفقائے کار جب اس کے خلاف سب کچھ کہہ چکے تو اس نے اپنے مخصوص سخت انداز گفتگو میں بس ایک لفظ پر کفایت کی "چہ پُوخا" جس کے روسی میں معنی ہیں "بکواس"۔

ستالن کی حکومت کی سفارت سینٹ جیمز (برطانیہ) میں قایم ہوگئی اور بچارا ترتسکی جو اپنے دل میں خود ہی اپنے آپ کو قابل رحم سمجھتا تھا قسطنطنیہ میں بیٹھا مارے ٹھنڈ کے ٹھٹھر رہا تھا برطانیہ نے اُس کے سیاسی پناہ گزین ہونے کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا،

ستالن کے تنہائی میں رہنے کا ایک نقصان یہ ہے کہ اُس کے ارکانِ حکومت اس کو ہمیشہ حقیقت سے آگاہ نہیں کرتے، وہ ناگوار خبر پہنچنے پر بھڑک اٹھتا ہے، اس کے ماتحت اس کے غصے کے خوف سے اُسے کبھی کبھی دھوکے میں رکھتے ہیں۔ جیسے دوفسکی کا بیان ہے کہ اُس کے سفیروں اور غیر ملکی معاملات کے وزارت کی خصوصیت کے ساتھ یہ حالت ہے جیسے دوفسکی فرانس میں سفیر تھا، پہلے تو وہ سفارت خانے کے دروازے بند کر کے بیٹھ گیا اور اس کے بعد دوسری طرف جا ملا، ممکن ہے کہ اُس نے تعصب سے کام لیا ہو مگر اُس نے جو اپنی سرگذشت لکھی ہے اس سے وہ ایک منصف مزاج آدمی پایا جاتا ہے، اس کا بیان ہے کہ پیرس کے ایک کمیونسٹ مظاہرے کی نسبت حسب ذیل الفاظ میں اطلاع دے کر اُس نے ستالن کو خوفناک طور پر ناراض کر دیا۔

"یکم اگست کو دو ہزار مزدوروں نے پیرس کے بازاروں میں مظاہرہ کیا اور ان کے ساتھ بیس ہزار پولیس تھی" اس پیام کے پہنچتے ہی جی۔ پی۔ یو کا ایک ایجنٹ پیرس بھیجا گیا اس حکم کے ساتھ کہ جیسے دوفسکی فوراً موسکو واپس جائے تاکہ پارٹی کے سامنے اس کا مقدمہ پیش ہو" خیر واقعات جو بھی ہوں مگر اُن تقریروں اور بیانوں سے جو ستالن نے اپنی سیاسی زندگی کے مختلف موقعوں پر دیئے ہیں۔ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ غیر ملکی سیاسیات کے متعلق اُس کی معلومات

بہت اچھی تھیں، رہے خانگی سیاسی امور تو ان کے سلسلہ میں وہ خود اپنے ہی غلط اعداد و شمار سے ایک حد تک محظوظ ہوتا ہوگا، واقعات پر تو وہ پوری طرح حاوی تھا مگر بار بار اُسے حیرت ہوتی تھی کہ بعض اُمور دھوکے میں ڈالنے والے ہوتے ہیں دھوکے میں ڈالنے والی باتیں تو صرف پبلک کے لئے ہونی چاہیئے تھیں نہ کہ ڈکٹیٹر کے لئے، عموماً اعداد و شمار کی اس کے سامنے دو فردیں لائی جاتی تھیں، ایک اشاعت کے لئے اور دوسری اس کی نجی اطلاع کے لئے، مولوتوف کے مقابلہ میں صحیح اعداد و شمار اس کی نظر میں زیادہ آتے تھے اور اس پر بھی وہ ان جھوٹے اعداد و شمار کو مستند گردان لیتا تھا جو بعض اشخاص پنج سالہ تجویز کے معینہ اوقات پر تکمیل نہ کرنے کی پردہ پوشی کے لئے تیار کرتے تھے۔

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا سٹالن کو یہ خبر تھی کہ اس کے زراعتی پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں کاشتکاروں کے انبوہ کثیر نکال باہر کئے گئے اور اگر یہ صحیح ہے کہ اسے علم تھا تو اس نے اتنی کثیر تعداد کی مصیبت کو کیونکر گوارا کیا، واقعہ یہ ہے کہ اُسے کو علم تھا اور اس کا دل ان مصیبتوں سے ذرا نہیں پسیجتا تھا، اگر وہ اس کے ہموطن گرجستانی ہوتے تو ممکن ہے کہ ان کے دیہہ بدر کئے جانے کا اُس پر کچھ اثر ہوتا، اُس کی نگاہ میں روسی کسانوں کی قدر تو مویشیوں سے بھی کم تھی اور بہرکیف یہ اس کا عقیدہ تھا کہ وہ بہت ہی زیادہ ہیں، اُس پر طرہ یہ ہے کہ وہ جذباتی خیال کا آدمی نہیں ہے اگر ہوتا تو سوویت یونین میں وہ اس بلند مرتبہ کو نہ پہنچتا،

سترھواں باب

دوسری پنج سالہ تجویز کے دوران میں یو۔ ایس۔ ایس۔ آر۔ (ریاستہائے متحدہ روس) میں ذرا سانس لینے کی گنجایش پیدا ہوئی، غلہ بڑھی ہوئی مقدار میں آنے لگا، اگرچہ اُس وقت بھی روٹی کی اتنی بہتات تو نہ تھی جتنی انقلاب سے پہلے مگر مل سب کو جاتی تھی، فصلیں اچھی ہونے کے لئے دعائیں تو مانگی نہیں گئیں مگر اشتمالی جنّوں کے دلوں میں دہشت ضرور بٹھا دی گئی تھی۔ چھوٹے موٹے ماتحتوں کو تن دہی سے خدمات انجام دینے پر مجبور کیا گیا تھا، اور اُن کسانوں کی شرارتوں کو جو اجتماعی کھیتی باڑی پسند نہیں کرتے تھے دبایا جا چکا تھا، پرانے پادریوں کا جو کہتے تھے کہ پروردگار پرانے طریقے کی کھیتی باڑی چھوڑ کر اور طریقہ اختیار کرنے کو بُرا سمجھتا ہے بوریا بدھنا بندھوا دیا گیا تھا، نادیب داخل عمل ہو گئی تھی اور کھیتی باڑی کے کام کی نگرانی کرنے والوں کے دستے اور پلٹنیں بنا دی گئیں تھیں اور فرایض کی انجام دہی میں کوتاہی کرنا سخت سے سخت سزا کا مستوجب قرار دے دیا گیا تھا

سٹالن یہ خوب سمجھ چکا تھا کہ انفرادی اور اجتماعی کھیتی باڑی پہلو بہ پہلو نہیں پھول پھل سکتی۔ اُس نے اس تجویز کو کہ تمام قابل زراعت اراضیات کو اجتماعی سلسلہ میں گونتھ دیا جائے قوت سے آگے بڑھایا، نکتہ چینوں نے کہا کہ اس نے پہلے تجربے کی ناکامیابی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا، مگر غلہ کی پیداوار کے لحاظ سے یہ بات غلط تھی، کینیڈا مشین کے ذریعہ کھیتی باڑی کرکے بہترین فصل پیدا کرتا ہے، اور تجویز میں کوئی خاص خامی نہ تھی جس کی وجہ سے روس کو کینیڈا نہیں بنایا جا سکتا ہو۔ سٹالن کا یہ مقولہ تھا کہ "امریکہ کو پکڑو اور اُس سے آگے بڑھ جاؤ" مارچ ۱۹۳۱ء میں ۳۵ فی صدی کسانوں کے کھیت لے لئے گئے اور جنوری ۱۹۳۵ء تک اسّی فی صدی تک اجتماعی سلسلہ میں آگئے،

روس کی تمام قابل زراعت آراضی کی نوّے فی صدی میں اشتمالی طریقہ پر زراعت ہونے لگی، گویا تمام جنوب اور مشرق میں چھوٹے کھیتوں کی جگہ اب بڑے پیمانے کی کھیتی ہونے لگی تھی، انفرادی کھیتی باڑی صرف انھیں دور دراز کے اقطاع میں رہی جہاں زمین جنگل کاٹ کر قابل زراعت بنائی جا رہی تھی۔

حکومت کی یہ جیت کچھ کم نہ تھی کہ غلہ کی ساری پیداوار اس کے قابو میں آگئی تھی اور اب کسانوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اناج کو چھپا کے شہر والوں کو روٹی کو ترسا دیں، کسانوں کا مثل اوروں کے اب معینہ رسد پر گزارہ تھا۔

دوسری پنج سالہ تجویز کی کامیابی کے حیرت انگیز اعداد و شمار شائع ہونے لگے، ان اعداد و شمار کے سلسلہ میں تعجب کی بات یہ تھی کہ اگرچہ روٹی

کا توڑا تو نہ تھا مگر کسی وقت بھی بہتات نہیں ہوئی، غلہ کی برآمد کچھ یوں ہی سی تھی، اور پیداوار کے دوسرے میدانوں میں بھی ان مبالغہ آمیز اعداد و شمار کی تکذیب اُن تمام حالات سے ہوتی تھی جو آنکھوں سے دکھائی دیتے تھے موٹر کاروں کی تعداد دو گنی، تگنی، چوگنی بتائی جاتی تھی مگر موسکو کے بازاروں میں سڑک پار کرنے میں کبھی کوئی خطرہ نہ تھا، بوٹوں اور جوتوں کے کارخانوں کی مصنوعات ہر سال کروڑہا جوڑے بیان کئے جاتے تھے مگر کیفیت یہ تھی کہ جو بیچارے بیدمجنوں کی چھال کی چپلیاں اور پھٹے ہوئے کرمچ کے جوتے پہنے پھرا کرتے تھے ان کی تعداد میں کوئی کمی نہ آئی، لکڑی تختہ اور تعمیر کے فولادی سامان میں اضافہ ہوا ہوگا، عمارت کے کام میں بھی گرم بازاری رہی ہوگی مگر مزدوروں کے رہنے کے گھر ابھی تک دنیا بھر میں سب سے بدتر تھے، سوویت یونین کے باشندوں سے کہا جاتا تھا کہ وہ مادی پیداوار اور عوام کی سرگرمی پر خوشی منائیں مگر غیر مادی امور کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا جاتا تھا۔ حکومت نے جو کمیشن ملک کے مصنوعات وغیرہ کو بڑھانے کی تجاویز مرتب کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اُس کی رپورٹ میں درج تھا کہ ۱۹۳۵ء میں جو مال اٹھایا گیا اس کی مقدار اُنتالیس کروڑ ایک لاکھ ٹن تھی اور اگر یہ تخمینہ کیا جائے کہ اس مال کو تکمیل تک پہنچنے میں فی ٹن فی کلومیٹر کے حساب سے کتنا فاصلہ طے کرنا پڑا تو تین سو ارب ٹن کلومیٹر بنے گا۔ اور ۱۹۳۷ء کے گوشوارہ میں مجوزہ مال کی مقدار دس لاکھ کی اکائی سے چار سو چھتر ٹن تھی" کیا اب بھی دل میں کوئی دغدغہ باقی رہا؟

بہرکیف اصل مطلب تو غذا حاصل کرنے سے تھا، اور روس کی آبادی پیٹ بھر روٹی ملنے پر اس کے لئے تیار تھی کہ جتنے اعداد و شمار چاہو ان کے

گلے کے نیچے اتار دو، بشرطیکہ انھیں تین وقت تھوڑی سی کالے اناج کی روٹی مل جایا کرے اور اس کے لئے انھیں خدا کا شکر بھی ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا نام کامیابی تھا اور چاہے اس میں آدمی ہوں یا جانور، جس ہاتھ سے روٹی ملتی ہے اسی کو چومتے اور چاٹتے ہیں، باشندوں کو یقین ہو گیا تھا کہ انقلاب کا بدترین زمانہ ختم ہو چکا ہے اور جس اقتصادی نظام میں وہ بسر کر رہے تھے اب وہ کم از کم رو بہ ترقی تھا سیاسیات میں تو اب اُن کی دلچسپی ختم ہو چکی تھی مگر عوام الناس کو جب چاہو مظاہروں اور نعروں کے لئے جمع کیا جا سکتا تھا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اگر نعرے لگائیں گے تو کم سے کم نئی پتلونیں، جرابیں اور جوتے ملیں گے، ستالن کی کامیابی اسی میں تھی کہ لوگوں کو کھانا میسر آنے لگا وہ اپنے تمام نکتہ چینوں کو جھوٹا ٹھہرا سکتا تھا، جو لوگ اس انتظار میں گھات لگائے بیٹھے تھے کہ وہ ناکام رہے گا اور تختہ اُلٹ جائے گا باہر نکل آئے اور علانیہ امداد کرنے لگے، یہاں سے ساری کمیونسٹ پارٹی بغیر دل میں چھپی ڈھکی رکھے ستالن کا ایمانداری سے ساتھ دینے لگی،

سوویت یونین کے اندر اس زمانہ میں امن و امان معراج کو پہنچ چکا تھا، یہ درست ہے کہ لکھوکھا کسان اور ہزارہا دماغی آدمی اور صنعت و حرفت کے ماہر نظر بندی کے کیمپوں اور قید خانوں میں پڑے سڑ رہے تھے اور یا سزائے مشقت کا جُوا اُن کے کندھے پر تھا مگر چونکہ اکثریت کو تو اپنی جان بچانے کی پڑی رہتی ہے اور جو آنکھوں سے اوجھل ہوں اُن سے کم ہمدردی ہوتی ہے ان بدبختوں کا ہونا نہ ہونا برابر تھا، جوں جوں دوسری پنج سالہ تجویز کامیابی کے قریب پہنچتی گئی سیاسی مقدمات روز بروز کم چلائے جانے لگے، بجز سابوتاژ یعنی شرارتی نقصان رسانی کے اور

سب معاملات میں نرمی کا برتاؤ ہونے لگا تھا، مارکسیم گورکی کی بات
سنا کرتا تھا چنانچہ گورکی نے اُسے یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اُسے
ہر ایک کے ساتھ زیادہ رحم دلی کا سلوک کرنا چاہیئے۔ سرجی کیروف جو
قدیم بالشویکوں میں عمر میں سب سے چھوٹا تھا یہ پرچار کرنے لگا کہ یونین کے
اندر سیاسی دشمنوں سے صلح کر لینی چاہیئے، قدیم بالشویک سے وہ لیڈر
مراد ہیں جو اکتوبر کے انقلاب میں شریک تھے۔ کیروف کی ایک بڑی شخصیت
تھی اگرچہ موسکو میں اُس کا اثر بمقابلہ عوام کے نجی صحبتوں میں زیادہ تھا، یہ
کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسے شہرت اس دن نصیب ہوئی جب وہ قتل ہو لیا، یہ
وثوق کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ آیا ستالن اس کو پسند کرتا تھا یا یہ کہ وہ اس کی
سیاسی ترقی کی خواہشات کی جانب سے بالکل بے فکر تھا مگر اُس کے خلاف
کوئی چیز نہیں کہی جا سکتی تھی، کیروف جو کچھ عام طور پر ہو رہا تھا اُس کا
حامی تھا اور بہر صورت ستالن کا پورا ساتھی تھا، مگر یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے
کہ کیروف طالب کمال تھا، وہ روس کے کاشتکاروں کا جانی دشمن تھا
اور یہ اسی کا کارنامہ تھا کہ کسانوں کی ایک بڑی تعداد بے دخل اور جلاوطن
کی گئی، طبقہ منجمد کے کیمپ اسی کے ماتحت تھے اور بحر بالتک کی نہر کی تعمیر بھی
اسی کے سپرد تھی، اور اس نے سزا یافتہ غلاموں کے حالات بہتر بنانے کی
کوشش نہیں کی، وہ شمال کا گورنر تھا اور اس کے دارالقیام یعنی لینن گراد
کے مرکز سے انتہائی درجہ کا بے رحمانہ ظلم چاروں طرف پھیلتا تھا پھر بھی
ہو سکتا ہے کہ ایک سنگ دل حاکم کی عام پالیسی کے متعلق اپنی رائے ہو
یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر اپنی ذہنیت تبدیل کیئے انسانیت کے
برتاؤ کا حامی ہو جائے، کیروف کی یہی حالت تھی، وہ یہ خیال کرتا تھا

کہ اب وقت آگیا ہے کہ دہشت کو کم کیا جائے، یہ تبدیلی اسی امر سے ظاہر تھی کہ جب ایک شخص ریوتن نے ڈکٹیٹر کی ایک طول طویل نکتہ چینی شایع کی تو اس نے ستالن کو سمجھا کے رضامند کیا کہ اُسے موت کی سزا نہ دینی چاہیئے، اور جب ایڈولف ہٹلر کا جنوری میں عروج ہوا تو وہ اس طرزِ عمل پر اور بھی مصر ہو گیا، اُسے یہ نظر آنے لگا کہ سوویت یونین کو ایک یورپی جنگ کا خطرہ ہے اور اس وجہ سے تمام بد دل سیاسین کی دل جوئی کرنی چاہیئے۔ وہ چاہتا تھا کہ نازی جرمنی کے مقابلہ میں ایک متحدہ قومی محاذ قایم کرنا چاہیئے اور اس وجہ سے وہ بات حاصل کرنی چاہیئے جو اس وقت تک انقلاب حاصل نہیں کر سکا تھا یعنی باہمی اتحاد،

اس صلح کی پالیسی اختیار کرنے کا یہ پھل ملا کہ ۱۹۳۳ء میں کامینیف اور زنوویف کو دوبارہ کمیونسٹ پارٹی میں شریک کر لیا گیا، فروری ۱۹۳۴ء کی پارٹی کی کانگریس میں کیروف کا بڑے زور شور سے خیر مقدم کیا گیا، لوگوں نے یہ مقابلہ کیا کہ ستالن کے لئے کتنی دیر تک تالیاں بجیں اور کیروف کے لئے کتنی دیر تک، اور یہ ظاہر تھا کہ کیروف ہر دلعزیزی کی راہ پر تھا۔ پولیٹ بیورو نے اس کے اثر میں آکر لبرل ازم یا کشادہ دلی کا راستہ اختیار کیا، جی۔ پی۔ یو۔ کو بظاہر توڑ دیا گیا اگرچہ وہ اندرونی معاملات کے محکمہ کے ماتحت بدستور فرایض انجام دیتا رہا، جن سیاسی قیدیوں پر مقدمات چل رہے تھے انھیں معمولی سزائیں دی گئیں اور ایسے اشخاص سے جیسے راکوفسکی جو دور دراز کے کوہ الطائی کے نظر بندی کے کیمپ میں سڑ رہے تھے یہ کہہ دیا گیا کہ اگر وہ اپنی غلطیوں پر تحریری طور پر اظہار پشیمانی کریں تو انھیں معافی دے دی جائے گی اور انھیں موسکو واپس بلا لیا جائے گا

اس کا اندازہ لگانا کہ سٹالن کی طبیعت پر اس کا کیا اثر ہوا ہو گا، دشوار ہے اس تجویز کا بانی وہ نہ تھا اور یہ تجویز اس کے مزاج اور طرز عمل سے مناسبت نہ رکھتی تھی۔ قدرتی طور پر وہ ہر اس کمیونسٹ کے ارادوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتا تھا جو آگے بڑھ کے قدم رکھنا چاہتے تھے، ایک بات صاف تھی اور وہ یہ کہ یہ اُس کا فیصلہ تھا کہ ریپبلک میں اول درجہ اس کے لئے محفوظ رہنا چاہیئے۔ اس نے خود رقیبوں سے میدان صاف کرنے میں جو دردسری کی تھی اس کا یہ تقاضا تھا کہ وہ ہر ممکن حریف کی چالوں کو شبہ کی نگاہ سے دیکھے اس کا یہ عقیدہ تھا کہ جو شخص ایک مرتبہ دشمن ثابت ہو چکا وہ اختتام داستاں تک دشمن ہی رہے گا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف تو وہ کیروف کو ڈھیل دیتا رہا اور دوسری طرف اپنے موقعہ کا منتظر رہا، ممکن ہے کہ اس کا یہ خیال ہو کہ جب نزنوویف اور کاسینیف کے دل میں سیاسی مستقبل کے متعلق ایک نئی امید پیدا کر دی جائے گی تو وہ کھل کھلیں گے، سٹالن کے جاسوس اُن کی بہت گہری نگرانی کرتے رہے، اُن کی معمولی سے معمولی بات چیت بھی ایسی نہ تھی جس کے متعلق تفصیلی رپورٹ سٹالن کو نہیں پہنچائی جاتی تھی، اُن کے ملنے جلنے والوں کی بھی دیکھ بھال رکھی جاتی تھی، اگر انھوں نے رادیک سے بات کی تو رادیک کی بھی خفیہ نگرانی ہونے لگی، اور اگر رادیک نے تو خاچیفکی کا کہیں نام لے دیا تو سرخ فوج کے اس جرنیل کی بھی شامت آ گئی، بظاہر تو جی۔ پی۔ یو۔ کا کارخانہ ڈھیلا چھوڑ دیا گیا تھا مگر کشادہ دلی کے اس مختصر دور کے پردے میں مخبری کی زبردست گرم بازاری

رہی

بایں ہمہ مغربی دنیا کی نگاہ میں سوویت روس زیادہ مہذب بنتا نظر آتا تھا، خصوصاً ستمبر ۱۹۳۴ء میں جب انھوں نے لیگ آف نیشن کے ممبر بننے کی دعوت کو قبول کیا،

اگلے مہینہ موسکو میں پہلی دفعہ زمین دوز ریل کے چلنے کی آزمائش کی گئی، بات تو یہ بڑی ہلکی سی ہے کہ زمین دوز ریل کی اقتتاح کا لیگ کے داخلہ سے مقابلہ کیا جائے مگر بولشویکوں نے اس زمین دوز ریل کا ایسا طومار باندھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے پروگرام میں شہری آرام کو فوقیت حاصل ہے، زمین دوز ریل پر ناز کرنا ذرا متوسط الحال طبقہ کی سی حرکت ہے، مغربی لوگوں کو یہ بات ذرا نرالی معلوم ہوگی مگر یہ اس قسم کی بات ہے کہ وہ اسے اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، عام طور پر یہ امید کی جاتی تھی کہ بین الاقوامی لیگ کا نیا ممبر متوسط الحال طبقہ کی ذہنیت کی راہ سے صحیح قسم کی ترقی کرے گا۔

برطانیہ اور امریکہ میں انقلاب کے متعلق جو بھی کچھ موافق اثرات پیدا ہوئے اُن کا آغاز اسی مختصر زمانہ میں ہوا جب کہ کیروف کے اثر سے کام ہو رہا تھا، مغرب ستالن پر اعتماد کرنے کے لئے آمادہ تھا اور اس لئے جب اگلے سال دہشت انگیزی نے از سر نو سر اٹھایا تو لوگ دم بخود رہ گئے یکم دسمبر ۱۹۳۴ء کو اگرچہ اس سے کسی کو نفع نہیں پہنچتا نظر آتا تھا سرجی کیروف قتل کر دیا گیا۔

اٹھارواں باب

سرجی کیروف کا ایک اکیلے اعصابی مزاج ماتحت افسر نے گولی سے کام تمام کیا تھا، یہ شخص اس کا پیچھا کئے پھرتا تھا اور دل میں اس امر پر سوچ بچار کرتا تھا کہ بنی آدم کی اُخوت کے سچے اصول کو ایک بڑی قربانی کرکے مشتہر کرنا چاہیئے۔ قاتل کے جس کا نام نکولائف تھا نہ کوئی سازشی ساتھی تھے اور نہ اسے اُن کی ضرورت تھی بس شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ جی۔ پی۔ یو نے کیروف کی ذاتی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لیا تھا، اگر کسی کو سازشی تعلق ہو سکتا تھا تو وہ پولیس ہی تھی جس کو نکولائف کے مخفی سے مخفی خیالات لازمی طور پر معلوم تھے، نکولائف نے اپنے بچنے کا کوئی انتظام نہیں کیا تھا وہ شہید بننے کے لئے تیار تھا، بیشک اُسے گرفتار کر لیا گیا اور اس سے ایک طول طویل اقبال پر دستخط کرائے گئے اور ارتکاب جُرم کے چند ہی ہفتہ کے اندر مقدمہ چلا کر اُسے سزائے موت دے دی گئی۔

یہ کسے گمان گزر سکتا تھا کہ دو سال بعد سرکاری وکیل زنوویف کو مخاطب کر کے ذیل کے الفاظ کہے گا! "زنوویف میں تم سے پوچھتا ہوں کہ پارٹی کو اپنے بے انتہا عزیز قریب ایس ایم کیروف کی موت کا نقصان کس کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑا، پارٹی اس عزیز قریب سے یوں محروم ہوئی کہ زنوویف مجرم تو نے اسے قتل کیا" تو نے خود اپنے ہاتھوں سے اُسے ہلاک کیا، تیرے ہاتھ کیروف کے خون سے رنگے ہوئے ہیں"

مگر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز خود زنوویف کا اقبال جرم تھا، اگر زنوویف کو اپنے لئے جگہ نکالنی تھی تو اُسے ستالن کو مارنا چاہیے تھا کہ اس شخص کو جو ستالن کو مجبور کر رہا تھا کہ مخالفین سے صلح کی جائے، مگر زنوویف نے یہ بھی اقبال کیا کہ وہ ستالن کو ختم کرنے کی بھی سازش کر رہا تھا اور یہی کامینف نے کہا اور سینکڑوں نے بھی جن کے جی۔ پی۔ یو نے اس سلسلہ میں اظہار قلمبند کئے،

معلوم ہوتا تھا کہ نکولائف جس نے کیروف کو ہلاک کیا تھا دوستوفسکی کے ناول میں سے نکل آیا تھا یعنی اسی سینٹ پیٹرز برگ میں سے جس کی کدورت اور کثافت بھری زندگی کے متعلق دوستوفسکی نے کتنا کچھ لکھا ہے نکولائف اس زندگی کا نمونہ تھا جو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سینٹ پیٹرز برگ میں نشو و نما پاتی تھی اور آج لینن گراد وہی شہر ہے جس کی کثیر آبادی اسی پست حالت میں بسر کرتی ہے، اس موقع پر یہ کہہ دینا ضروری ہے کہ روس کی یہ پرانی راجدھانی موسکو کے مقابلہ میں ہمیشہ انقلاب اور تشدد میں بڑھی رہی ہے، وہاں لوگ ہمیشہ اس نتیجہ پر بہت آسانی سے پہنچے کہ زندگی ناقابل برداشت ہے، اس مصنوعی شہر کو جسے پیٹر اعظم نے اپنی رعایا کی

ہڈیوں پر تعمیر کیا تھا ایک بد دعا تھی قدرت کو کبھی یہ منظور نہ تھا کہ لوگ وہاں رہ کر خوشی سے بسر کریں!

انقلاب کے موقع پر اس میں خون کی ندی بہی اور یہ کبھی خوش نہ رہا بلکہ اس سے نوزائیدہ ریپبلک کو بھی خطرہ پیدا ہو گیا تھا، لینن نے اس میں دانشمندی کی کہ دارالحکومت کو موسکو لے آیا اور یہ بات کہ اس شہر کا نام اسی کے نام پر رکھا گیا تشفی کا باعث نہ تھا، لینن گراد نے موسکو کے اس چین کو خطرہ میں رکھا اور لینن گراد کے رہنے والے ایک غیر منظم بغاوتی پارٹی تھے جن سے یکے بعد دیگرے تراتسکی، زنوویف، کامینف نے امیدیں وابستہ کیں، مگر نکولائیف کا کسی تحریک سے واسطہ نہ تھا، وہ محض لینن گراد کے بازاروں میں آوارہ پھرتا تھا اور غمگین رہتا تھا، اور یا چھوٹے موٹے کلبوں یا میکدوں میں جاتا اور بآواز خود اپنے سے باتیں کرتے ہوئے افسوس کرتا کہ ان انقلابیوں کے خواب کہ جو جاں بحق ہو چکے تھے اکارت گئے۔ اس لحاظ سے کہ جب زاریت کا تختہ الٹا گیا تو اس کی عمر چودہ برس کی تھی اسے ماقبل کے حالات کا کچھ شدبد ہی علم تھا، وہ سرخ پلٹنوں میں رہ کر نوعمری میں لڑ چکا تھا، وہ کمیونسٹ نوجوانوں کی لیگ کا ممبر تھا، اس کے بعد وہ پولیس میں نوکر ہو گیا یا کم سے کم چھوٹے موٹے دوکانداروں وغیرہ کا پیچھا کرنے میں پولیس کا ہاتھ بٹاتا تھا، پچیس برس کی عمر میں اسے آرکٹک سرکل یعنی منجمد شمالی کے حلقہ میں سزا یافتہ مشقتیوں کی نگرانی کرنے کی ملازمت مل گئی تھی، ۱۹۳۳ء میں جب وہ اپنے محکمہ کے افسر اعلیٰ کو قتل کرنے کے سوال پر لینن گراد میں غور و خوض کر رہا تھا اس کی تعیناتی کمیونسٹ پارٹی کے مرکزی دفتر میں ہو گئی۔

یہ تو مان ہی لینا چاہیئے کہ یہ معلوم تھا کہ نکولائف حکومت کی طرف سے بددل تھا، کیونکہ اس سے اس کے خیالات کے متعلق جواب طلب کیا گیا تھا اور یہ سوال بھی اٹھا تھا کہ اسے کمیونسٹ پارٹی سے نکال دیا جائے اُس نے جو کچھ اپنی رائے کا اظہار کیا تھا اس میں کافی مواد موجود تھا جس کی بنیاد پر اس کو سائبیریا جلاوطن کیا جا سکتا تھا یا اُسے سزائے موت دی جا سکتی تھی، مگر یہ کیروف کی نرمی کا زمانہ تھا اور اس کی بکواس کا کچھ خیال نہیں کیا گیا، ایک خیال تو یہ ہے دوسرا خیال یہ ہے کہ پولیس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ شخص خطرناک ہے یعنی عام طور پر جو مغویانہ خیال کے ہوتے ہیں ان سے بہت مختلف تھا کیونکہ وہ ستا ہلانہ مزاج کا آدمی تھا، اُس نے دفتری حکومت کے خلاف ایک عام بے رحمی کا خیال دل میں پکا لیا تھا، اور دل ہی دل میں اس نے اس خیال کو اس قدر بڑھایا تھا کہ بجز اس کے کہ اسے ایک انتہائی انتقام کے ذریعہ سے ٹھنڈا کیا جائے اور کوئی راستہ نہ تھا، یہ تو امر یقینی نہیں ہے کہ کسی نہ کسی کو یہ ضرور معلوم تھا کہ وہ کیروف پر قاتلانہ حملہ کرنے والا ہے مگر اس میں کلام نہیں کہ کیروف کے راستے میں اُس کو بلا مزاحمت چھوڑے رکھا گیا،

اُس وقت جی۔ پی۔ یو کی باگ ڈور دو یہودیوں کے ہاتھ میں تھی یعنی ہوری یگودا اور یعقوب اگرانوف، اُن کی پالیسی یہ تھی کہ وہ کریں جو وہ سمجھتے تھے کہ ستالن پسند کرے گا، یعنی وہ اس سے پوچھتے نہ تھے بلکہ اُس کی خواہشوں کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ وہ دونوں ایسے آدمی تھے جو اعلیٰ عہدے تک اپنی سفاکی، بے دردی اور اخلاقی قدور سے قطعی بے نیاز ہونے کی وجہ سے پہنچے تھے۔ یگودا نے جو ایک کیمسٹ عطار کے ہاں ملازم تھا۔ سب سے پہلے اپنی اذیت رسانی کی وجہ سے نام پیدا کیا تھا، اگرانوف نے جو مرگی کا

مریض تھا پروفیسروں کو قتل کر کر کے شہرت حاصل کی تھی، یہ لوگ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کا نام تاریخ میں باقی رہے اور شکسپیر کے ڈرامے میں وہ صرف پہلا قاتل، دوسرا قاتل لکھے جاتے، مگر اُن کے ماتحت ہزاروں جاسوس تھے اور پولیٹ بیورو کے ممبروں کی حفاظت کرنے کی ذمہ داری اُن پر تھی، اگر یہ صحیح ہے جیسا کہ بعد میں کہا گیا کہ کیروف کا قتل سیاسی قتلوں کے سلسلہ کی ایک کڑی تھا جن کے متعلق ایک ہی وقت میں سازش کی گئی تھی اور یہ کہ ورو شلوف اور ستالن کے نام بھی قتل ہونے والوں کی فہرست میں موجود تھے تو اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نومبر ۱۹۳۴ء میں انھوں نے بظاہر کس قدر بے پرواہی برتی، مگر کیروف کے قتل کے بعد ان کو فوراً ہی معزول نہیں کیا گیا،

اگر انوف کو لینن گراد بھیجا گیا، بظاہر یہ تحقیقات کرنے کے لئے کہ مقتول کی حفاظت کافی طور پر کیوں نہیں کی گئی، مگر بجائے اس کے کہ وہ اس مسئلہ کی رپورٹ پیش کرتا اُس نے ایک بہت بڑی سازش کی شہادت بہم پہنچائی جس میں سوویت روس کے تمام وہ اشخاص ملوث تھے کہ جو اس قابل تھے کہ ستالن کی مخالفت کی سرکردگی کریں، ستالن اور ورو شلوف دونوں فوراً ہی لینن گراد پہنچے اور اس قسم کی شہادت موجود ہے کہ ستالن کو اس قتل سے حیرت ہوئی، حیرت تو اسے ہوئی مگر بہت زیادہ صدمہ نہیں ہوا، ایک پرانا بالشویک جو کمیونسٹ پارٹی میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز ہوتا چلا جا رہا تھا ٹھکانے لگ گیا تھا اگرچہ کیروف کافی وفادار تھا پھر بھی یہ احتمال تھا کہ وہ ستالن کو دور بٹھا دیگا۔ سرخ روس کو ایک قومی رہبر مل گیا تھا اور ہر وقت اس بات

کا امکان تھا کہ سرخ روس بمقابلہ گرجستانی کے ایک روسی کو لبیک کہے، ایک لحاظ سے کیروف کے ختم ہو جانے سے ایک قسم کے اطمینان کی صورت پیدا ہو گئی،

ایک عنصر اور بھی تھا، کیروف ستالن سے ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ پرانے بالشویکوں کے ہاتھ سے کسی پرانے بالشویک کا خون نہ ہونا چاہیئے لینن کی یہ تمنا تھی کہ انقلاب کے بانی کبھی ایک دوسرے کا خون بہانا شروع نہ کریں اور کہا جاتا ہے کہ یہی لینن کی امید تھی جس نے ترتسکی کو پھانسی سے بچا لیا، اسی وجہ سے ستالن کو جرأت نہ ہوئی کہ زنوویف کو موت کے گھاٹ اتار دے، کیروف کی سفارش نے اُسے ریوتن کو گولی سے اڑوانے سے باز رکھا، اگر اب یہ بات ثابت کی جا سکتی تھی کہ زنوویف اور کامینیف جو پرانے بالشویک تھے کیروف کے قتل کا ارادہ کر چکے تھے تو وہ "امان" جو لینن کی وجہ سے قایم تھا قطعی ختم سمجھا جانا چاہیئے۔

ستالن نے نکولائف سے ذاتی طور پر قید خانہ میں مل کر بات چیت کی تھی، قاتل نے یہ بیان کیا تھا کہ اُس کی یہ خواہش تھی کہ روسی انقلاب کی تحریک کی تاریخ میں اس کا نام رہ جانا چاہیئے، اس نے برادری کو دفتری حکومت سے خلاصی دلانے کی کوشش کی تھی، ستالن نے جو مردم شناسی کی انتہا درجہ کی قابلیت رکھتا ہے، قیدی کی افتادِ طبیعت کا قریب قریب صاف اندازہ لگا لیا ہوگا، یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ نہ تو ستالن نے اور نہ کسی اور رکنِ حکومت نے نکولائف کی کھلے طور پر ان الفاظ میں مذمت کی جو بعد میں زنوویف اور دوسروں کے متعلق استعمال کیے گئے۔ اسے بڑی جلدی راہی عدم کر دیا گیا۔

اب زنوویف اور کامینف کے خلاف شہادت دینے والوں میں سے سب سے اہم گواہ کو تلف کرنا ضروری تھا۔ مگر یہ قطعی ممکن ہے کہ نکولائف کو آخر تک یہ بھروسہ تھا کہ اس کی حمایت کی جائے گی اور اس کی جان بچ جائے گی۔

یہ ڈراما بڑا ہی دردناک ہے اور اس کی رفتار اس سے زیادہ دھیمی تھی جتنی نظر آتی تھی۔ جن لوگوں کو آگے چل کر جان دینی تھی ان کے فوری طور پر عقدے کھولنے شروع نہیں کئے گئے۔ اگر انوف نے جو اپنے پسندیدہ شغل یعنی پروفیسروں کے قتل میں برابر مصروف تھا لینن گراد کے اِنے گنے ارباب دماغ کو جو گاہے گاہے اپنے مداحوں کے سامنے بعض نوقسم کے مضامین سیاسی مسائل پر پڑھا کرتے تھے گھیر لیا، اور وہ نکولائف کے ہمراز سازش قرار دے دئے گئے۔ پرانے بالشویک اس قسم کی کارروائیوں سے گھبرائے نہ تھے۔ جب کبھی پہلے کسی کمیونسٹ کا قتل ہوتا تھا تو یہ قاعدہ تھا کہ کئی ایک بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے تاکہ سب کے کان ہو جائیں کہ مقاومت کوئی مفید شے نہیں ہے۔

ان تمام اشخاص کے عزیز و اقارب کی زبان بندیاں کر دی گئی تھیں جو نکولائف کے ہمراز قرار دئے گئے تھے۔ تاکہ وہ از خود کوئی بیان نہ دے سکیں۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مقدمہ کے حالات کو دبانا مقصود تھا، پرانا تراتسکی کا گروہ جو ایک زمانہ میں زنوویف کا حامی تھا ان حالات سے خوفزدہ نہیں تھا، اُن کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ نکولائف، اور اس کے "معاونین" کو سزائے موت دینا اور استغاثوں کی بنیاد بن جائے گی۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ رومیانتسیف کو تو جوف، لیون اور دیگر اشخاص مجرم تھے تو وہ اشخاص بھی جن کی طرف وہ رہبری کے

دیکھتے تھے ضرور مجرم ہونے چاہئیں،

بالآخر زنوویف ایک ایسا جھوٹا اقبال کرنے پر مجبور ہوا جس میں وہ گرڈ گرڈایا اور اُس کے الفاظ یہ تھے" میں کیروف کے قتل کے انتظام کرنے والوں کا سرغنہ ہونے کا اقبال جرم کرتا ہوں" مگر یہ اول ہی سے صاف نظر آتا تھا کہ اگر انوف نے زنوویف کے پھانسنے کا ارادہ کر لیا ہے، اس امر کے لئے زبردست وجوہ تھے کہ زنوویف کا مقدمہ اُس وقت تک ملتوی کیا جائے جس وقت تک زنوویف کو اس کے ساتھ مجرم بنا کر کھڑا کیا جائے، مگر اگر ایسا کیا جاتا تو زنوویف کے خلاف جو مقدمہ تھا وہ مہمل بن جاتا

قاتل کو ملامت کرنے کے سلسلہ میں زنوویف کا مینف اور رادیک نے بلند آہنگی سے کام لیا تھا اور انھوں نے کیروف کے فصیح و بلیغ مرثیے لکھے تھے مگر زنوویف دل ہی دل میں خائف تھا اور اس نے یگودا کو لکھ کر اپنا اطمینان کرنا چاہا کہ اس کے خلاف تو پولیس نے کوئی سازش شروع نہیں کر دی، (اس کا خیال یہ ہوگا کہ) ایک یہودی کو دوسرے یہودی کا ساتھ دینا چاہیئے، کامینف نے ستالن کے دامن میں آنسو بہا کے اپنی محبت اور وفاداری کا اطمینان دلانا چاہا۔

یہاں یہ جملہ معترضہ ہو جانا چاہیئے کہ جی۔ پی۔ یو کے بعض لینن گراد کے اہلکاروں سے بند کمرے میں باز پرس کی گئی اور انھیں مجرم قرار دے کر ہلکی ہلکی سزائیں ہو گئیں، یہ کارروائی اس لئے کی گئی کہ بات بگڑنے نہ پائے اور ان میں سے کسی شخص کو گولی کا شکار نہیں کیا گیا،

ستالن نے پولیٹ بیورو کے سامنے بیان دیا کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اُن تمام اشخاص کے قول و فعل کی پوری جانچ پڑتال

کی جائے جو کسی وقت میں ترو تسکی کے گروہ میں شامل تھے اور کامینف اور زنوویف کے رفیق کار تھے، زنوویف، کامینف اور اُن کے رفقار ایفدر کیموف اور باکائف کو جلدی ہی گرفتار کر لیا گیا اور ان پر بغاوت کا الزام لگا کے مقدمہ چلایا گیا، جنوری ۱۹۳۵ء میں انھیں دس دس برس کی سزائیں دی گئیں، اس سے مدعا یہ تھا کہ یہ دونوں یہودی لیڈر قید خانہ میں ہوں اور اُن کے خلاف بڑے مقدمے کی تیاری کی جائے، عدالت میں حسب معمول اُن کا رویہ تذبذب کا رہا، وہ بزدلے تھے اور جس وقت جسمانی خطرہ نظر آتا تھا تو ان کی چالاکی اور ذہانت پر اوس پڑ جاتی تھی، اُن سے کہا گیا کہ انھیں لازم ہے کہ وہ حکومت کی وفاداری کا دم بھریں چاہے اس کا نتیجہ اُن کی سیاسی زندگی کا خاتمہ ہی کیوں نہ ہو، انھیں لازم ہے کہ وہ تمام روس کے اندر جو جو دہشت انگیزی اور نقصان رسانی کے واقعات ہوئے ہیں اپنے آپ کو اُن کا ذمہ دار ٹھہرائیں کیونکہ ستالن کے خلاف جو زمین دوز سازش تھی اُس کا صرف اس طریقہ سے ہمیشہ کے لئے قلع قمع ہو سکے گا۔ ۱۹۳۵ء میں تو انھوں نے اپنی جان بچالی مگر نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۶ء میں قانونی طور پر اُن کی جان پر آن بنی، اور اس سے بھی بدتر یہ ہوا کہ انھوں نے سینکڑوں اور اشخاص کی زندگیاں بیچ کر اپنی جانیں بچائیں یا بچانے کی کوشش کی ان سب کی گرفتاری اُن کے ہمراز ہونے کی حیثیت سے لازم ہو گئی۔

وہ قید ہوئے مگر اُن کی قید نہ محض تھی اور نہ بامشقت بلکہ ایک مستقل روحانی اذیت تھی، ۱۹۳۵ء میں پورے سال بھر اور ۱۹۳۶ء کے سات مہینے اُن پر تیسرے درجہ کے عذاب کے گزرے، اُنھیں بڑی مکاری سے چھوٹے اور دوستانہ طریقہ پر مشورہ دیا گیا اور انھیں سگریٹ پیش کئے گئے

اور کہا گیا کہ انھیں اس مقدمہ سے اپنا دامن پاک کر کے نکلنا چاہیئے۔ اُن کا ایسے لوگوں سے آمنا سامنا کرایا گیا جنھوں نے کانا پھوسی کر کے یہ کہا کہ خفیہ طور پر اُن کے بھی خیالات انھیں کے سے ہیں اور وہ ان کے طرفدار ہیں اور وہ اُن کے پیام ان کے دوستوں کو جیل خانہ سے باہر پہنچا دیں گے، ان کو ایسے پرانے بولشویکوں کے متعلق جیسے سمرنوف طول طویل فریبی گفتگو میں مصروف رکھا گیا، سمرنوف کا عقدہ کھولنے سے غالباً (کہا گیا ہوگا کہ) خود ان کی سزا کی مدت میں تخفیف ہو جائے گی۔ بعض اوقات ایسے لوگ ان سے مخاطب ہوئے جنھوں نے اُن پر سانپ بچھو اور ذلیل کتے کے آوازے کسے، باری باری اُن پر جرح کرنے والوں کو مقرر کیا گیا جنھوں نے اپنی جرح رات رات بھر اور دنوں اور راتوں تک جاری رکھی۔ جب ایک جرح کرنے والا تھک جاتا تھا تو دوسرا اُس کی جگہ آجاتا تھا مگر کاہیف اور زوفیف پر سوالوں کی بھرمار جاری رہتی تھی، اُن کے چہرے زرد پڑ گئے، اور بالآخر تھک کے چور ہو گئے اور مجبوراً انھوں نے لغو باتوں کا اقبال کیا اور اُن اظہاروں پر دستخط بھی کر دئے جن کے ذریعہ اور سینکڑوں کو ملوث قرار دے دیا تھا۔ قید خانہ میں جو رہی سہی ان میں سکت باقی تھی اس کا بھی خاتمہ کر دیا گیا تھا، اس طرح اُن کے اقوال حاصل کئے گئے تھے یعنی نہ تو جسمانی اذیت دے کر اور نہ سچائی اگلوانے والی جڑی بوٹی دے کر یا مسمریزم کے ذریعہ سے جیسا کہ بعد میں بعض ان اخبار نویسوں نے تاویل کی تھی جو اُس دماغی کیفیت کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جو سوویت کے قید خانہ کی جرح کے دوران میں طاری ہو جاتی تھی،

انیسواں باب

۱۹۳۵ء ظاہری حالات کے لحاظ سے ٹھنڈک سیلک کا سال تھا زنوویف اور کامینف پر جو کچھ گزری اس کا لوگوں پر بہت اثر نہ تھا وہ معزول بھی ہو جایا کرتے تھے اور پھر بحال بھی اور ایسا کئی مرتبہ ہو چکا تھا، ہو سکتا تھا کہ وہ رہا ہو جائیں اور پھر بحال ہو جائیں، سٹالن ان کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل کھیلنے کا عادی تھا، مگر اس ظاہری خاموشی کے پیچھے حقیقت میں زبردست سرگرمیاں جاری تھیں، تمام سال پولیس والے ایک زبردست سیاسی بحران اور لوگوں کے دماغ ٹھیک کرنے کی تیاریوں میں لگے رہے۔ یعنی حکومت کے خلاف ایک سازش کے مقدمے کی تیاری میں تاکہ تمام رقیبوں اور نکتہ چینوں کا خاتمہ کر کے سرِ حکومت کو بلند ترین مقام پر پہنچا دیا جائے کہ اس کی شان و شکوہ کا کوئی حریف باقی نہ رہے، اس سال مصنوعات کی پیداوار کو زبردست سرگرمی کے ساتھ بڑھایا گیا، دوسری پنج سالہ تجویز کے سلسلہ میں جس کا زراعتی ترقی کا پروگرام کامیاب ثابت ہو رہا تھا فیصلہ کیا گیا تھا کہ اس کو

ایسی شاندار کامیابی بنا کر دکھایا جائے جو سٹالن کو انقلاب کی فوق البشر ہستی ثابت کرے، اُس کا یہ مدعا تھا کہ اقتصادی میدان میں بھی اُس کی عظمت پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے تاکہ جب اس کے منصوبے کے مطابق ۱۹۳۷-۳۸ء میں سوویت کے شہری بڑے پیمانہ پر تہ تیغ ہوں تو اس کا اثر اس کے اخلاقی اختیارات پر نہ پڑے جس کا احتمال تھا، دوسری پنج سالہ تجویز کے سلسلہ میں ایک ترکیب نکل آئی جس نے کامیابی کو یقینی بنا دیا، ترکیب یہ تھی کہ محنت مزدوری کے میدان میں جنگی اصطلاحیں استعمال کی جائیں گویا دوسری پنج سالہ تجویز ایک جنگی مہم تھی جس میں مزدور سپاہیوں کی طرح باتیں کر رہے تھے، درپردہ یہ طبقہ وار جنگ کی ایک تفسیر تھی یعنی یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں مضبوط کمزوروں کے خلاف، محنتی کاہلوں کے خلاف ہوشیار بے وقوفوں کے خلاف رزم آرا تھے

اس مہم کی ابتدا اس طرح کی گئی کہ کارخانوں میں جھنجھوڑنے والے دستے کام پر لگائے گئے اور یہ دستے ایک کارخانہ سے دوسرے کارخانہ میں بھیجے جاتے تھے تاکہ مال بنانے کی رفتار کو تیز کیا جائے، اگر کوئی صنعت سُست رفتار ہوتی تھی اور مال تجویز کے مطابق پورا نہیں اترتا تھا تو اس میں یہ جھنجھوڑنے والے دستے بھیجے جاتے تھے، ان دستوں میں جوشیلے نوجوان کمیونسٹ ہوتے تھے جن کی ذہنیت ٹریڈ یونین کی ذہنیت کے بالکل برعکس تھی۔ جہاں کہیں انھوں نے ٹریڈ یونین والوں کی سستی اور کاہلی پائی تو اُس کا خاتمہ کر دیا، اور کارخانوں میں جو دیواروں پر اخبار لکھے جایا کرتے ہیں انھوں نے اس کا یہ استعمال کیا کہ کھلے حزانے جو لوگ ضدی یا نالائق ہوتے تھے اُن کی مذمت لکھ دیتے تھے، انھوں نے سابقت شروع کر دی کہ دیکھیں کس شفٹ کے مزدوروں کا کونسا گروہ کام میں سب سے

آگے بڑھ جاتا ہے، اخبارات میں مزدوروں کی سرخ اور سیاہ فردیں نکلوانے کے بھی وہی ذمہ دار تھے، وہ ان لوگوں کو ڈھونڈ نکالتے تھے جو اپنا حق ادا نہیں کرتے تھے اور اخبار میں ان کا مذاق اڑاتے تھے، برعکس اس کے کارخانہ کے جو ہیرو بن جاتے تھے ان کے نام سرخ فردوں میں نکلتے تھے جن میں امتیازی ستارے بڑھا دئے جاتے تھے۔

اس طرح تیز کام کرنے والوں کا خوب ڈنکا بجایا گیا، کارخانوں کے منتظم اپنے مزدوروں میں اس طرح امتیاز نہ کرتے وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کامیابی کی نیکنامی میں کس کی شرکت ہو، اس کا سہرا جھنجوڑنے والے دستوں کے سر تھا، تحریک ستاکی نودی کی ابتدا یہ تھی اور یہ تحریک ایک شخص 'ستاکھانوف' کے نام پر چلی تھی جو کان کا کوئلہ کھودنے میں سب سے بازی لے گیا تھا، بازی لے جانے کا مرض انفرادی مزدوروں تک پھیل گیا تھا، بازی لے جانے والوں کے ستائن خود اپنے ہاتھ سے تمغے لگایا کرتا تھا اور وہ انقلاب کے ہیرو کہلاتے تھے اور انھیں ہر قسم کی آسائشیں میسر تھیں بعض بیرونی سیاحوں کو یہ بات بہت بھلی معلوم ہوتی تھی کہ محنت مزدوری کے انقلاب کو انتہائی عروج تک پہنچانے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتا تھا۔ مزدور طبقہ نے اپنی کا نام کرنا اور ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

ہر عورت یا مرد جتنی زیادہ انفرادی مزدوری کرتا تھا اتنی ہی زیادہ اسے اجرت ملتی تھی، اور جتنا کم کرتا تھا اتنی کم دھیانگی پاتا تھا، غریب مزدوروں کے ایک بہت بڑے طبقہ کو بے چارے گورے دلدری کہا جانے لگا اور انھیں مشکل سے پیٹ بھر کے روٹی ملتی تھی، نسبتاً جو قوی تر تھے وہ گویا شمالیوں میں شریف بن گئے۔

اگرچہ اس طرح اشتراکیت کے اصولوں کی قربانی تو ہوئی مگر مال کی پیداوار کی مقدار ضرور بڑھ گئی مولوتوف اور ستالن کے سامنے جو اعداد و شمار پیش کئے گئے اُن سے واقعی یہ خیال ہوتا تھا کہ عام کامیابی بڑے دھڑلے کی ہوگی، انھوں نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ سوویت یونین کے مصنوعات کی مقدار ۱۹۳۶ء یورپ بھر میں اول درجہ پر ہوگی،

مگر جیسا کہ ترائسکی نے بجا طور پر کہا ہے مصنوعات کی مقدار کا تو خیال کیا مگر مال کی خوبی پر نظر نہ رہی واقعہ یہ ہے کہ ستاخانوفی لپٹ جھپٹ میں کام کرتے تھے اور دھوکہ دینے کے لئے ہر طرح کے داؤں کرتے تھے تاکہ اُن کے انفرادی کام کی مقدار لاثانی معلوم ہو، مگر ۱۹۳۵ء میں مال کی عمدگی کو زیادہ غور سے نہیں دیکھا جاتا تھا، اعلیٰ افسران اعداد و شمار کے طومار پر بغلیں بجاتے تھے، انھوں نے اعلان کر دیا کہ دوسری پنج سالہ تجویز کے اختتام پر سوشیلزم یعنی اشتراکیت کی کامیابی پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے گی سوویت یونین دولتمند ہوتی جاتی تھی، سوویت کے سب شہری خوش حال ہو چلے تھے اور سرمایہ دار ممالک کے مزدور اُن پر رشک کرنے لگے تھے، عوام الناس کی کھلی مفلسی اور مصیبت زدگی کے باوجود یہ کہا جاتا تھا اعداد و شمار یہ بتاتے تھے کہ اوسطاً شہریوں کی حالت اب اتنی بہتر ہو گئی تھی کہ اگلے زمانہ کی خوشحالی کو اس سے کوئی نسبت نہ تھی، اب ریاستہائے متحدہ روس نے اقوام کے خاندان میں مساویانہ پایہ حاصل کر لیا تھا اگرچہ وہ اپنے کو ایک قوم کہنے سے منکر تھے، جنیوا میں ممالک کی کونسل میں لتویونوف کی آواز کو اتنا ہی وزن دیا جانے لگا تھا جتنا سر سیمول ہور یا مسٹر ایڈن کی، ستالن کو ہٹلر اور مسولینی سے بھی زیادہ شہرت حاصل ہونے

لگی تھی

یہ زمانہ خیالات کی تبدیلی کا تھا، سولھویں کانگریس کے سامنے اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے سٹالن نے کہا تھا کہ "مذہب امن پسندی کی یہ آخری گھڑیاں ہیں، اور بین الاقوامی لیگ آف نیشنز کی نعش دفن ہونے سے پہلے ہی سڑنے لگی ہے" مگر طرفہ تماشہ ہے کہ سوویت یونین اسی سڑتی ہوئی لیگ کی ممبر ہو گئی اور اب اس لیگ میں سے بدبو نہیں آتی تھی، سوویت یونین کے کل مدبرین اپنے اپنے لئے نئی اونچی باڑ کی رسمی ٹوپیاں خرید رہے ہیں، ریاستہائے متحدہ روس کے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ وہ اپنے نئے مرتبے کے لحاظ سے زندگی بسر کرے، ستمبر میں توکھاچیفسکی نے جو درو شلوف کے ماتحت درحقیقت فوج کا کرتا دھرتا تھا افسروں کے عہدے دوبارہ شروع کر دیے یعنی وہ پورا تدریجی سلسلہ جس میں لفٹننٹ سے لے کر فیلڈ مارشل یا سالارِ اعظم تک ترقی کا زینہ ہے، ایڈورڈ ہیریو نے موسکو کی سیاحت کے دوران میں جو الفاظ کہے تھے یہ ہیں "سُرخ فوج کے افسران فنِ رقص کے سبق لے رہے ہیں" فوج میں طرحداری کا ڈھنگ چل گیا تھا، تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ ایک ڈکٹیٹر اعظم کے لئے ضروری تھا کہ اس کے گرد و پیش فوجی طمطراق اور ترک احتشام نظر آئے، ٹینک یعنی آہنی گاڑیوں میں بھی نمائش کی غرض سے اضافہ کر دیا تھا جسے طاقت کے فولادی پنجے کا نشان سمجھنا چاہیے۔

موسکو سیاحوں کی تماشہ گاہ سی بن گیا تھا، اس سال یعنی ۱۹۳۵ء میں روٹی کا حصہ حاصل کرنے والوں کی قطاریں ختم ہو چکی تھیں، ظاہر ہے کہ اشتراکی اقتصادیات کی کامیابی کی اس طرح بیرونی سیاحوں کے سامنے

نمائش نہیں کی جا سکتی کہ سوکھے سڑے بھوکوں کی لمبی لمبی قطاریں کھڑی ہوئی دکھائی دیں کہ کہیں انھیں مٹیالی روٹی کا ایک ٹکڑا نصیب ہو جائے یہ حکم لگا دیا گیا تھا کہ دوکانوں میں جس طرح مغرب میں روٹی بکتی ہے بکنی چاہیئے اور اب یہ ضروری نہیں رہا تھا کہ معینہ مقدار کا ٹکٹ دکھا کے روٹی خریدی جائے۔ نومبر میں ستالن نے ستاکھانوفینوں کو مخاطب کیا، یعنی اُن مزدوروں کو جنھیں مال کی پیداوار کی بنیاد پر بازی لیجانے والوں سے چھانٹا گیا تھا اور جنھیں تمغے عطا ہوئے تھے، دوران تقریر میں ستالن نے کہا" دوستو (کامریڈز) زندگی اب بہتر ہو گئی ہے، زندگی میں اب زیادہ خوشی و خرمی آگئی ہے اور جو انسان مسرت کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو زندگی میں سرگرمی پیدا ہو جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہمارے مال پیدا کرنے کی اوسط اتنے اونچے درجہ پر پہنچ گئی ہے۔ اسی وجہ سے محنت مزدوری کرنے والے طبقہ میں ہیرو اور ہیروین (مرد عورت) پیدا ہونے لگے ہیں، ستاکھانوفی تحریک کی یہی بنیاد ہے، اگر ہمارے ملک کی حالت نازک ہوتی، ہمارے ہاں بے روزگاری ہوتی۔ ہم افلاس مصیبت اور افسردگی میں بسر کر رہے ہوتے تو ملک میں ستاکھانوفی تحریک کہاں ہوتی"

بیسواں باب

اور یہ ۱۹۳۵ء ہی تھا جس میں سیاسی مخالفین کا بڑے پیمانہ پر صفایا کیا گیا، کسی شہر میں اس سال ایسی پولیس کی دہشت انگیزی نہیں تھی جیسی لینن گراد میں، احکام جاری ہو گئے تھے کہ مخالفین سے ہتھیار دھروا لئے جائیں اور لینن گراد ہی ایک ایسا شہر سمجھا گیا تھا جہاں سے زبردست مخالف تحریک سر اٹھا سکتی تھی، یعنی زاریت کے حق میں یا انقلاب کے مخالف تحریک نہیں بلکہ ایک ایسی تحریک جس کا یہ انوکھا مقصد ہو کہ ستالن کو گدی سے اتار لایا جائے، بہانہ یہ بنایا گیا تھا کہ ملک سے کیروف کے قاتلوں کی بیخ کنی ضروری ہے

پہلے تو وہ کیا گیا جس سے لوگ واقف تھے یعنی اُن مزدوروں اور عورتوں سے جو مختلف الزاموں کے سلسلہ میں مقدمات کی سماعت کا انتظار کر رہے تھے جیلخانے خالی کئے گئے، ۱۱۶ اشخاص جو قتل کے زمانہ میں مقید تھے فی الفور گولی سے اڑا دیئے گئے تاکہ لوگوں کو کان ہو جائیں

کہ حکومت کیا کرنے والی ہے پھر شہر کی ساری آبادی کو جاسوسوں نے کھنگال ڈالا اور نوّے ہزار آدمی نظر بندی کے کیمپوں میں تعزیری مشقت پر بھیجدئے گئے، پھانسیاں سرسری طور پر بغیر کسی مقدمہ کے عمل میں آئیں، مگر جلاوطنیاں بغیر طول طویل ابتدائی تفتیش کے نہیں کی گئیں، جی۔ پی۔ یو۔ مجنونانہ طریقہ پر اطلاعات فراہم کر رہی تھی اور آئندہ استعمال کرنے کے لئے فرضی شہادتیں بنا رہی تھی۔

مگر تیسرے درجہ کے احتساب اور جرح کی مصیبت ایسی نہ تھی کہ کوئی قیدی کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ جائے جو اسے ملزم ٹھہرا دے ملزم ٹھہرانے کے لئے یہ کافی تھا کہ کوئی شخص حکومت کی تجاویز کی کامیابی کے متعلق ذرہ برابر شبہ کا اظہار کرے یا بیدخل کئے ہوئے کسانوں کے ساتھ یا ان قیدیوں کے ساتھ جنھیں بغیر مقدمہ چلائے گولی سے اڑا دیا گیا تھا شمہ بھر ہمدردی کا کنایتاً اظہار کرے، جبریہ جرح ایک قسم کا کھیل تھا جس میں ہر خانہ ہار تھی کیونکہ اگر کسی قیدی نے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل کیا کہ میں تو سٹالن کو پوجتا ہوں تو بس وہ مارا گیا، اگر کسی قیدی نے بھولے سے بھی یہ کہہ دیا کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ کامریڈ سٹالن انقلاب کے دوسرے کمرادوں کے برابر ہے تو سمجھ لیجئے کہ اُس نے آفت مول لے لی۔ پھر اُس پر ایسے سوالوں کی بھرمار ہوتی تھی جن سے بچت ناممکن تھی اور یہ سوالات کامریڈ ٹراٹسکی، زنوویف اور کامینف کے متعلق ہوتے تھے، لینن گراڈ میں شاذ ہی ایسے انتہا پسند ہوں گے جنھوں نے کسی نہ کسی وقت اپنے دلوں میں یہ امید نہ باندھی ہو کہ وہ زنوویف کے ساتھ ریپبلک میں بغاوت کریں گے۔ کیونکہ زنوویف نے اس شہر کے مقاصد

کی حمایت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لیا تھا، پیتروگراد کی سوویت کی صدارت کے دوران میں یہ زنوویف ہی تھا جس نے راجدھانی کا نام لینن گراد رکھا تھا یہ یوکرائن کا پھپھس یہودی جس کے بال بکھرے رہا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک حرکت آفریں شخصیت ہے وہ ابتدائی بولیتھ بیورو کی غالب شخصیتوں میں سے تھا اور اسے لینن کا قرب حاصل تھا، یہ سمجھنا قدرتی بات تھی کہ اس کے حوصلے ایک دن نکلیں گے اور لینن گراد کے انقلابوں کو اس کی کامیابی میں شرکت نصیب ہوگی، اس کی ناکامیابی سے جو مایوسی پھیل گئی تھی، وہ کڑوی تھی، محتسبوں نے اس مایوسی کی تہ تک پہنچنے کے لئے بے دردانہ نفسیاتی جرح کرنے والوں کی طرح کام لیا تھا۔

جی۔ پی۔ یو نے جلدیں کی جلدیں ایسی شہادت کی مہیا کیں جن سے یہ پایا جاتا تھا کہ لوگ سٹالن کی جانب سے خصومت رکھتے ہیں، مشتعل ہونے والا مواد اتنا کافی موجود ہے کہ اس سے حکومت کا استقلال خطرے میں پڑ سکتا ہے، تحقیقات کا رخ اُن مشتبہ اشخاص کی جانب بھی پھیر گیا جو موسکو میں رہتے تھے اور وہاں بھی اسی قسم کی اندر خانہ بد دلی موجود پائی گئی، جی۔ پی۔ یو اس نتیجہ پر پہنچی کہ موسکو کی دہشت انگیزی کا مرکز ۱۹۳۳ء میں قایم ہو چکا تھا لینن گراد میں بھی دہشت انگیزی کا مرکز تھا اور خیال یہ کیا گیا کہ ان دونوں کی انتظامی کمیٹی ایک ہونی چاہیے اور اس لئے انھوں نے اس کا نام متحدہ مرکز رکھ دیا، بعد ازاں جی۔ پی۔ یو نے یہ آڑ پکڑی کہ انھیں پس پشت رہنے والے دہشت انگیزوں کا پتہ چلا ہے جن کا یہ فرض تھا کہ اگر متحدہ مرکز ناکام ثابت ہو تو لیڈروں کو قتل کرنے کا کام وہ خود اپنے ہاتھ میں لے لیں، اور یہ جماعت تراتسکی، زنوویف "ریزرو"

دہشت انگیزی کا مرکز مشہور ہو گیا، اس کا دوسرا نام تراتسکی زنوویف متوازی مرکز تھا اور طویلے کی بلا بندر کے سر، ان سب مرکزوں کا شریر النفس بانی تراتسکی کو سمجھا گیا تھا، یہ لوگ یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھے کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان خیالی انجمنوں کا جن میں ہزارہا ممبر اور ہمدرد شریک تھے پیدا ہو، ستالن کے دور حکومت کو سوچ سمجھ کر قابل ملامت ٹھہرائے جانے کا نتیجہ نہیں تھا ان کے خیال میں یہ دہشت انگیز یا تو بزور انقلاب کر کے عہدے حاصل کرنا چاہتے تھے یا تراتسکی نے انھیں خرید لیا تھا۔

آخر یہ سب کچھ کرنے کے لئے اس قدر روپیہ تراتسکی کے ہاتھ کہاں سے آگیا تھا، جب سوویت یونین نے کامریڈ ونشاکن (تراتسکی) کو جلاوطن کیا تو اسے کوئی پنشن تو دی نہ تھی، جب جلاوطنی کے دوران میں جو کچھ پاس تھا خرچ کر چکا تو وہ اپنے قلم سے گزارا کرتا رہا، نا روے میں وہ مفلوک الحال تو نہ تھا مگر دولتمند بھی نہ تھا۔ جی۔ پی۔ یو نے ایک خلاف عقل مفروضہ قرار دیا، اس نے دنیا کو اس پر اعتبار کرنے کے لئے کہا کہ تراتسکی ناتسیوں (نازیوں) کے روپیے سے ریاستہائے متحدہ روس کے عالی مرتبہ عہدیداران کو رشوتیں دے رہا تھا، اُسے لکھو کھا مارک کی قیمت کا سونا بطور امداد کے مل رہا تھا۔ یعنی وہ جرمن جو یہودیوں کے جانی دشمن ہیں اُن کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ وہ انقلاب کے سب سے بڑے یہودی سے مل گئے ہیں!

یورپ میں مارکسیت کے سب سے بڑے دشمنوں کے متعلق یہ فرض کیا گیا تھا کہ دو ایک ایسے مارکسی لیڈر سے ساز باز کئے ہوئے

ہیں جس کے پروگرام میں دنیا بھر میں انقلاب کرانا تھا، یعنی ایک ایسے گروہ سے ساز باز جس کے سرگروہ سب یہودی تھے اور اگر کبھی ان کا اپنے آپس میں اتفاق ہو سکتا تو ان کا مقصد یہ ہوتا کہ روس بھر میں یہودیوں کا پورا غلبہ ہو اور پھر یورپ بھر میں یہودی مارکسیت کا غلبہ ہو، واہ کیا خوب! صیہونی زعمائی جھوٹی تبلیغ کے لئے ناتسیوں کے عطیات!

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ایک حد تک راویک ہی اس خیال کی طرف اشارہ کرنے کا گنہگار تھا کہ کیروف کے قتل میں گسٹاپو (جرمن خفیہ پولیس) کا ہاتھ تھا، اور اپنی اس دروغ بافی کی آگے چل کر اسے یہ سزا بھگتنی پڑی کہ وہ یہ اقبال کرنے پر مجبور کیا گیا کہ نہ صرف یہ کہ جرمن خفیہ پولیس نے ترانسکی کی چشم پوشی سے بہت سے قتلوں کے ایک سلسلہ کی سازش کی تھی بلکہ یہ کہ یہ باتیں اس کے علم میں تھیں مگر اس نے اس کا انکشاف نہیں کیا، جی۔ پی۔ یو نے اپنے کارندوں کو ہدایت کی کہ وہ نازی سازش کے متعلق مکمل ثبوت فراہم کریں جرمن جاسوسی کی جانچ پڑتال کرنا سوویت کی خفیہ پولیس کی جائز کارروائی تھی، اور یہ ایک حقیقی سوال بن گیا تھا، اور ڈلف ہٹلر اپنے آپ کو مشیت ایزدی کا آلۂ کار سمجھتا تھا جسے مارکسیت کو تہ و بالا کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا، مگر روسی انقلاب کے خلاف اس کی آتش بیانیوں سے ساکن خوفزدہ نہیں ہوا، اس کا یہ خیال تھا کہ ہٹلر اپنا دل بڑھانے کے لئے بلند آہنگیاں کرتا ہے مگر برلن میں جو سوویت کی جانب سے خفیہ پولیس کام کر رہی تھی اس کی رپورٹوں میں بہت سے پریشان کرنے والے واقعات بیان کئے گئے، اس میں کوئی کلام نہ تھا کہ جرمن کے جنگی صیغہ کو سوویت کی فوجوں کی تقسیم کے متعلق رتی رتی کی اطلاع تھی، انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ افسران کس قابلیت کے ہیں

اور ان کی کیا تمنائیں ہیں نیز توپوں ٹینکوں، اور ہوائی جہازوں وغیرہ کی قوت اور ان کے کارگر ہونے کی صلاحیت کا پورا پورا اندازہ تھا، انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ اسلحہ کے کارخانوں میں بیکار لوگوں کی کتنی تعداد نکلتی ہے موسکو کے مقابلہ میں برلن میں اس امر کا زیادہ صحیح اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ سوویت یونین میں نقصان رسانی اور شر انگیزی کتنے وسیع پیمانے پر کی جا سکتی ہے، یہ لازمی امر تھا کہ سوویت کے باشندے جرمنی کے ہاتھ اطلاعات بیچ رہے تھے، اور بعض صورتوں میں تو یہ پایا جاتا تھا کہ راز یونین کے اعلیٰ عہدیداران ہی کے ہاں سے رس رہے تھے، اگر وہ اطلاعات بیچ رہے تھے تو وہ قیمتیں لے کر نقصان رسانی کے جرائم کا بھی انتظام کر رہے ہوں گے

مگر جی۔ پی۔ یو کو اس میں سخت ناکامی رہی اور وہ نہ تو یہ پتہ چلا سکے کہ واقعی طور پر وہ کون اشخاص تھے جن سے جرمن اطلاعات حاصل کر رہے تھے اور نہ انھیں یہ معلوم ہو سکا کہ نقصان رسانی کے انتظامات کرنے کے لئے رقوم کی ادائیگی کس طرح ہو رہی تھی، روس میں یہ ناممکن تھا کہ کسی شخص کے ہاتھ میں ایک ٹھوس رقم آئے اور اس کی اطلاع پولیس کو نہ ہو، اس لئے یہ فرض کرنا پڑا کہ راز افشا کرنے اور نقصان رسانی اور دہشت انگیزی کی قیمت غیر ملکوں کے بنکوں میں ادا کی جا رہی تھی، اس لئے ہر ایک شخص پر نگاہ رکھی جانے لگی تھی خواہ حکام ہوں یا عجی باشندے جب وہ علاقہ غیر میں جانے اور قیام کرنے کے لئے پاسپورٹ کی درخواست کرتے تھے تو ہر ایک شخص کی پڑتال کی جاتی تھی اور صرف یہی نہیں بلکہ جب وہ غیر ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے پیچھے جاسوس لگے رہتے تھے پھر ایک ایسا وقت آیا کہ سوویت کے باشندے جو غیر ملکوں میں مقیم تھے

بغیر کوئی وجہ بتائے یکایک واپس بلائے جانے لگے، روسیوں کے نام موسکو پہنچنے کا سمن جاتا تھا اور وہ سرحد پر گرفتار کر لئے جاتے تھے اور پھر کبھی ان کا کوئی حال معلوم نہ ہوتا تھا۔

نازیوں کی بلاشک و شبہ یہ منشا تھی کہ بحالت جنگ اُن کے پاس اطلاعات ہونی چاہئیں، بعض ایسے بھولے بھالے جرمن بھی تھے جنھیں یہ یقین تھا کہ ریاست روس جرمنی پر حملہ آور ہوگی اور اس لئے مدافعتی کارروائی کے لئے یہ ضروری تھا کہ بولشویکوں کی تیاریوں کی روک تھام کی جائے، کچھ اور لوگ تھے جو یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ ایک دن جرمنی مارکسیت کو تہ و بالا کرنے کے لئے پیش قدمی کرے گی اس لئے انھیں دشمن کے فوجی ذرائع کی وسعت کا علم ہونا چاہیے پولیٹ بیورو نے اس خیال پر حرج جانا قابل ترجیح سمجھا کہ ناسی خصوصاً روڈولف ہیس، تراتسکی سے سازش کر کے یہودیوں کے ذریعہ سے روس میں انقلاب کا توڑ کرنا چاہتے ہیں اور حمایت کی قیمت اس طرح ادا کی جائے گی کہ جرمنی کے حوالہ صوبہ یوکرائن کر دیا جائے گا، گستاپو ان غداروں کو روس میں روپیہ ادا نہیں کر رہی تھی بلکہ تراتسکی اور اس کا حرامی بیٹا سیلوف رشوت لیتے تھے اور جس طرح ان کے جی میں آتا تھا خرچ کرتے تھے حالانکہ ان جاسوسوں کی اطلاعات سے جو تراتسکی کی نگرانی کر رہے تھے یہ بات بالکل صاف تھی کہ تراتسکی کے ہاں کوئی ایسی ریل پیل نہ تھی، وہ شخص جسے زار کی شاہی ٹرین میں سفر کرنے کا دلی شوق تھا یورپ کی ریلوں میں اول درجہ میں بھی سفر نہیں کرتا تھا،

حقیقت یہ ہے کہ تراتسکی کے روس میں کارندے ضرور موجود تھے

ایسے لوگ جو اس کے لئے خفیہ طور پر کام کرتے تھے زیادہ تر گمنام یہودی جو اسے خانگی سیاسیات کی اونچ نیچ کی خبر پہنچاتے رہتے تھے، "بڑے میاں" کو یہ امید ضرور لگی ہوئی تھی کہ یا تو سٹالن کو قتل کر دیا جائے گا یا وہ قضائے الٰہی سے فوت ہو گا اور کمیونسٹ پارٹی ٹراٹسکی کو جلاوطنی سے واپس بلا لے گی، مگر یہ کہ اس نے موسکو میں بعض لوگوں کو خاص طور پر سٹالن کو قتل کر دینے کے لئے بھیجا تھا یقینی طور پر ثابت نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ خود اس کا اقبال نہ کرے، ٹراٹسکی کسی بات کا اقبال نہیں کرتا، اس کی تصنیفات میں یہ انشاپردازی کا نقص اور سیاسیات کی خوبی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ الفاظ میں جو بات کہتا ہے وہ قلیل سے قلیل ہوتی ہے، اس کا مقصود یہ تھا کہ انقلاب کی آنے والی تاریخ کے ہر ممکن پہلو کو پیش نظر رکھے اور کبھی کوئی ایسا صاف اعلان نہ کرے جو اگر کبھی وہ برسر اقتدار آئے تو اس کے خلاف استعمال کیا جا سکے، بہرکیف جی۔ پی۔ یو کے ہاتھ بنیادی حقیقت آ چکی تھی، یعنی یہ کہ ٹراٹسکی نے کبھی بھی یہ امید نہیں چھوڑی کہ اس کے خیال کے حامی ایک جوابی انقلاب کریں گے اور اس نے حتی المقدور اسے سرانجام دینے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا، اور اسی بنیاد پر جی۔ پی۔ یو والوں نے اپنا ریت کا گھر بنا لیا، لیڈروں کے قتل کی سازش کے سلسلہ میں انھوں نے دو غیر اہم مقدمات گڑھ ہوں پر چلائے کا مینف کو دوبارہ عدالت میں پیش کیا گیا اور اس کی سزا دوگنی کر دی گئی غرض یہ تھی کہ اس خیال کا ازالہ کر دیا جائے کہ کیروف کا قتل کوئی دہشت انگیزی کا فعل تھا، ایک بہت بڑی تعداد میں ان لوگوں کو جو انقلاب میں پیش پیش تھے خاموشی کے ساتھ گرفتار کر لیا گیا تھا، گرفتاریوں کا اعلان

اخبارات میں نہیں کیا گیا۔ بس جن لوگوں کو گرفتار کیا تھا وہ مفقود الخبر ہوگئے یعنی یہ کہ جہاں وہ رہتے تھے وہاں ان کا پتہ نہ چلتا تھا۔ بعضوں کے متعلق یہ کہا جاتا تھا کہ وہ صحت بخش مقامات پر چلے گئے ہیں،

سر والٹر سٹرائن نے لکھا ہے کہ اسے ۱۹۳۰ء کے موسم خزاں میں ٹومسکی کا پتہ لگانے میں کیا دقتیں پیش آئیں، برٹش ٹریڈ یونینوں کے صدر کی یہ خواہش تھی کہ وہ اپنے ہم پایہ سے روس میں دوبارہ ملاقات کرے، بات بڑی ٹیڑھی تھی کیونکہ جی۔ پی۔ یو ٹومسکی کو حراست میں لینے والی تھی، ایک عرصہ سے کوئی شخص ٹومسکی سے نہیں مل سکا تھا، بہر حال سٹرائن کے اصرار پر جس نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے اسے ملک سے نکلنا ہی پڑے وہ ٹومسکی تک پہنچ کر رہے گا ٹومسکی کو اس سے ملوا دیا گیا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس پرانے بولشویک کے ساتھ سٹرائن کی یہ آخری گفتگو تھی کہ جو ضبط تحریر میں آگئی۔ اگلے سال ٹومسکی نے قید خانے میں خودکشی کر لی، کم سے کم سرکاری طور پر یہی اعلان ہوا، ہو سکتا ہے کہ اس کے ہٹیلے پن کی وجہ سے اس کو گولی کا نشانہ بنایا گیا ہو کیونکہ سٹرائن کہتا ہے کہ وہ ضدی تھا۔ خاک فائدہ پہنچا ٹومسکی کو جس نے سٹرائن کے سامنے انقلاب سے جو جو فائدے پہنچے تھے ایک ایک کر کے انگلیوں پر گنوائے قسمت نے اس کے ان اعداد و شمار کے نیچے ایک خط کھینچا اور حاصل جمع دھندلے حروف میں لفظ موت لکھ دیا۔ اور اس کے ہندسے خوفناک الجبرو مقابلہ میں تبدیل ہو کر رہ گئے،

سائبیریا کے لینن ایوان سمرنوف کو اس جیل خانے میں پہنچایا

گیا جہاں محتسب نہ جرح ہوتی تھی، جہاں اس سے پہلے امرا، روسا اور متوسط درجہ کے لوگوں کو خوف دلا کر اذیت پہنچائی جاتی تھی، یہ ایسا مقام تھا جو سیل تاریکی، گندگی، کثافت اور جوؤں کا گھر تھا، معلوم یہ ہوا تھا کہ ۱۹۲۰ء میں وہ ترائسکی کے لڑکے سے برلن میں ملا اس کا یہ گناہ کافی تھا، انقلاب میں جو خدمات اُس نے سرانجام دی تھیں اور اس کی مشہور وضع کی پابندی اور وفاداری بے سود ثابت ہوئی، اب ضرورت اس کی نظر آتی تھی کہ اس سازش کو جو ترائسکی سے موسوم تھی اس کے گلے منڈھا جائے اور جرمنوں کی چشم پوشی کی داستان کو اس بنیاد پر بڑھایا جائے کہ برلن میں ناتسیوں کے برسراقتدار آنے سے پہلے اُن سے اس کا کوئی سمجھوتہ تو ہوا ہی ہوگا، ایک یہودی نے جس کا بظاہر کسی ملک سے تعلق نہ پایا جاتا تھا اور جو ہمیشہ جعلی پاسپورٹوں کے ساتھ سفر کرتا تھا سمرقوف کے خلاف سب سے بڑی شہادت پیش کی، اس نے بیان کیا کہ ۱۹۲۳ء سے جرمن گسٹاپو (خفیہ پولیس) اور جرمنی کے حامیان ترائسکی کے درمیان باضابطہ تعلقات قائم ہوگئے تھے، غالباً اس لئے کہ کہیں وہ اپنے بیان سے منحرف نہ ہو جائے اُسے گولی کا نشانہ بنا دیا گیا، اس شخص کا نام اوسبرگ تھا اور یہ ایسے چال چلن کا شخص تھا کہ کسی مہذب ملک میں اس کی شہادت کی ذرہ بھر قدر نہ کی جاتی۔

اور یہودیوں کے انبوہ کے انبوہ گرفتار کیے گئے اس غرض سے کہ جرمنوں اور ترائسکی کے حامیوں اور روس کے دہشت انگیزی کے بیسہ مرکزوں میں تعلقات کو ابھار کر دکھایا جائے۔ صرف انہیں لوگوں کو

عدالتوں میں پیش کیا گیا جنھیں استغاثہ موثر طریقہ پر استعمال کر سکتا تھا، ملزمان کی صفائی کے سلسلہ میں وکیلوں نے تیاریاں نہیں کیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف کا سراسر خون کیا گیا، زنوویف کے مقدمہ کے سلسلہ میں جو سولہ آدمی مقید تھے ان میں سے ہر ایک کو اس پر رضامند کیا گیا کہ وہ اپنی صفائی کے لئے وکیلوں کی خدمات حاصل کرنے سے انکار کر دے حالانکہ اس اہم فیصلہ کے کرنے کے لئے مشورہ کی غرض سے ایک سے دوسرا نہیں ملا، ملزمان کی کاغذات اور مسلوں تک پہنچ نہ تھی، کسی کو صفائی کے گواہ پیش کرنے کا موقع نہیں دیا گیا، برعکس اس کے پولیس متواتر انھیں خوفزدہ کرنے میں مصروف رہی اور مسلسل اُن سے جرح جاری رکھی گئی تاکہ فرد جرم کے مرتب کرنے کے لئے مواد مہیا ہو جائے کسی غیر جانبدار شخص کو قید خانے میں ملاقات کرنے کا موقع نہیں دیا گیا اور اس لئے کوئی ایسی شہادت موجود نہیں تھی جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ اُن کے دماغ کی اور اُن کے دلی خیالات کی کیا حالت تھی

اکیسواں باب

جب سے سوویت یونین لیگ آف نیشنز میں شریک ہوئی تھی گویا سرکاری طور پر اُس کے دشمنوں کی تعداد گھٹ گئی تھی، ان دشمنوں میں لے دے کر جرمنی اور جاپان رہ گئے تھے، اٹلی کے ساتھ دوستانہ معاہدہ تھا جو ۱۹۳۷ء تک نہیں ٹوٹا، اور پولینڈ سے بھی جس کے دشمن بن جانے کا ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا ایک طرح کا معاہدہ ہوگیا تھا کہ ایک دوسرے پر حملہ نہیں کریں گے مگر ستالن کی غیر ملکی پالیسی ابن آفتی پر مبنی تھی، یہ تو وہ پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ لیگ مردہ ہے اور اُس کی نعش دفنانے سے پہلے ہی سڑانی شروع ہوگئی ہے اور اُس نے اپنی رائے میں تبدیلی نہیں کی تھی بلکہ اس کا یہ خیال تھا کہ جس طرح ابتدا میں خیال کیا گیا تھا کہ لیگ اپنے فرائض انجام دے گی تو وہ ناممکن ہوگیا تھا مگر ندوال کے زمانہ میں وہ اسے استعمال کر سکتا تھا،

جرمنی لیگ سے نکل چکا تھا، اور جب تک کہ ایک نارکسی

ریاست لیگ کی ممبر ہو اس کا واپس آنا ناممکن تھا، مزید برآں یہ ناممکن تھا کہ جرمنی ان فیصلوں کو قبول کرے بظاہر جن کا ماخذ موسکو ہو، جس وقت سے کہ جرمنی لیگ سے علیحدہ ہوا اُس وقت تک کہ اُس میں اور اٹلی میں اتحاد قائم ہوا جرمنی کمزور اور تن تنہا تھا، اور لتونیوف کے سپرد یہ کام کیا گیا تھا کہ وہ جرمنی کی اس بے چارگی کی حالت کو قائم رکھے، کیونکہ اگر جرمنی کہیں ہٹلر کی قیادت میں جنگ عظیم کے نقصانات سے پنپ گیا تو روس کے لئے سب سے بڑے خوفناک دشمن کی جانب سے خطرہ پیدا ہو جائے گا'

اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لتونیوف کا دماغ ایڈولف ہٹلر سے ٹکر لینے میں پورا نہیں اُترا، حقیقت یہ ہے کہ اُس وقت ہر ایک شخص نے فیورر (ہٹلر) کی خداداد قابلیت کا گھٹا کر اندازہ لگایا لتونیوف کا تو یہ فرض تھا کہ وہ فیورر (ہٹلر) کو دبائے رکھے اور یورپ میں دو دھڑے بنا کے اس کا قصہ پاک کرے بے سینیا کے معاملہ میں اٹلی سے جو جھگڑا ہوا وہ اس لحاظ سے مفید تھا کہ اس کی وجہ سے فسطائی یعنی فیشسٹ لیگ سے نکل گئے۔ برطانوی شہنشاہیت اور اطالوی شہنشاہیت دست و گریباں تھیں اور یہ وہ نقشہ تھا جو مارکسی نظریہ کے مطابق ہونا لازمی تھا، مارکس کے خیال کے مطابق شہنشاہیت کی طاقتیں بالکل اسی طرح سے ایک دوسرے سے لڑنے جھگڑنے پر مجبور سمجھی گئی ہیں جس طرح اس وقت برطانیہ اور اٹلی لڑ رہے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ لیونیوف

کو آگے چل کر ستالن کو یہ سمجھانا پڑا کہ جنیوا میں ایبے سینیا کے حق کی حمایت کا مدعی بننے کے بعد اور جنرل الیکشن یعنی عام انتخاب میں (سینکشنز) سینکشنز، یا ابتدائی مقاطعہ کی پالیسی کو انتخاب کے بنیادی مسائل قرار دے کر کامیاب ہونے کے بعد برطانیہ کیوں پیچھے ہٹ گیا اور اس نے کیوں اٹلی کو چھوڑ دیا کہ وہ جو چاہے کرے، بہودی وزیر نے یہ ظاہر کیا کہ یہ اس امر کا نتیجہ تھا کہ برطانیہ کی غیر ملکی وزارت میں اٹلی کے ہمدردوں کا دخل بڑھنے لگا تھا، مگر یہ محض اشک شوئی تھی کیونکہ اطالوی اس بدمزگی کو بھولنے والے نہیں تھے ستالن نے اس وضاحت کو قبول تو کیا مگر وہ اس سے متاثر نہیں ہوا، حقیقت یہ ہے کہ وہ لیتوینوف کی مغربی جمہوریتوں کی پالیسی کی وضاحت کو کبھی تشفی بخش نہیں سمجھتا تھا، مگر بالڈون (سابق برطانوی وزیر اعظم) جیسے شخص کا اندازہ لگانا اس گرجتانی کی قدرت سے ہمیشہ باہر تھا، اس وضع کے لوگ قفقاز میں نہیں ہوتے اور نہ روسی مدبروں میں ہی ملتے ہیں، ستالن ہزار چالاک سہی مگر وہ حقیقت شناس تھا اور اس وجہ سے اس کے لئے بڑا مشکل تھا کہ وہ ظاہرداری کا کھیل کھیلے،

اس جیسے صاف دماغ آدمی کے لئے ایسے معاہدے اور مخالفے، جن کو منوانے کے لئے قوت موجود نہ ہو اسی ظاہری رکھ رکھاؤ کے کھیل تھے، ستالن نے اس معاہدہ کی جو براؤن اور کیلون کے نام سے موسوم ہے اور جس کے

ذریعہ سے جنگ کو ہمیشہ کے لئے ایک مجرمانہ فعل قرار دے دیا گیا تھا بادل ناخواستہ منظوری دے دی تھی مگر یہ معاہدہ مضحک تھا، یہ بالکل ایسا ہی تھا کہ دنیا کے ہر شخص سے اس بیان پر دستخط کرائے جائیں کہ وہ کبھی قتل عمد کا مجرم نہ ہوگا، وہ دیکھ چکا تھا کہ جونہی 'لوکارنو' کے معاہدے کو چیلنج کیا گیا یعنی اس کے قابل عمل درآمد ہونے کو کسوٹی پر کسا گیا تو وہ بے کار ثابت ہوا، اب وہ دیکھ رہا تھا کہ بین الاقوامی لیگ کا ایک ممبر دوسرے کو ننگے جاتا تھا جو بظاہر وسیع پیمانے پر آدم خوری کی ابتدا تھی مگر لتوینوف معاہدوں پر فدا تھا، اس کی نگاہ میں معاہدے بمنزلہ ہتھیار تھے، اس نے فرانس اور روس کے درمیان ایک باہمی معاونت کا معاہدہ کرایا تھا، اس پر عمل درآمد ہونے کا تو موقع کیا آتا مگر اس سے اس امر کی تصدیق ہوتی تھی کہ فرانس اور جرمنی میں دشمنی ہے، بالڈون نے کہا تھا کہ برطانیہ کی سرحد دریائے رائن پر ہے، لتوینوف نے جو کچھ کیا اُس کا یہ نتیجہ تھا کہ پرانے دوست پرانے دشمن کے سامنے آکر کھڑے ہوگئے، اسی قسم کا اس نے ایک اور معاہدہ چیکوسلواکیہ سے بھی کر لیا، جس کا یہ قہری نتیجہ پیدا ہوا کہ ناتسی چیکوں سے جھلا گئے، چیکوں کا کسی وقت بھی یہ ارادہ نہ تھا کہ اگر ناتسی سوویت یونین پر حملہ کریں تو وہ بھی ان سے بھڑ جائیں، اور ادھر ستالن کا بھی یہ منشا نہ تھا کہ وہ جرمنی سے لگاڑ کے ایک جوابی انقلاب کے خطرے میں پڑ جائے، لتوینوف کا نظریہ الگ تھا اور یہ ممکن ہو سکتا تھا کہ اُس کا نظریہ صحیح ہو، اُس کا خیال

تھا کہ اگر چیکوں کا کانٹا جرمنی کے پہلو میں کھٹکتا رہا تو ممکن ہے کہ وہ ایک مغربی جنگ کی صورت اختیار کرلے۔ مگر سٹالن کو اس میں شک تھا، چیکوں کی حدود میں ٹراٹسکی کے حامی اور سماجی (سوشیلزم) انقلاب کے حامی بڑی تعداد میں پناہ گزیں تھے یعنی سٹالن کے خیال میں بازار یک کی ریپبلک میں اس کے دشمن بیٹھے ہوئے تھے اور یہ ہوسکتا تھا کہ وہ وہاں بیٹھ کر ایک جنگ کی آگ بھڑکا دیں جس کی لپیٹ میں سوویت یونین بھی آجائے، وہ چیکوں کی خصلت کی نسبت کوئی اچھی رائے نہ رکھتا تھا کیونکہ روس کی خانہ جنگی کے دوران میں انھوں نے سائبریا میں کبھی ایک کو بیچا تھا کبھی دوسرے کو وہ ایک چھوٹی سی متوسط الحال طبقہ کے لوگوں کی ریاست تھی جس پر یہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی سے بھی برسرپیکار ہوگی، ان لوگوں کے خیال میں تہذیب کے معنی خرید و فروخت کے تھے۔ ایک ایسا کمال طلب چیک جیسے مصنف چیپک موسکو میں ایک متما تھا اگرچہ اشتمالیوں نے اس کی تصنیفات میں سے جو کچھ ہاتھ لگا (جسے وہ نشر و اشاعت کے لئے استعمال کرسکتے تھے) ذوق شوق سے اڑا لیا حتیٰ کہ سوویت کے ناٹک کے سٹیج (ناٹک) کے لئے انھوں نے مصنف موصوف کا مشہور ڈراما آر۔ یو۔ آر چرا لیا تھا۔ (مترجم کا نوٹ۔ کارل چیپک چیکوسلوواکیہ کا ایک بہت مشہور مصنف گزرا ہے جس کا پچھلے ہی دنوں انتقال ہوا ہے چیپک دو بھائی تھے اور دونوں یورپ کے بلند پایہ مصنفین میں شمار ہوتے ہیں۔ کارل چیپک کا ایک ڈراما آر۔ یو۔ آر۔ جس کا یہاں تذکرہ کیا گیا ہے ارباب سخن کے لئے ایک بڑی قدر و قیمت کی چیز ہے

اس ڈرامے میں کل پرزوں کے آدمی یعنی زوبوٹ اور بشری جذبات اور حسیات رکھنے والے آدمیوں میں جو فرق ہونا چاہیئے اس کا ایک حیرت انگیز اور سبق آموز نقشہ کھینچا گیا ہے)

۱۹۳۷ء میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ پیشین گوئی کی جاتی تھی کہ اس سال کے اندر ہی اندر جرمنی اور چیکوسلوواکیہ میں جنگ چھڑ جائے گی۔ انگلستان میں امداد کرنے کا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا تھا بلکہ برطانوی اخبارات میں چیکوں پر سخت حملے کئے گئے یورپ میں جنگ کی آب و ہوا تیار ہو چکی تھی مگر زیادہ تر پیش گوئی کرنے والے یہ معلوم کرنے میں ناکام رہے کہ بگاڑ کہاں شروع ہوگا کسی کے ذہن میں یہ بات نہ تھی کہ دنیا بھر میں جو نظریوں کی بنیاد پر لڑائی ہونے والی ہے اس کی آگ جزیرہ نمائے (میٹر یا یعنی سپین میں سب سے پہلے بھوٹے گی، حتیٰ کہ خود کو منٹرن (روسی کا بینیہ) کو بھی یہ بات نظر نہ آئی۔ انقلابی عناصر سپین میں کھلے بندھے اور سرمایہ داری اور جاگیرداری کا بالکل نارت ہو جانا ناگزیر معلوم ہوتا تھا، موسکو میں لاپرواہی تھی کیونکہ ترانسکی اور لاحکومتی کے حامیوں کی تعداد بمقابلہ روسی اشتمالیوں کی تیسری بین الاقوامی مجلس کے حامیوں کے بہت زیادہ تھی اگر سپین سرخ ہو جاتا تو وہ ترانسکی کی فتح ہوتی اور بارسیلونا چوتھی بین الاقوامی مجلس کا صدر مقام بن جاتا مگر جب فاشسٹوں یعنی فسطائیوں اور ناتسیوں نے مل کر ہر قسم کی انتہا پسندی یعنی لیفٹ ازم کو کچلنے کی ٹھان لی تو سپین میں ایک ایسی صورت حالات پیدا ہو گئی جس کی موسکو میں بڑے درجہ کی اہمیت گنی جانے

گی۔ لتوینوف نے یہ سوچا اور سیز کی نے قابلیت کے ساتھ اس کی معاونت کی کہ جمہوریتوں کے ذریعے سے سپین میں ڈکٹیٹری قائم ہونے کو روکا جا سکتا ہے، اوّل اوّل موسکو کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ اٹلی اور جرمنی کی مداخلت کا منشا مارکسیت پر جوابی حملہ تھا۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اطالوی اُس توہین کا بدلہ لے رہے ہیں جو ابے سینیا کے سلسلے میں کی گئی تھی یعنی سپین کی آڑ میں وہ برطانوی شہنشاہیت کی عالمگیر قوت پر ضرب لگا رہے ہیں، ان کا مقصد یہ نظر آتا تھا کہ وہ بحیرۂ قلزم کی دونوں طرف سے (جبرالٹر اور سویز) ناکہ بندی کرنے کی طاقت حاصل کر لیں اور نازی جرمنی اُن کا معاون و مددگار تھا۔ جبرالٹر پر قبضہ کرنے کا یہ بھی مطلب تھا کہ فرانس کے بحری رسل و رسائل پر بھی ایسا قابو ہو جائے کہ جب چاہیں گلا گھونٹ دیں۔ یہ ایسا نقشہ تھا جس میں ایک طرف برطانیہ اور فرانس سے فسطائیوں اور ناتسیوں کا رزم آرا ہونا ناگزیر معلوم ہوتا تھا جمہوریتوں کے اغراض و مقاصد کا یہ تقاضہ تھا کہ وہ حکومت سپین کی حمایت میں مداخلت کریں اطالویوں، جرمنوں اور جنرل فرانکو نے سرخ خطرہ کی چیخ پکار کی مگر موسکو کے سرخ لڑائی کے اس پہلو کی نسبت کافی بے پرواہ تھے انھیں یہ سمجھنے میں دیر لگی کہ جرمنوں اور اطالویوں کی یہ مداخلت حقیقت میں مارکسیت پر حملہ ہے۔ سوویت کی حکومت کی مصروفیتیں بڑھی ہوئی تھیں وہ سٹالن کے مخالفین سے ملک کو پاک کرنے میں لگی ہوئی تھی، لتوینوف اپنی جگہ ڈر رہا تھا کیونکہ ہر طرف یہودیوں کی گرفتاریوں کی بھرمار تھی حتیٰ کہ یگودا، اور آگرانوف، پر بھی یکایک شبہ کا بادل چھا گیا تھا لتوینوف کی بیوی کے کامینف سے دوستانہ مراسم رہے

تھے۔ اس میں شبہ نہیں کہ لیو نیوف نے خانگی سیاست میں انقلاب کے کسی زمانے میں بھی کوئی فیصلہ کن رُخ اختیار نہیں کیا تھا اور کوئی شخص بھی اُسے ترانسکی کے پیروؤں میں شمار نہیں کر سکتا تھا بلکہ اس کی یہ پالیسی کہ بورژوا ریاستوں سے عہد نامے کئے جائیں خود ترانسکی کے خلاف تھی۔ بجز اس کے کہ اس کا یہ تعلق سمجھ لیا جائے کہ ۱۹۲۷ء میں ترانسکی پر یہ الزام تھا کہ وہ ناتسیوں سے سازش کر کے ستالن کے زوال کا درپے تھا بہر حال جی۔ پی۔ یو۔ کی قاتلانہ سنک کی تھاہ نہیں ملتی تھی اور اس لئے لیو نیوف بے کھٹکے نہیں تھا شہر کے جس یہودی محلہ کی اس کی پیدائش تھی اس کا اصلی نام نہ معلوم والس تھا یا فنکاشائن یا اور کیا تھا مگر لیو نیوف ایک عجیب و غریب سا آدمی تھا جو اور روسیوں میں بولتے وقت یدّی یا یہودی زبان کے لفظ ملا دیا کرتا تھا اور ذرا منھ بنا بنا کے بولتا تھا اور اول جلول سا تھا۔ اُسے یہ دعویٰ تھا کہ اُسے ٹھیک یہ معلوم تھا کہ سوویت یونین میں ہونے والا کیا ہے وہ کہا کرتا تھا کہ "اچھا ذرا ٹھہرو میں اپنی چھوٹی نوٹ بک دیکھ لوں" اُسے یہ خیال تھا کہ وہ ہٹلر اور مسولینی کی حرکات سکنات کے متعلق پیشین گوئی کر سکتا ہے مگر ستالن کی نسبت وہ کوئی پیشین گوئی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ کیا کرے گا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ لیو نیوف زنوویف کی طرح ایک زہریلا یا ترانسکی کی طرح آمادۂ پیکار یہودی تھا یا یگودا کی طرح ذلیل قسم کا خوشامدی۔ وہ ایک بالکل سیدھا سادہ معمولی قسم کا خوش خلق اسرائیلی تھا اور اس جیسے نیویارک میں سینکڑوں ہیں۔ مگر وقت کاٹنے کے لئے اسے ستالن کے سامنے ایک داستان گھڑانی

پڑی، اس کی زندگی کا انحصار گرجستانی کی دلچسپی برقرار رکھنے پر تھا۔ جنگ سپین الف لیلہ بن گئی تھی۔ مگر وہ ایک ایسی داستان تھی کہ صرف اُس کا سنانا کافی نہیں تھا بلکہ قدم قدم پر سمجھانا پڑتا تھا اور ہر رات لتویوف شہرزاد کو کہانی اس طرح سناتا تھا کہ جو حصہ باقی رہ جائے وہ زیادہ دلچسپ معلوم ہو۔

بائیسواں باب

۲۴ اگست ۱۹۳۶ء کو کامراد وِل رچ نے تراتسکی والے مشہور پہلے پبلک مقدمہ میں 'زنوویف' کامینف، سمرنوف اور تیرہ اور اشخاص کو موت کا حکم سنایا، ان سولہ میں سے دس یہودی تھے۔

خیال یہ کیا جاتا تھا کہ جیسا اور پبلک مقدموں میں دستور بن چکا تھا اور جیسا کہ 'رام سین' اور کارخانوں کی توڑ پھوڑ کرنے والے ۱۹۳۰ء کے مقدمہ میں ہوا تھا سزائیں تخفیف ہو کر طویل مدت کی قید رہ جائے گی

کامینف، زنوویف، اور سمرنوف نے یہ امید لگائی ہوگی کہ کم سے کم اُن کی جانیں تو بچ جائیں گی۔ کیونکہ ۱۹۳۶ء تک انقلاب کے پرانے کارکنوں میں سے ایک کو بھی پھانسی نہیں ہوئی تھی، لینن کے رفیق یعنی وہ جن کے ساتھ اُس اینچ نے جس کا نام افسانہ

بن گیا تھا بیٹھ کر کھایا پیا تھا اور ان سے گھل مل کے باتیں کی تھیں بھلا کس طرح اسی حکومت کے ہاتھوں قتل ہو سکتے تھے جو خود انھی کے ہاتھوں بنی تھی۔ ان کی زندگیاں تو انقلاب کے لیے مقدس بن چکی تھیں یعنی یہ تو گویا قدیم شمعیں اور عجائب خانے کی جیتی جاگتی تصویریں تھے۔

۲۴ کی رات کو کامینف کو اپنی بیوی سے بات کرنے کی اجازت ہوئی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ اس کی آنکھوں سے موت برس رہی تھی وہ کہنے لگا "غالباً مجھے کسی لمبے سفر پر جانا پڑے گا۔ سچ تو متلی ہوتی ہے" زنوویف نے کسی سے بھی ملاقات نہ کی، اس نے معافی کے لیے ایک درخواست بھی لکھی، فلانین کا پاجامہ اور اوورکوٹ پہن کر وہ قید خانے کی بیچ پر لیٹ گیا اور صبح تک پڑا کانپتا رہا۔ ایک سمر نوف ہی تھا جس نے بہت سے کام لیا اس نے کاغذ کے ایک پرزے پر لکھا "میں ایک اصلی انقلابی کی طرح مرنا چاہتا ہوں" ۲۵ تاریخ کی صبح ہوتے ہی سولہ کے سولہ کے سر کے پچھلے حصے پر پستولوں کی گولیاں پیوست ہو گئیں، چونکہ سزائے موت پبلک نہ تھی اس لیے کوئی پبلک جنازہ بھی نہ اٹھا کسی کو یہ نہیں معلوم کہ ان سولہ کی نعشیں کہاں دفن ہیں، یہ مطلب ہے کہ انھیں جلا دیا گیا اور ان کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی۔ موت کے بعد جو عدالتی تحقیقات ہوتی ہے نہیں ہوئی، رہی سزائے موت پانے کی شہادت تو اس سلسلہ میں صرف سرکاری بیان ہے کہ قیدیوں کے گولی مار دی گئی یہ خیال امکانات سے باہر نہیں ہے کہ ایک یا دو کو

نہ مارا گیا ہو بلکہ خفیہ طور پر اس صلہ میں ان کی جان بخشی ہو گئی ہو
کہ انھوں نے خود اپنے خلاف اور دوسروں کے خلاف جھوٹی
شہادت دی تھی۔ جب یہ اعلان ہوا کہ سزائے موت ہو چکی تو
خوشامدی اخبارات نے اطمینان کی بڑ لگائی، خوفزدہ یہودیوں
نے جھٹ پٹ حکومت کی خدمت میں مبارکباد پیش کی۔ کارل رادیک
نے بمشکل یہ فقرہ ختم ہی کیا تھا "ستالن شاباش، ان ذلیل قاتلوں
اور غداروں کے ساتھ یہی سلوک ہونا چاہیئے تھا" کہ دو جم دوست
جن کی پیٹیوں میں پستول لٹک رہے تھے زبانی گرفتاری کا حکم لے کر
گھر پر آن پہنچے، یہ خون آشام یہودی یگودا اور اگرانوف جنھوں
نے خود اپنے ہم نسلوں کے خلاف غداری کی تھی یکایک چونکے
کہ زنوویف اور کامینف کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد
اب خود اُن کی باری آ پہنچی تھی، اگرانوف نے اپنی جان بچانے
کے لئے یگودا کو ملزم ٹھہرایا اور یہ کہا کہ یگودا نے حفظ ماتقدم کی
کوشش میں پرانے بولشویکوں سے خفیہ ساز باز کیا تھا، تراتسکی
کا بیان ہے کہ تراتسکی زنوویف دہشت انگیزی کے مرکز کے
سلسلہ میں جو مقدمہ بنایا گیا تھا اس میں یہ الزام اس قدر مہمل تھا
کہ قانونی شہادت کو تلف کرنے کے لئے یہ لازم ہو گیا تھا کہ ستالن
یگودا کو ٹھکانے لگائے۔ پہلے تو یگودا کو اُس کے گھر ہی میں نظر بند
کیا گیا، اور پھر اس پر وہ بیتی جو اس کے ہاتھوں دوسروں پر بیت
چکی تھی۔ یس ہوف نے جی۔ پی۔ یو کو سنبھال لیا اور اُس نے
تمام پرانے اعلیٰ افسران سے میدان صاف کر دیا، سیاسی

دہشت انگیزی میں لیس ہوف یگو دا سے بھی بڑھ گیا، مشہور مشہور بولشویک اگر بیسیوں کی تعداد میں گرفتار ہوئے تو گمنام ہزاروں پکڑے گئے۔ ادھر ۱۹۳۶ء کا سال ختم ہوا اور اُدھر اس بہم کے بے شمار شکاروں کی جو مخالفین حکومت سے ملک صاف کرنے کے لئے شروع کی گئی تھی آزادی بھی ختم ہوگئی۔ روسی انقلاب کے ہمدرد بھونچکا رہ گئے اور جو روس سے نفرت کرتے تھے خوش ہوئے، روسی شاہی کے ایک حامی اخبار میں جو پیرس سے نکلتا تھا ایک نظم شایع کی جس کا عنوان تھا "ستالن ہم تیرے ممنون ہیں"

مگر اس نظم میں سوال کیا گیا کہ "فقط سولہ آدمی کیوں مارے گئے ہمیں چالیس چاہئیں سینکڑوں چاہئیں بلکہ ہزاروں چاہئیں اور انھی میں تو اپنی لغش بھی ملا دے"

ان پھانسیوں اور گرفتاریوں نے نیز انھوں نے جو بعد میں ہوئیں جوابی انقلاب اور روس کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا۔ ایک اثر تو یہ ہوا کہ انگلستان، امریکہ اور فرانس بولشویکی حمائتیوں سے بھٹ کر دوتھوک بن گئے مگر عام طور پر روسیوں میں اس سے کوئی خوف نہیں پھیلا، کامینف جس کا اصلی نام روز نفلڈ تھا حقیقت میں ایسا شخص تھا جو کبھی بھی اس روس کا ہاشندہ نہیں بنا جس میں خون کی ندیاں بہانے میں اس نے حصہ لیا تھا۔ جس طرح وہ بڑھا تھا اس کا نتیجہ یہی عبرتناک انجام ہوسکتا تھا، ان سولہ اشخاص کی گرفتاریوں کے علاوہ جس واقعہ نے سب سے زیادہ ہلچل مچادی تھی وہ ایکوف اور بخارن کی گرفتاری تھی، ایکوف تو لینن کے بعد صدر مقرر ہوا تھا اور بخارن

اخبار ازویستیا کا ایڈیٹر تھا اور انقلاب کا عدیم المثال سرکاری اخبار نویس، اس نے اگلے دور کے تمام اخبار نویسوں کو بالائے طاق رکھ دیا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس کی شخصیت مصنوعی طور پر اس قدر بڑھی ہوئی معلوم ہوتی تھی، حقیقت میں اس سے زیادہ غیر دلچسپ اور الجھا ہوا لکھنے والا عوام الناس کے سر پر حکومت کی طرف سے کبھی نہیں مسلط کیا گیا۔ رہا ایکوف وہ پہلے ہی سے حواس باختہ ہو چکا تھا، یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ آخر ستالن کی حکومت کے استقلال میں وہ کس طرح رخنہ انداز ہو سکتا تھا وہ تو بالکل نااہل اور مخبوط الحواس تھا،

بخارن اور ایکوف کے خلاف ۱۹۳۶ء میں جو مقدمات چلائے گئے تھے ان کی کاروائی اس وقت ملتوی کر کے ۱۹۳۸ء میں پھر شروع کر دی گئی، ۲۱ اگست کو وزنی مصنوعات کے وزیر پیاتاکوف نے ایک موقعہ پر لکھا "جی۔ پی۔ یو کے کارکنان زندہ و فرخندہ باد! تم غداروں کی بیخ کنی کر کے چھوڑو گے" یہ کابینہ کے ایک وزیر صاحب تھے جو یہ فرماتے تھے، خیر مضائقہ نہیں مگریس ہوف نے انھیں بھی دھر لیا اور جی۔ پی۔ یو کے زندہ اور فرخندہ کارکنوں نے ان کا کام تمام کر دیا، قید کے دوران میں پیاتاکوف نے اقبال کیا کہ میں ترتسکی کا دوست ہوں، مگر ترتسکی بیان کرتا ہے کہ سزائے موت پانے کے آٹھ برس پہلے سے پیاتاکوف اس کا جانی دشمن تھا، ایک انگریزی مثل کے مصداق نکوس یس ہوف محکمہ جی۔ پی۔ یو کی نئی جھاڑو تھا جو ہر قماش کے آدمیوں کو بہاڑ بہار کے فراموشی کی دنیا میں پہنچا رہا تھا۔ ان اشخاص میں سوکونیکوف کا نام قابل ذکر ہے جو چار برس تک برطانیہ

میں سفیر رہ چکا تھا۔ یہ شخص لندن میں پرتکلف دعوتیں دینے سے مشہور ہوگیا تھا اور اس نے بڑے بڑے بگڑے دل خوشحالوں کو اپنے دسترخوان پر سوویت ریپبلک کی رقم سے دعوتیں کھلائی تھیں اُن خوش خلق مہمانوں میں سے جو ان دعوتوں میں شریک ہوتے تھے کس کے تصور میں یہ بات آسکتی تھی کہ بولشویکوں میں سے اس شخص کو جو سب سے زیادہ ہمدرد تھا دس برس کے لئے خاردار تاروں سے محصور نظربندی کے کیمپ میں سڑنا پڑے گا۔ روس میں جو زندہ ہیں وہ شکر کرتے ہیں کہ زندہ تو ہیں اور جو آزاد ہیں وہ اس پر شکر کرتے ہیں کہ قید نہیں بلکہ وہ تو باہر آکے یہ نعرے لگاتے ہیں "ہمارا محبوب ستالن" "ہمارا ستالن اعظم" "ہمارا کامریڈ ستالن جو دنیا بھر کے مظلوموں کا سردار ہے" "ہمارا دانشمند آقا" "عدیم المثال میں بھی عدیم المثال اور مزدوروں کا آفتاب"!

ابھی یہ کاٹ چھانٹ جاری ہی تھی کہ نئے دستور کا نفاذ ہوگیا۔ جب یہ کہا گیا کہ اس چھٹائی سے لوگوں میں بددلی پھیل جائے گی تو ستالن نے اس اندازہ کو لغو قرار دیا۔ اور کہا کہ "اس مہمل بات پر ہنسی آتی ہے۔ پہلا انتخاب ہوا تو اس میں ستالن کی پارٹی کو ۹۸٫۶ فی صدی ووٹ ملے۔ سوائے ستالن کی پارٹی کے امیدواروں کے اور کوئی فہرست تو تھی نہیں اور اس لئے تعجب ہوتا ہے کہ آخر وہ کون اور امیدوار تھے جنھیں بقیہ ۱٫۴ رائیں دی گئیں پہلے ہی عام انتخاب نے قلعی کھول دی کہ ریاستہائے متحدہ روس میں کس قسم کا دستور اساسی جاری کیا گیا۔ بعض لوگ مذاق سے کہتے ہیں کہ

ہٹلر نے سٹالن سے سبق سیکھا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ پچھلے دنوں میں سٹالن کے دماغ نے جس طور پر نشو و نما پائی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہٹلر کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے چھٹائی کے انداز نے اس امر کو صاف کر دیا تھا کہ سٹالن کی پارٹی کے سوا کسی اور کو زندہ رہنے کا حق نہیں۔ نئی خفیہ رائے اندازی یعنی بیلٹ کا طریقہ ایسا تھا کہ جس سے کچھ بھی خفیہ نہیں رہ سکتا تھا رہی نئی سوویت جسے چاہے پارلیمنٹ کہہ لیجئے، صرف ایک ہی بات ثابت کرتی تھی اور وہ یہ کہ کل ریاستہائے متحدہ کے باشندے ہم آواز ہیں۔ سٹالن نے اسے انتخابات کی جمہوریت سے تعبیر کیا۔

۱۹۳۶ء میں یہ کہنا مشکل تھا کہ سٹالن کا دستور غیر ملکیوں کی خاطر 'دکان سجانے' کے طور پر عمل میں آیا تھا۔ بلکہ یقینی طور پر اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کا اثر اندرونی حالات پر پڑے۔ بایں ہمہ اس کی کئی مدات تھوتی ہیں مثلاً دسویں باب میں قرار دیا گیا تھا کہ ہر شخص کی ذات ہر لحاظ سے محفوظ ہے، مگر اندھا دھند گرفتاریاں جاری رہیں پھر پریس کی آزادی کا یقین دلا دیا گیا تھا، مگر اخبارات جیسے پہلے سرکار کا راگ الاپنے والے، تنگ نظر، اور دست و پا بریدہ تھے ویسے ہی رہے۔ اس دستور میں عام جلسوں اور مظاہروں کی اجازت تھی۔ سوویت یونین کے نئے دستور نے لوگوں کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کی، نام چار کو مذہبی آزادی دی گئی تھی اور مذہب کے خلاف پروپیگنڈا کی آزادی بھی، اور عملاً یہ دونوں آزادیاں ایک دوسرے سے دست و گریباں رہیں، انفرادی جائداد کی ملکیت

کی اس حد تک اجازت دی گئی تھی کہ مجموعی زندگی بسر کرنے والے کسانوں اور مزدوروں کے خاندان مرغیاں پال سکتے ہیں، اور اس طریقہ پر اُن کسانوں کو جو جائداد پر جان دیتے ہیں اس اشتمالیت کی راہ سے جس میں تقسیم کی گنجائش نہیں کچھ تھوڑا سا بھٹک جانے کا ثانوی موقع مل گیا تھا۔

دستور کو پیش کرتے وقت ستالن نے دو گھنٹہ تقریر کی، یونین کے ہر علاقہ کے ڈیلیگیٹ اس کے سامنے نیچے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے دماغ کی پہلے ہی سے ایسی حالت بنائی جا چکی تھی جس میں جوش و خروش جنون کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ جب ستالن تقریر کے دوران میں ذرا ٹھہرتا تھا تو دو ہزار آدمی کھڑے ہو کر ایک آواز میں مرحبا کہتے تھے اس قسم کے مظاہروں کو ناپنے کے لئے کوئی مرحبا کا پیمانہ ہوگا۔ غالباً ایک ایسی گھڑی جسے شروع اور ختم پر بند کر کے وقت کا شمار کرتے ہیں یعنی سٹاپ واچ، وفود مشرق کے ارکان "دانشمند بزرگوں" کی طرح تحفے تحائف لے کر آئے تھے، ان تحفوں میں ایک بہت بڑا گھنٹہ تھا جسے تین تراشی ہوئی مورتیں بجاتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں، یعنی لینن، ستالن، اور پولیس کے افسر اعلیٰ وقت بتایا کرتے تھے اور پولیس کے افسر اعلیٰ کے بت کی صورت یگودا کی سی تھی، یہ ستم ظریفی تھی کیونکہ بے چارے یگودا کی گھڑی پہلے ہی بند ہو چکی تھی، اس کی جگہ اب کامرادیں ہوف کی مورت ہونی چاہئے تھی،

تیئسواں باب

یگودا کی زندگی ایک عطار کے نائب کی حیثیت سے شروع ہوئی تھی، اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ادویات کا ذوق اس سے کبھی نہیں چھوٹا، جی۔ پی۔ یو کے دفتر میں بھی اور اس کی نجی قیام گاہ پر بھی طرح طرح کی ادویات سے بھری ہوئی الماریاں رکھی رہتی تھیں وہ خود بھی انھیں استعمال کرتا تھا اور دوستوں کا بھی علاج کیا کرتا تھا، روسیوں میں ایک بڑا عیب ہے کہ جہاں ذرا انھیں کچھ تکلیف ہوئی وہ سیدھے عطار کی دوکان پر پہنچتے ہیں اور اپنی تکلیف کا حال سنا کے دوائی مانگتے ہیں تاکہ ڈاکٹر کو فیس نہ دینی پڑے، اس وجہ سے عطاروں کو اپنی ادویات کی واقفیت اور اپنے معالج امراض ہونے پر بڑا زعم ہوجاتا ہے، اس کے ساتھ عام پبلک جڑی بوٹی کے معالجہ میں بڑی بھولی ہے۔ نمایاں بولشویکیوں کی ایک عجیب عادت تھی کہ وہ پولیس کے افسر اعلیٰ کے پاس سفوف کی پڑیاں لینے کے لئے پہنچ جاتے تھے۔ حتیٰ کہ یگودا اور ماکسیم گورکی کا

ارتباط باہمی چوسالہا سال قائم رہا اسی جڑی بوٹی کی بدولت پختہ ہوا تھا بچارا بڈھا دائمی مریض تھا اور ہمیشہ یہ خیال کرتا تھا کہ قریب مرگ ہے مگر یگودا اس کی دوا دارو کرتا رہتا تھا، ایکوف اور ستالن کا بھی وہ علاج کرتا تھا اور یہ اغلب معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دشمنوں کو بھی دوا دی ہوگی، اور موقع پاکر قیدیوں پر بھی دوائیں آزمائی ہوں گی

اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے کہ جب وہ گرفتار ہوا اور اس کی پوتلیں قبضہ میں لی گئیں تو اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ لوگوں کو زہر دیا کرتا تھا، کامرا دیس ہوف پر اس کا انکشاف ہوا کہ چونکہ یگودا کے دل میں ڈر تھا کہ جی۔ پی۔ یو کے محکمہ میں اول الذکر ترقی پا جائے گا۔ اس نے یہ ارادہ کرلیا تھا کہ اُسے زہر دلوائے گا چنانچہ ۱۹۳۶ء کے موسم گرما میں اس نے اپنے ایجنٹوں کو ہدایت کی کہ کریس ہوف کی قیام گاہ میں زہر چھڑک دیں، یہ وہ فقرہ ہے جو یگودا کے مقدمہ میں استعمال کیا گیا تھا، اس سے کچھ ایسا پایا جاتا تھا جیسے کسی چوہے کو زہر دینا مقصود تھا، مگر بظاہر چوہا ہوشیار نکلا اور قرش پر مرا ہوا نہیں ملا۔ زنوویف کے مقدمہ کے بعد یگودا جی۔ پی۔ یو کا افسر اعلیٰ نہیں رہا تھا اور یہ قابل نفرت یس ہوف موری کی اینٹ کی طرح چوبارے چڑھ گیا تھا یعنی یگودا کا جانشین ہوگیا تھا۔ اور یگودا نے جیسے نئے افسر اعلیٰ نے گھر میں نظر بند کردیا تھا بدلہ لینے کا تہیہ کرلیا، اس نے اپنے ایک پرانے اہلکار مسمی بولانوف سے جو برطرف ہوچکا تھا مل کر یس ہوف کے قتل کی سازش کی

یہ داستان استغاثہ کی جانب سے بیان کی گئی تھی اور اس کی

تصدیق گواہوں اور یگودا کے اقبال سے ہوتی ہے۔ یہی داستان ماسکو میں بھی سوویت گورنمنٹ کی نگرانی میں سرکاری طور پر طبع اور شائع کی گئی ہے۔ بولانوف کی شہادت حسب ذیل ہے۔ یگودا نے خود ذاتی طور پر ہدایت کی تھی کہ نکولس ایوانووچ یس ہوف کے کمرے میں زہر چھڑک دوں، زہر کی تیاری کی اس نے مجھے ترکیب بتائی ..... پارہ لے کر تیزاب میں حل کر دو وغیرہ۔" یہ واقعہ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۶ء کا ہے۔ میں نے مرکب گھول کے تیار کیا اور یگودا کی اور میری موجودگی میں سادولین نے اسے برابر کے دفتر کے کمروں میں غالیچوں قالینوں اور پردوں پر چھڑکا۔ یگودا نے مجھ سے یہ بھی کہا تھا کہ اس طرح پانچ چھ یا سات دفعہ چھڑکنے سے کام پورا ہوگا۔ مجھے یہ بھی کہنا چاہیئے کہ یگودا نے الماری میں سے دو بوتلیں نکال کر مجھے دیں، دیکھنے سے وہ یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اس نے کہا تھا کہ یہ زہر ہے اور اسے پارہ کے محلول کے ساتھ چھڑکنا چاہیئے۔"

ماہروں کے ایک کمیشن نے جی۔ پی۔ یو کے افسر اعلیٰ کو زہر دینے کی اس کوشش کے سلسلہ میں ایک رپورٹ پیش کی، وہ کہتے ہیں۔ "غالیچوں، پردوں، کرسیوں وغیرہ کے غلافوں اور کامرادیس ہوف کے دفتر کی ہوا نیز مقتول کے قارورے کے کیمیاوی تجربے اور تحلیل نے اور ان غیر معمولی علامات نے جو مرحوم میں پیدا ہوگئیں تھیں اس امر کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ کامرادیس ہوف کو پارے کا زہر دیا گیا جو سانس لینے کی نالیوں کے ذریعے سے جسم میں جذب ہوا۔ یہ امر بھی ثابت ہے کہ پارے کے زہر دینے کا یہ نہایت ہی موثر اور خطرناک طریقہ

اختیار کیا گیا کہ ابتدائی طور پر زہر کا اثر ہو"

سرکاری وکیل نے دوران بحث میں کہا کہ یہ واقعہ اگناتیوس لویولا کے طریقۂ عمل کی یاد تازہ کرتا ہے، غالباً اس کی مراد کاتھیرین دمیڈیچی سے تھی۔ مگر سوویت روس، میں تاریخ کچھ یوں ہی سی پڑھائی جاتی ہے قدرتی طور پر جب یس ہوف کو یہ معلوم ہوا کہ اسے زہر دیا گیا ہے تو اس نے یگودا کی پرانی عطاری کی زندگی کا جائزہ لیا۔ چنانچہ اس پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ اس نے جی۔ پی۔ یو کے سابق افسر اعلیٰ مینز نسکی کو بھی ہلاک کیا تھا۔ چیکا اور جی۔ پی۔ یو کے افسران ماتحت و بالادست کا سلسلہ بھی اتنا ہی اہم خیال کیا جاتا ہے جتنا کمیونسٹ پارٹی کا۔ ترتیب وار دیکھا جائے تو جی۔ پی۔ یو کے افسران اعلیٰ زرزنسکی، مینز نسکی یگودا اور یس ہوف ہوئے ہیں، یگودا، مینز نسکی کا نائب تھا اور اس قتل پیشہ پول کی موت سے پہلے عرصہ تک وہ جی پی۔ یو کا خاص کارکن رہا تھا مینز نسکی نے زندگی کے آخری دو سال پولیس کے ہیڈ کوارٹر میں ایک سوفہ پر پڑے رہ کر گزارے اور کہا یہ جاتا ہے کہ وہ کسی مرض خبیثہ میں مبتلا تھا جب ۱۰ مئی ۱۹۳۴ء کو اس کی موت ہوئی تو اس کی موت کے اسباب پر ایک لفظ بھی نہیں چھاپا گیا، ایک افواہ مشہور ہوگئی تھی کہ اس نے خودکشی کر لی ہے۔ چار برس کے طویل وقفے کے بعد اس وقت تحقیقات کی گئی کہ جب یگودا کا پھانسنا ضروری ہوگیا۔ ایک یہودی عطار نے اس وقت اقبال کیا کہ اس نے ایک ڈاکٹر کو رشوت دے کر اس پر رضامند کیا تھا کہ وہ مینز نسکی کو ایک ایسی دوا دے جس سے مریض کا قلب خطرے میں پڑ جائے۔ اس دوا نے اس کا کام تمام کر دیا اور یگودا

جی۔ پی۔ یو کا افسر اعلیٰ ہوگیا، یہ بات حیرت انگیز تو معلوم ہوتی ہے مگر ایسی شہادت موجود ہے کہ سوویت یونین میں اطبا کے ذریعہ قتل ہوتے ہیں، مثلاً فرونز یہودی کو لیجئے جسے ایک کلاں عمل جراحی پر مجبور کیا گیا اور بالآخر عمل جراحی کی میز پر اس کا کام تمام کر دیا گیا، ایک اور شخص کو جو دفتر اقتصادیات کا صدر اور پولیٹ بیورو یعنی دفتر سیاسیات (جو بمنزلہ کابینہ ہے) کا ممبر تھا یگودا کی ہدایات کے موجب ایک ڈاکٹر نے ملک عدم پہنچا دیا۔ اسے ڈیجیٹیلیس زہر خوراک سے زیادہ دے کر ختم کر دیا گیا تھا۔

مگر سب سے بڑی ہنگامہ خیز داستان تو مکسیم گورکی کے طبی قتل کی ہے، اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ گورکی کے لکھے ہوئے چھوٹے قصوں میں ایک بھی ایسا نہیں جو خود اس کی موت کے قصہ کے برابر ہو اور لطف یہ ہے کہ اس پر موسکو کی مہر تصدیق ثبت ہے۔ یہ کوئی سنی سنائی بات نہیں ہے بلکہ گورکی کی موت کا سرکاری بیان ہے۔

ماکسیم گورکی ۶۸ برس کا تھا، یہ کہتے ہوئے تامل ہوتا ہے کہ وہ ایک پاؤں قبر میں لٹکائے ہوئے تھا کیونکہ وہ تو دونوں پاؤں قبر میں لٹکائے بیٹھا تھا، مگر انقلاب سے کہیں پہلے سے یہ خبریں مشہور ہو رہی تھیں کہ وہ بستر مرگ پر ہے۔ گذشتہ پچیس برس میں بے شمار اخباری تاروں کی سرخی "گورکی عالم نزع میں" رہی ہے۔ اسے دق تھی اور وہ ان مریضوں میں سے تھا جو اپنے آپ کو قابل رحم سمجھتے ہیں اور ہمیشہ یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ بس اب وقت آگیا۔ اس مرض کی خاطر اس نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ کاپری کی معتدل آب و ہوا میں

گذارا ایک مدت سے وہ ستترہ بہترہ سا ہوگیا تھا، بات پیچھے کرتا تھا اور آنسو پہلے ٹپک پڑتے تھے۔ دیر تک اس کی باتیں سنتے رہنا دشوار ہوگیا تھا مگر چونکہ اس پر لینن کی خاص نظر التفات تھی۔ سٹالن نے بھی وہی وضع قائم رکھی۔ مگر گورکی اس بے دردی کا جس کا روس میں زور زورا تھا سخت نکتہ چین تھا۔ یہ اس کو مرتے دم تک قلق رہا کہ اس نوجوان ریپلک کے ہاتھ خون میں سنے ہوئے تھے، اس نے سزائے موت کی منسوخی کے لئے التجا کی اور اُسے یہ صدمہ تھا کہ کسانوں کے غول کے غول گھر سے بے گھر کئے گئے۔ بہت سی باتیں تو اس سے چھپائی گئی ہوں گی کیونکہ اگر کبھی ساری تصویر اس کے سامنے آجاتی تو وہ خودکشی کئے بغیر نہ رہتا، حقیقت یہ ہے کہ گورکی اپنے ملک یعنی روس کا عاشق زار تھا نہ کہ سوویت یونین کا۔ بہرکیف کہا یہ جاتا ہے کہ اپنے مرتبے کا فائدہ اٹھاکر گورکی نے زندگی کے آخری برس سٹالن کو یہ ترغیب دینے میں گذارے کہ وہ عام دیجوئی کی پالیسی اختیار کرے۔

"ایک پرانے بولشویک کا خط" ایک تصنیف ہے جس میں کہا گیا ہے کہ گورکی کا استدلال یہ تھا کہ کل کے دشمنوں کے ساتھ فیاضی برتنے سے بجائے اس کے کہ سٹالن کے وقار میں کوئی رخنہ اندازی ہو اس کا اخلاقی اثر اور اختیار مضبوط تر ہوجائے گا۔ گورکی کا ایک استدلال ایسا تھا کہ جو سٹالن کے دل پر اثر کرتا تھا یعنی یہ کہ کسی خاص کارروائی کی نسبت آنے والے زمانہ میں سٹالن کا سیرت نویس کیا فتویٰ دے گا۔ بخارن کا قول ہے کہ ٹراٹسکی کی نگاہ میں گورکی اسٹالن کا تھوک چاٹنے والا تھا اور اس وجہ سے وہ اس کو بڑا ذلیل سمجھتا تھا۔ خودکشی کرنے سے پہلے

تومسکی نے ترائسکی اور اس بزرگ ناول نویس کے معاندانہ تعلقات پر جو روشنی ڈالی ہے وہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ یہ یقین کرنا خاصا دشوار ہے کہ ترائسکی نے بخارن کو اشارہ کیا اور بخارن نے یگودا کو اور اس پر یگودا نے یہ کوشش کی کہ گورکی کا کام جلدی تمام ہو، وجہ ترغیب یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگر کہیں ترائسکی برسر اقتدار آجائے۔ یگودا اس سے اچھا بنا رہے سوویت یونین میں کوئی شخص ایسا نہ تھا جس کا یگودا پر اتنا اثر ہو کہ وہ اس ناول نویس کے پیمانۂ حیات کو جلد تر لبریز کرنے پر مجبور ہو۔ اس کے اختیارات غیر محدود تھے اور وہ کافی طویل مدت تک دہشت مجسم بنا رہا فرض یہ کیا گیا ہے کہ اس نے گورکی کے سکرٹری سے مل کر کام کیا اور یہ وہ سکرٹری تھا جس نے بڑے میاں کی الماری میں سے ڈھیر کے ڈھیر غیر ملکی نوٹ چرائے تھے پہلے تو انھوں نے مارکسیم گورکی کے لڑکے کو جو اس کا عصائے پیری تھا قتل کیا، اس سکرٹری نے عدالت میں شہادت دیتے ہوئے کہا۔ یگودا نے میرے ہاتھ میں خنجر دیا اور میں نے لڑکے کو اس کی ہدایت کے بموجب قتل کر دیا یہ جرم کر لینے کے بعد میں مجبور ہو گیا کہ اس سے بھی زیادہ ہولناک جرم کا مرتکب ہوں یعنی گورکی کے قتل کا"..... میں نے ایسا سامان کیا کہ گورکی کو ٹھنڈ لگ گئی" میں نے ڈاکٹر لیوین سے مشورہ کیا ۱۹۳۵-۳۶ء کا موسم سرما مارکسیم گورکی نے کریمیا میں گزارا تھا، میں خود تو موسکو میں مقیم تھا مگر ہر تیسرے چوتھے ہفتے میں اس سے ملنے جایا کرتا تھا، میں نے یہ انتظام کیا کہ گورکی لمبی چہل قدمی کے لئے جائے اور واپسی پر اسے دیکھتے ہوئے الاؤ ملیں"۔ ڈاکٹر لیوین نے بھی شہادت دی اور یہ وہ شخص تھا جو یگودا کی مٹھی میں تھا، وضاحت

کرتے ہوئے اس نے عدالت میں بیان دیا کہ گورکی کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کا بڑا شوق تھا یعنی وہ درختوں پہ کلہاڑی بجا کے انھیں گرایا کرتا تھا اور چٹانیں توڑا کرتا تھا اور اسی قسم کے اور کام کیا کرتا تھا۔ اسے یہ بھی شوق تھا کہ بیٹھا ہوا آگ کے شعلوں کو تکا کرے۔ چنانچہ اس طرح ملزم اسے پسینہ میں شور بور کر دیتا تھا اور پھر آگ کے الاؤ کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا کرتا تھا۔ اس کے بعد پھر یہ تجویز قرار پائی کہ اسے موسکو واپس لے آیا جائے تاکہ وہاں وہ انفلوئنزا میں مبتلا ہو جائے۔

جس دن یگودا کو یہ معلوم ہوا کہ موسکو میں گورکی کے گھر میں کسی کو انفلوئنزا ہو گیا ہے تو اس نے کریملن میں تار دیا کہ ناول نویس کو شہر واپس لے آؤ، چنانچہ بھاگا بھاگ ماکسیم کو اس شمالی علاقہ کے وبائی گھر میں پہنچایا گیا اور پہنچنے کے تین دن کے اندر اسے انفلوئنزا ہو گیا، سازش میں ایک اور ڈاکٹر بھی شریک تھا جس کا نام پروفیسر پلیٹ نیف تھا۔ اسے مشورہ کے لئے بلایا گیا، ڈاکٹروں نے یہ تشخیص کیا کہ بیماری الجھ گئی ہے کیونکہ کالی کھانسی کے ساتھ نمونیہ ہو گیا ہے۔ ایک تو ویسے ہی گورکی ۶۸ برس کا تھا، پھر دق سے اس کے پھیپھڑے چھدے ہوئے تھے اور یہ کہنا پڑے گا کہ طبی پیشے کے دھکا دئے بغیر بھی اس کا جان بحق ہونا قرین قیاس تھا۔ مگران دو ڈاکٹروں نے مارکسیت کے اس قانون پر عمل کیا کہ تاریخ کو ایک دھکا دینا چاہئے" اظہار کے دوران میں ڈاکٹر لیوین نے کہا" ہم نے کوئی خاص ایسی دوا نہیں دی کہ جس کی بابت یہ سوال ہو سکے کہ کیوں دی گئی، دوائیں ہم نے وہی دیں جو عموماً ایسی حالت میں دی جاتی ہیں مگر خوراک سے بہت زیادہ مقدار میں دیں

انھوں نے اسے فوکس گلو، ڈیجیٹلس اور ڈائی گلن، بڑی بڑی مقداروں میں دیا اور انھوں نے اسٹروفینٹن اور اسٹروفینتھس منہ کے ذریعہ سے بھی دیا اور پچکاری کے ذریعہ سے بھی اور دونوں طریقہ پر یعنی جلدی اور شریانی پچکاریوں سے، اور اس طریقہ سے ہم نے اس کے قلب کے اعصاب کی قوت کو ختم کر دیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اگر اسٹروفینتھس کا بڑی مقدار میں انجکشن کیا جائے تو وہ مہلک ثابت ہوتا ہے، افریقہ کے باشندے اپنے تیروں کے پھل اس زہر میں بجھاتے ہیں، ماکسیم گورکی کی جسمانی قوت نے راسپوتن کی طرح قتل کی کوششوں کا مقابلہ کیا اس طرح زیر علاج رہ کر وہ تین ہفتہ کے بعد ۱۸ جون ۱۹۳۶ء کو جاں بحق ہوا۔ انڈرے ژیڈ اور یورپ کے اشتمالی مشاہیر کو جنازہ میں شرکت کے لئے بلایا گیا اور حکومت سوویت کے اس مرحوم مزدور پیشہ طبقہ کے مصنف کی شان میں بے شمار تقریریں کی گئیں۔ یگودا نے بھی کچھ چنے ہوئے فقروں میں گورکی کا ماتم کیا، یہ وہ وقت تھا کہ جب اس کی قوت کا ستارہ اوج پر تھا۔

چوبیسواں باب

یگودا کو سزائے موت دینا لازمی ہو گیا تھا۔ تراتسکی کے خیال میں اس وجہ سے ایسا کیا گیا کہ اس نے زنوویف وغیرہ کے مقدمے کو بہت ہی بری طرح سے پیش کیا۔ زنوویف یا کامینف کو یہ اقبال کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا کہ ان کا تالسیوں سے خفیہ ساز باز تھا۔ اگر ایسا ہو جاتا تو بات بن جاتی اس مقدمے کے سلسلہ میں استالن کا ابتدائی خیال یہ تھا کہ کیروف کے قتل کی ذمہ داری تراتسکی کے سر تھوپی جائے اور زنوویف کو اس کا معاون قرار دیا جائے، آگے بڑھ کر اس قتل کی سازش کی اس حد تک توسیع کی گئی کہ اس کے مقاصد میں خود استالن کا اپنا اور اس کے خاص حلقۂ احباب یعنی کاگانووچ، ورو شلوف، اژدانوف اور اوژونکتسی کا قتل بھی شریک کر لیا گیا پولیس کے ان افسران کو جنھیں ابتدائی تفتیش پر مامور کیا گیا تھا ہدایات دی گئیں کہ وہ اقبالوں کے ذریعہ سے ایسی شہادت بہم پہنچائیں جو اس سازش کے ثبوت میں کار آمد ہوں، ملزمان کا جرم خود ان کے اقبالوں سے ثابت کرنا مقصود تھا، عدالتوں میں گواہوں یا دستاویزی ثبوت

کے پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہ تھی، یگودا اور جی۔ پی۔ یو کے اہلکاران کے سامنے وقت طلب کام تھا مگر اس کی وضاحت صاف طور پر کر دی گئی تھی۔ مقدمہ کے لئے کچا پکا مواد تیار کر لیا گیا تھا، اب اگر اس میں سے بعض بہت ہی کچا نکلا تو اس کے یہ معنی تو نہیں تھے کہ پولیس کے اعلیٰ افسر کو سزائے موت ہو!

تراتسکی ازم میں جرمن عنصر کے داخل کرنے کا خیال تو صرف بعد میں اگست کے مقدمہ میں سامنے آیا، ستالن اس نتیجہ پر پہنچا ہوگا کہ اس مقدمہ سے اور بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے اور اس لئے اس نے بعد کے مقدمہ کو یس ہوف کے سپرد کیا۔ شاید اس کا انکشاف ہوا ہوگا کہ یگودا جرمنی کی خفیہ سے تنخواہ پاتا تھا۔ بہرکیف یہ بات تو بالکل یقینی ہے کہ کامینف اور زنوویف کے سزائے موت پا جانے کے بعد جو خود یگودا کے آدمیوں کے ہاتھوں انجام کو پہنچی تھی ستالن کو پولیس کے اس افسر اعلیٰ کی مزید خدمات کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

کیا یہ خیال کیا جائے کہ ستالن کے دل میں یہودی دشمنی کی کوئی رمق باقی تھی؟ بہرکیف یہ ہرگز نہیں سمجھنا چاہیئے کہ یگودا موت کا مستوجب نہ تھا انقلاب بھر میں اس سے بڑھ کر شیطان نفس کوئی شخص نہ تھا مگر ستالن اُسے خوب اچھی طرح جانتا تھا، دونوں کی دانت کاٹی روٹی تھی دونوں کی ساتھ ساتھ اس طرح تصویریں لی گئی تھیں کہ کھڑے مسکرا رہے ہیں، اس کی گرفتاری کے بعد ستالن اس کا ذکر کرتے ہوئے زہرخند کیا کرتا تھا۔ مقتول کو اگر ستالن کا حلقہ بگوش غلام نہ بھی کہا جائے تو وہ اس کا خاص الخاص کارکن ضرور تھا، نہ یگودا نے انقلاب کے دوران میں کوئی سختی جھیلی تھی اور نہ کبھی اسے یہ دعویٰ

تھا کہ مارکسیت کا وہ ایک لفظ بھی جانتا ہے۔ اس کی لے دے کے ایک خصوصیت جلاّدی تھی سٹالن میں مردم شناسی کا مادہ پیدائشی تھا اور وہ اس سانپ کی اصلی خصلت کے متعلق شبہ میں نہیں تھا۔ چار یا پانچ برس تک جتنا قرب کہ یگودا کو اس کے ساتھ رہا کسی دوسرے شخص کو نہیں رہا۔ نکتہ چیں کہا کرتے تھے کہ سوویت یونین میں دو شخصوں کی ڈکٹیٹری ہے یعنی سٹالن اور یگودا کی، یگودا بیکار ہو چکا تھا اور سٹالن کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی شخص اس کے کارآمد نہیں رہتا تو وہ جذبات کو بالائے طاق رکھ کر دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دیتا ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ کیروف کے قتل کے بعد لینن گراد کی تفتیش کے سلسلہ میں یس ہوف نے ڈکٹیٹر کی خوشنودی حاصل کرنے میں بڑی سرگرمی دکھلائی تھی، یگودا اس کو تاڑ گیا ہوگا اور اس نے سمجھ لیا ہوگا کہ اب میری برطرفی کا وقت آگیا ہے۔ ایسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے کہ یہ قصہ سچ ہو کہ اس نے اپنی جگہ محفوظ کرنے کے خیال سے ریکوف اور بخارن کو ٹٹولنا شروع کیا ہو۔ اس مفروضہ کی تردید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ اس میں ایک چوہے کے برابر بھی ہمت نہ تھی۔ جو لوگ ایسے مظالم کرتے ہیں وہ شاذ ہی دلاور نکلتے ہیں۔ اس کے آخری اقبالوں کے باوجود یہ غیر اغلب معلوم ہوتا ہے کہ بخارن اور ریکوف سے اس کا ساز باز کسی دور حد تک پہنچ گیا ہو چونکہ اس کے تمام ماتحتوں کو برطرف کر دیا گیا تھا نئے سیاسی سراغ رسانوں کا یہ فرض تھا کہ کرملن کی سازش کی گتھی کو سلجھائیں اور پھانسی کا پھندا یگودا کے لئے تیار کریں۔

زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یگودا کے زوال کی وجہ سٹالن کی یہودیوں سے بڑھتی ہوئی بدظنی تھی۔ ٹراٹسکی کی وجہ سے اس کے دل میں ایک قسم کا یہودیوں کا ڈر بیٹھ گیا تھا، اس امر کی اس کے پاس کافی شہادت

تھی کہ سوویت یونین میں ہزار ہا یہودی ترائسکی کے دوست تھے، اور اُسے یہ نظر آتا تھا کہ اگر خانگی حالات نے نازک صورت اختیار کی تو اس کے یہودی ملازم بھی اچانک اپنی وفاداری ترائسکی کے حق میں منتقل کر دیں گے۔ یگودا کو یہ موقع نہیں دیا جا سکتا تھا کہ وہ باہر جا کر سب سے بڑی راز کی حکایت جو جی۔ پی۔ یو کی ملازمت کے دوران میں اس کے علم میں آئی تھی ترائسکی کی خدمت میں پیش کر دے اس لئے اسے ٹھکانے لگانا ضروری تھا۔ استغاثہ کے ابتدائی مواد کی تیاری کرنا لیموف کے سپرد ہوا تھا اور اس نے گورکی کے قتل کا معاملہ بنا کر کھڑا کر دیا، کیونکہ وہ شخص جو سوویت روس کے مصنف اعظم اور لینن اور سٹالن کے دوست اور اس شخص کی موت کا باعث ہوا تھا جو تمام دنیا میں تحسین و آفریں کا مستحق گردانا گیا تھا سزائے موت سے کم کا مستوجب نہیں قرار دیا جا سکتا تھا۔ سٹالن کے دور حکومت کی صفائی پیش کرنے والے یگودا کی کارستانیوں پر پردہ نہیں ڈالتے، میسرز ڈبلیو۔ پی۔ کوکس اور زیلڈا کوکس نے ایک ضخیم کتاب لکھی ہے جس میں انھوں نے دور حاضر کی ریاستہائے متحدہ روس کی قصیدہ خوانی کی ہے، اس کتاب کا نام "از زاریت تا دستور استالن" ہے۔ اس میں تحریر ہے کہ "اگر دنیا میں کوئی شخص غدار یا زمانہ ساز عیار ہوا ہے تو وہ یگودا تھا" اس نے کھلے دل سے اقرار کیا ہے کہ وہ عمر بھر اپنے آپ کو بالشویک ظاہر کرتا رہا مگر وہ حقیقی معنی میں کبھی بالشویک نہ تھا"

بہرکیف بولشویکوں کے مخالفین کے اس استدلال میں وزن نظر آتا ہے کہ اس طریق حکومت کے متعلق کیا کہا جائے جس میں ایسے ایسے ضبیث ایسے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں جہاں ریپبلک کے باشندوں کی زندگی اور موت ان کی مٹھی میں ہو۔

کہا گیا ہے کہ وہ صحیح قسم کا بولشویک نہ تھا، مگر پوچھا جائے کہ وہ کون کون ہیں کہ جو صحیح قسم کے بولشویک رہے ہیں۔ کیا صرف لینن، اور اسٹالن؟

اب کوئی شخص بخارن کی نسبت کیا کہے جو سرخوں کے مشاہیر میں سے ہے کہا جا سکتا ہے کہ انسٹالیت کے دور میں قابل اور دیانتدار آدمیوں کو عروج کا موقع ملنا چاہیئے، روس میں قابل اخبار نویس ہوتے ہیں اور اس انسٹالیت کے اخبار نویس اعظم بخارن کا مقام حاصل کرنے کے واسطے معمولی حالات میں بڑی سخت قسم کی جدوجہد ہوتی۔ وہ پولیٹ بیورو کا بھی رکن تھا مگر پچاس برس کی عمر میں وہ اپنے آپ کو ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا پاتا ہے اور شرمناک سے شرمناک جرائم کا اقبال کرتا ہے۔

گیا پھر اقبال شروع ہو گئے؟ جی ہاں۔ کوئی گواہ طلب نہیں کئے گئے بجز ان اشخاص کے جو پھانسیوں کے منتظر تھے اور جن کی گردنیں پولیس کے سخت گیر ہاتھوں میں تھیں، صرف ان کے اظہار پر کیسے مجرم قرار دیا جا سکتا تھا اس لئے ضروری تھا کہ ملزم ایک مفصل ذاتی اقبال کرے یعنی یہ کہ وہ اپنی خود نوشت سوانح عمری سے بے ایمانوں کی تاریخ میں اضافہ کرے۔ چونکہ اس کے اقبال کا تسلیم کرنا گیو دا کے اقبال کو صحیح ماننے سے بھی زیادہ مشکل ہوتا اس نے اپنے اظہار میں یہ اور اضافہ کر دیا کہ اس بیان دینے سے پہلے نہ تو اس پہ عمل مسمریزم کیا گیا اور نہ اس نے تبت دیس کی پڑیاں کھائیں۔ سوال کے جواب میں اظہار حقیقت کے لئے نفسیاتی وجوہ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اس نظریہ کو بھی حقارت سے ٹھکرایا کہ وہ اس طریقہ سے یہ نمائش کر رہا ہے کہ روسی ذہنیت یا روح کس طرح کام کرتی ہے۔ یہ تو وہی جانے کہ کیوں مگر اس نے فرانسیسی میں روسی روح کو "آم روسی" کہا گویا کہ وہ کسی ریستوران

کی نعمت کا ذکر کر رہا ہے

دستوفسکی کے ناولوں میں بعضے ایسے کیریکٹر یا زندگی کے نمونے ملتے ہیں جو دنیا بھر کے گناہوں کا بوجھ اپنے سر لے لیتے ہیں۔ بخارن نے لکھا کہ یہ دقیانوسی باتیں ہیں۔ روسی روح عدم آباد پہنچ چکی ہے اور اب کوئی شخص روس میں ایسا موجود نہیں جو اپنے آپ کو اس طرح قربان کرنے کے لئے تیار ہو۔ اس لئے اس کا کوئی اور جواب ہونا چاہیئے۔ چنانچہ غیر دلچسپ اور ناساز طبع بخارن نے یعنی اس کا مراد نے جو زاہد خشک تھا سوچ سوچ کے دماغ کے کسی کونہ میں سے بیس برس پہلے کا ایک قصہ نکالا اور بیان کیا کہ اس نے ۱۸ء میں لینن اور سٹالن کے قتل کی سازش میں کیا حصہ لیا تھا۔ جب فینی کپلان نے لینن پر گولی سے وار کیا تو وہ اس کی پشت پر تھا یہ بات نہیں کھولی گئی کہ سٹالن کو قتل کے لئے کیوں چنا گیا تھا ۱۸ء میں وہ کچھ زیادہ نمایاں نہ تھا اور انقلاب کے ابتدائی دور میں وہ کسی جاہ طلب کمیونسٹ کے راستے میں حائل بھی نہ تھا۔ اس وقت اس کی نسبت اگر کوئی یہ کہتا کہ وہ کسی دن ڈکٹیٹر ہو جائے گا تو وہ کوئی ایسا ہی من گھڑت قصہ نویس ہو سکتا تھا جیسے ناکل سکاٹ تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ ۱۸ء میں بخارن نے جرمنی سے معاہدہ کرنے کے معاملہ میں لینن کی مخالفت کی تھی۔ اس نے بریسٹ لیتوسک کی ذات کے خلاف رائے دی تھی اور وہ بولشویکوں کے اس گروہ کے ساتھ شریک ہو گیا تھا جو الگ ہو کر اپنے آپ کو انتہا پسند کمیونسٹ کہنے لگے تھے۔ اس گروہ میں قابل ذکر اشخاص کارل راوپک موزیز یوسکی اور بوری پیاتاکوف تھے ان لوگوں کا یہ فیصلہ تھا کہ بریسٹ لیتوسک کی صلح شرمناک تھی لینن کے قول

کے مطابق انقلاب کی بچت اسی میں تھی اور وہ انتہا پسند کمیونسٹوں کی تحریک کو مذاق سمجھتا تھا۔ وہ اسے بچوں کی ایسی بیماریوں سے تعبیر کرتا تھا جیسے گلپھڑا اور کھسرا۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ انتہا پسند کمیونسٹوں نے ستالن کے حال پر کبھی غور نہیں کیا ہوگا۔ ترائسکی نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ بخارن کی رائے میں ستالن حاسد اور کاہل وجود تھا۔ ممکن ہے کہ ترائسکی کے اس فقرے نے بخارن کی جانب سے ستالن کے دل میں بس گھولا ہو، مگر بخارن تو ایک مدعی فضیلت تھا جسے یہ زعم تھا کہ مارکسیت کو وہ لینن سے بھی بہتر سمجھتا ہے اور اپنے آپ میں اور ستالن میں تو وہ اس معاملہ میں زمین و آسمان کا بل سمجھتا ہی تھا۔ وہ اس نمونے کے شخصوں میں سے جو اپنے مخالف کو صرف اس وجہ سے نالائق ٹھہرا دیتے ہیں کہ صرف ونحو کے مسئلہ میں اس کا نظریہ بے قاعدہ افعال کی ترکیب کے متعلق غلط ہے یعنی یہ کہ وہ ایک ایسا شخص تھا جس کا سارا زور لفظوں اور نظریوں پر تھا نہ کہ قوت عمل پر۔ اسے اس کی برداشت نہیں تھی کہ کوئی اسے صحیح راستہ سے ہٹ جانے والا کہے۔ ۱۹۱۸ء میں اس کا کبھی یہ خیال نہ تھا کہ وہ انتہا پسند مخالفین میں تھا بلکہ اس کا یہ خیال تھا کہ اس کی رائے مغز سخن اور میانہ روی پر مبنی تھی، آگے چل کر ستالن نے اس کا نام دائیں بازو کی مخالفت والا رکھ دیا تھا یعنی تومسکی، ریکوف اور دوسرے داہنے بازو والوں کا ساتھی جو اس سے متفق نہ تھے کہ کسانوں کو مزدور پیشہ جماعت بنا دینا صحیح مارکسی اصولوں کے مطابق ہے۔

بیس برس تک بخارن آزاد خیالی کو پرورش کرتا رہا، مگر وہ ان خیالات کی وجہ سے کبھی گرفتار نہیں کیا گیا۔ وہ اس نمایاں درجہ کا کمیونسٹ تھا کہ آزادئ تقریر کی بنا پر اسے پریشان نہیں کیا جا سکتا تھا، وہ غیر ملکوں میں بھی

جا سکتا تھا اور پاسپورٹ حاصل کرنے میں اسے کبھی دقت نہیں پیش آئی چنانچہ ۱۹۳۶ء میں وہ پراگ گیا اور اگر کبھی اسے اپنے متعلق خطرے کا اندازہ ہو جاتا تو وہ اس گروہ میں شریک ہو جاتا جو کبھی واپس نہیں لوٹتا۔

اس میں کلام نہیں کہ وہ سٹالن کی باتوں کو بڑی نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھتا تھا اور پہلی اور دوسری پنج سالہ تجاویز کی نسبت اس کے خیالات مایوسانہ تھے نیز وہ یہ سمجھتا تھا کہ سٹالن کا عروج اس کے زوال کا پیش خیمہ ہے، اسے یہ معلوم تھا کہ ملک کے صحیح حالات کا اندازہ کرنے کے لئے سرکاری اعداد و شمار کس قدر ناقابل اعتبار ہوتے ہیں اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر ٹراٹسکی کو موقع ملتا تو وہ سوویت یونین کی حکومت صحیح طریقہ پر چلاتا۔ اس کی تقریریں بڑی طولانی ہوتی تھیں، جن کے دوران میں وہ ایسی باتیں کہنے میں تامل نہ کرتا تھا جو اگر دوسرا کہتا تو اس کے عوض اسے جان دینی پڑتی ضمناً اس نے یہ بات بھی اُن لیڈروں پر جو بغاوت کا علم بلند کرنا چاہتے تھے کھول دی تھی کہ وہ ان کا ہم خیال تھا۔ چاہے کچھ ہی ہو اس کا فیصلہ یہ تھا کہ میں تو مارکسیت کے اصولوں کا خاص معلم اور اخبار اسوستیا کا ایڈیٹر رہوں گا یعنی وہ مذہب مارکسیت کا خاص امام ہو کر رہنا چاہتا تھا۔

بیان یہ کیا گیا کہ اس نے تومسکی سے اس امر کے متعلق گفتگو کی تھی کہ ۱۹۳۴ء میں کریملن پر زبردستی قبضہ کر لیا جائے یعنی جس وقت کمیونسٹ پارٹی کی سترھویں کانگرس ہو رہی ہو اور سٹالن وہاں تقریر کر رہا ہو تو سب کے سب گرفتار کر لئے جائیں اس زبردستی قبضہ کے بعد ٹراٹسکی جلاوطنی سے واپس آکر زمام حکومت ہاتھ میں لے۔ یہ بات عام طور پر معلوم تھی کہ ہٹلر کا سوویت یونین پر حملہ کرنے کا ارادہ ہے۔ سوویت یونین کی باغی سپاہ

اس کے لیے دروازہ کھول دے گی مگر جرمنی کو صوبہ یوکرین دے کر ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔

اس سے تو اتفاق نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ترائسکی والی بیان کردہ سازش پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے مگر ہاں ترائسکی ضرور بیٹھا ہوا تجاویز گڑھ رہا تھا جس میں وہ لیڈر کی حیثیت سے ایک دفعہ پھر نمودار ہو۔ بخارن نے اس قسم کی عیاری تو کی اس خیال سے کہ اگر ترائسکی کو کامیابی ہو جائے تو وہ پہلے ہی سے اپنی جگہ محفوظ کر رکھے۔ مگر ترائسکی کے جلاوطن ہو جانے کے بعد اُن دونوں کی کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ دوران بحث میں سرکاری وکیل نے کچھ موزوں ہی طریقہ پر بخارن کی نسبت کہا کہ اس کی بدبخت ذہنیت میں لومڑی اور سور کا میل تھا یعنی وہ مکار بھی تھا اور ضدی بھی۔ اس نسبت سے تو کمیونسٹ چڑیا گھر کا وہ ایک نمونہ تھا۔ کیا ہی افسوس ہے کہ مرادیں ہوف کے مزاج میں لطیفہ سنجی نہ تھی۔ فیصلہ یہی ہوا کہ لینن کی پہلی پوسیٹھ بیورو کے اس دونگے نمبر کو گولی کی نظر کیا جائے۔ لینن نے جو اپنے رفقا جمع کئے تھے ان میں سے چار تو گولی سے اڑائے گئے اور ایک نے قید خانے میں خودکشی کر لی انقلاب کی شخصی بنیاد کی یہ حیرت انگیز تفسیر ہے۔

پچیسواں باب

یو۔ ایس۔ ایس۔ آر کا یہ زمانہ جس میں اس طرح آدمیوں کی چھٹائی ہو رہی تھی قریب قریب ایک قسم کی خانہ جنگی کا زمانہ تھا اور یہ خانہ جنگی بھی ایسی تھی جس میں ایک طرف کے آدمی خود ہتھیار نہیں اٹھاتے بلکہ اپنے غولوں کے غولوں کی گرفتاریاں کرا دیتے ہیں اس لڑائی میں جو گورنمنٹ اور ان کے مخالفین کے درمیان ہو رہی تھی گورنمنٹ کا صرف ایک آدمی کام آیا اور یہ سرجی کیروف تھا جو دسمبر ۱۹۳۴ء میں گولی سے مرا تھا مخالفین کا بہت نقصان ہوا تھا۔ گورنمنٹ کی طرف سے تو کیروف کے مرتے ہی حملہ شروع ہو گیا تھا مگر بظاہر کہیں بھی ان کا مقابلہ نہیں ہوا کوئی چھوٹی سے چھوٹی بھی بغاوت نہیں ہوئی۔ نہ کہیں بم پھٹے۔ نہ کسی گرفتاری کے وقت کسی اور پولیس آفیسر تک کو گولی سے مارا گیا۔ اس لڑائی میں ایک فریق کی جانب سے خاموش برداشت ہو رہی تھی۔ بایں ہمہ اس لڑائی کو بغیر خانگی بدنظمی اور مدد لی اور غیر ملکوں میں اس کی گونج کے جاری نہیں رکھا

جاسکتا تھ

ادھر سوویت یونین میں بہت سے مشاہیر پر مقدمے چلائے جارہے تھے اور انھیں سزائے موت مل رہی تھی اور ادھر دنیا کی رفتار میں فرق نہیں آیا تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سوویت کی سرحد سے پرے حالات خطرناک صورت اختیار کررہے تھے۔ سپین میں ایک جنگ چھڑ چکی تھی جسے چاہے نظریاتی جنگ کہئے چاہے شہنشاہیت کی۔ اٹلی اور جرمنی کا اینٹی کومنٹرن روس دشمنی کے محاذ پر گویا اشتراکِ عمل تھا۔ ستالن سے درخواست کی گئی کہ اسے آگے بڑھنا چاہئے اور کمیونزم کو بچانے میں حصہ لینا چاہئے نومبر ۱۹۳۶ء میں بارسیلونا کے انارکسٹوں اور کمیونسٹوں (لاحکومتیوں اور اشتمالیوں) کا ایک وفد موسکو بھیجا اور استدعا کی کہ سپین کی گورنمنٹ کی مادی امداد کی جائے۔ حقیقت میں یہ بڑا ٹیڑھا موقع تھا کیونکہ ستالن کا محاذ تو خانگی قید خانے تھے جہاں اس کے دشمنوں کا احتساب ہورہا تھا یہ ایسا وقت نہ تھا کہ ترازو کے پلڑے میں ہر ایک چیز "ایک دنیا بھر کی جنگ" کی خاطر اٹھا کر ڈال دی جائے۔

ستالن نے ایک گر نکال لیا تھا یعنی سوشلیزم کی کامیابی ایک ہی راج اسٹیٹ میں ہوسکتی ہے اس نے اس خیال کو کہ دنیا بھر میں انقلاب ہو چھوڑ دیا تھا اس کا خیال تھا کہ یہ صرف سرمایہ دار طاقتوں کی باہمی رقابت سے ہوگا بہرکیف دنیا کا انقلاب جب کبھی بھی ہوگا تو وہ سوویت کی فوجی امداد کے بغیر ہوگا۔ لتوینوف کا نظریہ بھی یہی تھا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ سپین میں اس کا اس طرح آغاز ہوگا کہ یا تو سپین کی وجہ سے فرانس اور اٹلی میں لڑائی چھڑ جائے اور یا ممکن ہے کہ جرمنی اور برطانیہ میں حکومتوں کے حریفانہ

گروہوں کے مادی مفاد ایک دوسرے کے خلاف تھے۔ مارکسی نظریہ میں کوئی ایسی بات موجود نہ تھی جس کی بنیاد پر سپین میں سوویت کی فوج بھیجی جائے۔ پھر بھی یہ ثابت کرنے کے لئے کہ سٹالن دنیا کی کمیونزم کا لیڈر ہے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا، ورنہ ترائسکی کو موقع مل جائے گا کہ وہ فتح کے بعد یورپ کی کمیونزم کا لیڈر بن کے آکھڑا ہو۔ سٹالن نے سپین کے وفد سے کہا کہ "اشتمالیت کی دنیا بھر میں جے ہوگی اور میڈرڈ کو سب سے پہلے بچایا جائے گا"

روس نے مداخلت تو کی مگر نہ اتنی جتنی جرمنی اور اٹلی بیان کرتے تھے۔ وہاں سے ٹینک، ہوائی جہاز، گولہ بارود اور قلیل سے قلیل تعداد سپاہیوں کی بھیجی گئی، جی۔ پی۔ یو کے ایجنٹ بھی بھیجے گئے تاکہ وہ مارکسی اتحاد کی مزدوروں کی پارٹی یعنی پی۔ او۔ یو۔ ایم میں سے ترائسکی کے حامیوں کو چھانٹ دیں۔

وہ لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سٹالن کی مداخلت نے سپین کی گورنمنٹ کو جنرل فرینکو کے مقابلہ میں برباد کر دیا۔ یعنی یہ کہ جو تھوڑے سے سپاہی بھیجے گئے تھے ان کی تعداد اٹلی اور جرمنی کی فوجوں کے مقابلہ میں مضحکہ انگیز تھی۔ بولشویکوں کی امداد کی کمزوری اسی سے ظاہر ہے کہ جب سب کچھ ہو چکا تو ایک روسی پناہ گزیں بھی کہیں نہ تھا نیز جنرل فرینکو نے کبھی یہ شیخی نہ ماری کہ بہت سے روسی قید کر لئے گئے مقتولین میں روسی افسروں کے نام شائع نہ کئے گئے، ٹینک اور ہوائی جہاز ضرور کار آمد تھے مگر جس طرح اطالوی فوج لڑ رہی تھی کوئی روسی فوج میدان کارزار میں نہ تھی۔ باوجود اس کے کہ روسیوں نے ساتھ نہیں دیا سپین کی حکومت نے

حیرت انگیز جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اگر موسکو کی امداد بالکل نہ ہوتی تب بھی وہ مکمل شکست کو اتنی ہی طویل مدت تک بچا سکتے تھے۔ اور یہ تو قریب قریب یقینی ہے کہ ان کی اپنی طاقت زیادہ دیر تک قائم رہ سکتی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ سٹالن کے سفیروں کی بارسیلونا اور والنچیا میں موجودگی کا اثر بجائے کچھ فائدہ پہنچانے کے نقصان دہ ہی ثابت ہوا بظاہر تو وہ فسطائیوں کے خلاف ایک زبردست متحدہ جدوجہد کرنے کے لئے آئے تھے مگر حقیقت میں ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ سپین کو سٹالن کے جھنڈے کے نیچے لڑائیں۔ وہاں سے وہ جی۔ پی۔ یو کی ترکیبیں اپنے ساتھ لائے تھے اور ان کا نعرہ یہ تھا کہ کسی قسم کی مخالفت نہ ہونی چاہیئے۔ انھوں نے گورنمنٹ کے محاذ کے پیچھے سرخ دہشت انگیزی منظم کی اور جس کسی کو تیسری انٹرنیشنل سے منحرف پایا یا سمجھا اسے جس طرح جی میں آیا گرفتار کیا یا گولی سے اڑا دیا۔ وہاں کھلم کھلا پھوٹ کا بازار گرم تھا اور کئی مشہور کمیونسٹ ایسے غائب ہوئے کہ پھر کبھی ان کا پتہ نہ چلا۔

عملاً سٹالن اور ٹراٹسکی کے مقاصد جدا جدا تھے۔ سٹالن تو دنیا اور روس کا میدان ٹراٹسکیت کی آلایش سے صاف کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تاریخ کو ایک مارکسی دھکا دیا جائے اور وہ مغربی جمہوریتوں کو ترغیب دے رہا تھا کہ چونکہ ان کے مفاد پر حملہ ہوا ہے انھیں لڑنے کے لئے کھڑا ہو جانا چاہیئے۔ انگلستان اور فرانس نے عدم مداخلت کا معاہدہ کر کے لڑائی سے پرہیز کرنے کا اپنے آپ کو پابند کر لیا تھا۔ یہ خیال فرانس میں موسیو بلوم کے دماغ کی اختراع تھی یعنی انگلستان سے استدعا کی گئی تھی کہ فرانس کو اٹلی سے برسرپیکار ہونے سے بچائے۔ معاہدے کا

لے دے سے یہ اثر ہوا کہ انگلستان اور فرانس دونوں سپین کی حکومت کی امداد کرنے سے باز رہے۔ لتوینوف یہ کام کر رہا تھا کہ کسی طرح اس امن پسندی کی جڑ کاٹے اور اسے میز کی سے قابل قدر مدد مل رہی تھی سٹالن بھی اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ پی۔ او۔ یو۔ ایم میں جو کانٹ چھانٹ کی جا رہی تھی وہ نسبتاً کمتر درجہ کی چیز تھی بمقابلہ اس کے کہ ٹوٹیلیرین یعنی وہ حکومتیں جن میں جنرل کے اختیارات کارفرما جماعت کے ہاتھ میں ہوں گویا ہمہ گیر حکومت اور جمہوری حکومتیں جنگ میں مبتلا ہو جائیں۔ مگر جمہوریتوں کی بے حسی پر اس کی حیرت رفتہ رفتہ کر بڑھتی جاتی تھی۔ وہ سوال کرتا تھا "یہ کیا بات ہے کہ وہ ممالک جو غاصبانہ حملوں سے بری ہیں اور جن کے سامنے ایسے وسیع موقعے موجود ہیں اس قدر آسانی سے اور بغیر کسی مقابلہ کے اپنے فرائض اور اپنی حیثیت کے تقاضے سے دست بردار نظر آتے ہیں" یہ تو خیر اس نے بعد میں کہا کہ جب وہ حکومتیں جو حملہ آور نہ تھیں اور ... جو ممکن ہیبتناک لڑائیوں سے دامن بچا کے پیچھے ہٹ چکی تھیں، مگر وہ بار بار اپنے آپ سے یہی سوال کرتا رہا۔

اسی اثنار میں پریشانی کے اسباب میں اس بنیاد پر اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہ شہنشاہیت مزاج حکومتوں کا گروہ ایک دوسرے کو تہ تیغ کرنے کی بجائے کہیں سوویت یونین کی نکا بوٹی کرنے پر نہ تل جائے۔ اسٹالن کے محکمہ کا رخاص نے یہ اطلاع بہم پہنچائی کہ اگر برطانیہ ہمدردانہ غیر جانبداری اختیار کرلے تو اسے یہ لقمہ پیش کیا گیا ہے کہ وہ اپنی ایشیائی برطانوی ایمپائر میں ترکستان کا اضافہ کرلے۔ سیاسی الائنس کی صفائی کے دوران میں بہت سے غیر ملکی جاسوسوں کا پتہ چلا کہ جن میں سے بعض کو ان کی کارگذاریوں

کے دوران میں گرفتار کیا گیا۔ ہدایات یہ دی گئیں تھیں کہ ترانسکی اور ناتسیوں کی یہ سازش ثابت کی جائے کہ وہ سوویت یونین پر حملہ کو آسان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کے جاسوسوں کا کھوج لگانے کی طرف زیادہ توجہ کی گئی۔ پتہ چلا کہ جاپانی جاسوسوں اور جرمن جاسوسوں میں بعض بعض صورتوں میں اشتراک عمل تھا۔ چنانچہ جاپان کے اینٹی کومنٹرن پیکٹ روس کے خلاف معاہدے کے پابند ہونے سے پہلے ہی موسکو کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ ریاستہائے متحدہ روس پر ایک ہی وقت جرمنی اور جاپان کی جانب سے حملے کا خطرہ ہے۔

جرمنی اور روس کی سرحدیں ملی ہوئی نہ تھیں مگر جی۔ پی۔ یو نے ایسی شہادت مہیا کر لی تھی جس سے یہ ثابت ہوتا تھا کہ فسطائی پولینڈ جرمنوں کو اس شرط پر رستہ دے دے گا کہ صلہ میں اسے صوبہ یوکرین کا وہ شمالی علاقہ جسے سفید روس کہتے ہیں اس کے حوالہ کر دیا جائے گا ہٹلر نے صوبہ یوکرین کو جرمنی کے غلہ کے ذخیرے اور توسیع حکومت کے لئے محفوظ رکھا تھا، رہا برطانیہ سو وہ بھی چشم پوشی کے لئے تیار تھا کیونکہ پھر افریقہ کی نوآبادیات کی واپسی کا مسئلہ غیر ضروری بن جاتا تھا۔

مگر ۱۹۳۶ء میں فوری خطرے کا امکان جاتا رہا یہ صحیح ہے کہ جاپان روم، برلن کے محور میں شریک ہو گیا مگر جولائی میں بجائے سوویت روس پر حملہ کرنے کے اس نے چین میں جنگ چھیڑ دی اور برطانیہ عظمیٰ کے مشرق بعید کے تجارتی تعلقات کو خطرے میں ڈال دیا۔ یہ ناگزیر نظر آنے لگا تھا کہ انگلستان کو جاپان سے لڑنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

ایک لحاظ سے تو دنیا کے پرلے سرے پر حالات نے سپین کی سی

صورت اختیار کر لی تھی مگر بظاہر برطانیہ کے مفاد پر براہ راست زیادہ ترچوٹ پڑتی تھی، ایسی صورت میں کہ جاپان ایک طرف چین کو فتح کرنے میں مشغول ہو وہ نازیوں کی اس تجویز کی تکمیل نہیں کر سکتا تھا کہ ریاستہائے روس پر ایک ہی وقت میں جرمنی کے ساتھ حملہ کر دے۔ مزید براں اس کا زیادہ امکان تھا کہ وہ بر"یہ ریاستہائے متحدہ امریکہ اور فرانس سے لڑ بیٹھے۔ پہلے دن ہی سے یہ نظر آ رہا تھا کہ جاپانی شہنشاہیت مزاجی نے ایسا رخ اختیار کر لیا تھا جس سے جرمنی کو مایوسی تھی۔

مگر یہ ممکن ہے کہ جاپان اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ روس پر حملہ کرنے سے پہلے چین کا سنبھالنا ضروری تھا کیونکہ ایک طرف تو چین بڑی تیزی سے حکومت کو دور حاضر کا لباس پہنا رہا تھا اور دوسری طرف سارا ملک سر سے پیر تک مسلح ہو رہا تھا یعنی چین میں سوویت یونین سے دوستانہ تعلقات استوار کرنے کا دم خم پیدا ہو رہا تھا۔

۱۹۳۶ء میں ارنسٹ ہوری ایک مصنف نے ایک کتاب ہٹلر کا قسط روس میں، کے نام سے شایع کی تھی جس میں یہ پیشین گوئی کی گئی تھی کہ جرمنی اور روس میں جنگ ہونی ناگزیر ہے۔ اس میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ جاپان جرمنی کا دوست رہے گا مگر اس وجہ سے ناکامیاب رہے گا کہ چین موقع غنیمت جان کر اس سے رزم آزما ہو جائے گا اور جاپانی سوویت اور چینی فوجوں کے متحدہ حملہ کی تاب نہ لا سکیں گے یہ ہو سکتا ہے کہ جاپانیوں نے ہوری کی اس پیشین گوئی کی تفصیل پر غور کر کے یہ فیصلہ کیا ہو کہ وہ روس اور چین کے فوجی اشتراک عمل کا پہلے ہی سے خاتمہ کر دیں اور عام جنگ کے چھڑنے سے پہلے ہی چین کی فوجی قوت کی کمر توڑ دیں

مگر اس نے سوویتی روس کو ایک موقع دیا کہ وہ چینی ریپبلک کا ساتھ دے

مگر جاپان نے چین سے لڑائی چھیڑنے سے پہلے ہی یہ اطمینان کر لیا تھا کہ روس نہیں لڑے گا۔ جی۔ پی۔ یو۔ کی ایک نامکمل فوجی سازش کا بھید لگانے میں جاپان نے مدد کی اور ستالن کو یقین دلا دیا کہ محکمہ فوج کے اعلیٰ افسران کا بڑا حصہ وفادار نہ تھا۔

جاپانی گورنمنٹ نے بہت سے وائٹ گارڈوں کو ملازم رکھ چھوڑا تھا مگر گارڈ کیوں وہ تو روسی پیشہ ور لوگ تھے جو یونین میں سے بھاگ کر نکل آئے تھے یہ ٹھیک ہے کہ ان میں سابق زار کے افسران فوج بھی ہیں مگر اغنی میں وکیل بھی ہیں، سابق پولیس کے افسر بھی ہیں اور سیاسیئن بھی ہیں موسکو کی جی۔ پی۔ یو کا جواب ٹوکیو میں ماہرین کا ایک دفتر ہے جب سوویت یونین میں تراتسکی کی وبا کا ڈر پھیلا تو جاپان نے بڑی عیاری سے اسے اپنے کام میں لانا شروع کیا تراتسکی کی وبا کے متعلق جاپان میں جو مثل تیار ہوئی تھی وہ اتنی ضخیم نہ تھی جتنی کامرادیس ہوف کی مگر اس میں باتیں بڑی پتہ کی تھیں۔

روسی ماہرین اس کام پر لگائے گئے کہ وہ جعلی مجرمانہ خطوط بنائیں جاپان کے خفیہ ایجنٹ انھیں لے جاتے تھے یا کسی معصوم بچے کے نام وہ ..... ڈاک میں ڈال دئے جاتے تھے اور آسانی سے یہ انتظام کر دیا جاتا تھا کہ وہ جی پی۔ یو کے ہاتھ پڑ جائیں چونکہ جاپانیوں کو اعلیٰ افسران کی بد دلی کا پورا حال معلوم تھا اور انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ بعض افسران نے حقارت دھکیاں دی ہیں سوویت پولیس کو شبہ کے واسطے کافی مواد مہیا کر دیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض سپاہی اور افسران گرفتار ہو گئے اور ان سے جرح و قدح کی گئی۔

جی۔ پی۔ یو کا طریقہ کار ایسا نہیں ہے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی الگ ہو جائے خصوصاً جبکہ ایک تیسری جماعت حقیقت پر اسرار کا پردہ ڈال رہی ہو۔ پولیس کی یہ عادت ہو گئی تھی کہ وہ ہر ایک بات کا بد سے بدتر پہلو لیتی تھی اور جاپانیوں کی یہی دلی مراد تھی۔ فیلڈ مارشل مائکل توکاچیفسکی جو انقلابی جنگ اور پولینڈ کے معرکہ کا ہیرو گنا جاتا تھا اور جو محکمہ جنگ کا نائب وزیر اور صرف ورو شلوف سے دوسرے درجہ پر تھا۔ انقلاب کی اس صورت سے جو ستالن کی رہبری میں اس نے اختیار کی تھی مطمئن نہ تھا۔ اس کی اپنی زندگی کی تاریخ یہ تھی کہ وہ گارڈز کی رجمنٹ میں ایک لفٹننٹ تھا اور جرمنی سے لڑائی کے دوران میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اس کی بھاگ نکلنے کی تین کوششیں جب ناکامیاب ہو چکیں تو چوتھی مرتبہ وہ پھر کوشش کر کے روس کی سرحد میں داخل ہو گیا پھر یہ وہ وقت تھا کہ انقلاب شروع ہو چکا تھا۔ سرخ فوج میں اس کی ترقی کا باعث ٹراٹسکی تھا اور یہ ایک ایسا امر تھا جو ہمیشہ کے لئے استالن کی نگاہ میں اسے مشتبہ قرار دیتا مگر اس کی دلاوری، جانبازی اور فوج کی بے نظیر سرداری نے اس کے دامن شہرت پر سے ٹراٹسکیت کے بدنما دھبہ کو دھو دیا تھا۔ وہ ٹراٹسکی کے حامیوں میں نہ تھا بلکہ مقدمات کے دوران میں یہ بات کھلی کہ اس نے یہ کہا تھا کہ اگر کسی کامیاب بغاوت کے بعد ٹراٹسکی نے روس میں آکر ستالن کی جگہ لینی چاہی تو میں اُسے گرفتار کر لوں گا، گویا بغاوت کی صورت میں مائکل توکھاچیفسکی نے روس میں اعلیٰ مقام اپنے واسطے محفوظ کر رکھا تھا روسی فوج کے نقادوں کی صفت وشناکے باوجود وہ کوئی نپولین تو تھا نہیں۔ اگر ایکوف اور کرستنسکی کے بیان کو صحیح مانا جائے تو وہ فوجی بغاوت کا خواب برسوں سے دیکھ رہا تھا۔ جو شخص بونا پارٹ ہونے کا دعویٰ کرے وہ فیصلہ کن قدم اٹھانے کے خواب نہیں دیکھا کرتا اور بہر کیف

دو چار جام پینے کے بعد وہ اس کا ذکر فکر نہیں کرنے لگتا ستالن کے حراست میں لے لینے کی باتیں کرنے کا قصہ ترانسکی کے کانوں تک ناروے میں پہنچ چکا تھا جس پر بیان کیا جاتا ہے کہ ترانسکی نے لکھا " کاش! وہ کہیں جلد ایسا کرے " جاپانیوں کو بھی اس کی سُن گن لگ گئی تھی اور جرمنوں کو بھی اس کی ضرور خبر ہوگی۔ بالآخر جی۔ پی۔ یو کو بھی اس کا پتہ چل گیا اور یہ ہونا لازمی تھا اس لئے کہ جو جو لوگ گرفتار ہو رہے تھے ان سے جرح قدح جاری تھی۔ جنوری ۱۹۳۷ء میں رادیک نے بھی اپنے مقدمہ کے دوران میں اس طرف اشارہ کیا۔ یہ ممکن ہے کہ اس نے ایسی اطلاع بہم پہنچا کر اپنی جان بچائی ہو جو دوران مقدمہ میں ظاہر نہیں ہوئی اسے صرف دس برس کی سزا ملنے پر سب کو تعجب ہوا تھا۔

۱۹۳۷ء میں پورے سال پولیس فوجی سازش کا کھوج نکالنے میں مصروف رہی عوام کو ان باتوں کا پتہ سب سے پہلے اس وقت چلا جب ایوان گورنک نے جو ایک پرانا بولشویک تھا اور محکمہ جنگ کے نائب وزراء میں سے ایک تھا خودکشی کی۔ یہ شخص جی۔ پی۔ یو اور فوج کے درمیان بیچ کی کڑی تھا یعنی اس کی یہ ذمہ داری تھی کہ فوج کی پولیس کی جانب سے نگرانی کرتا رہے۔ بظاہر تو کھاچیفسکی نے فوجی بغاوت کے سلسلہ میں اس پر اعتماد کیا ہوگا۔ اسے خفیہ طور پر گرفتار کیا گیا اور جون ۱۹۳۷ء میں اس کی گرفتاری اور خودکشی دونوں کا ایک ہی وقت میں اعلان کیا گیا اس کے بعد تو کھاچیفسکی اور اس کے ہمعصر اعلیٰ افسران فوج کی گرفتاریاں عمل میں آئیں انھیں معزول کیا گیا اور پھر اس کے بعد گولی سے اڑا دیا گیا ان کی لاشیں جلا کر راکھ تک بھینک پھانک دی گئی۔ ان کے مقدمات کی

کوئی تفصیلات نہیں ملتیں۔ غالباً کسی کا مقدمہ ہوا ہی نہیں بظاہر کسی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ انھیں سزائے موت دی کہاں گئی۔ مگر یہ اس زبردست کاٹ چھانٹ کا آغاز تھا جو فوج میں عمل میں آئی۔ اس کاٹ چھانٹ کی تفصیلات بالکل تاریکی کے پردے میں ہیں مگر یہ امر قابل ذکر ہے کہ سرکاری بیانات سے فیلڈ مارشل ہوکر کا ذکر بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ بہرکیف غیر ممالک پر یہ امر واضح ہوگیا کہ سوویت یونین کی فوج اس قابل نہیں رہی تھی کہ کوئی غیر ملکی لڑائی چھیڑی جا سکے۔ اور اس لئے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ جاپانیوں نے چین میں جو چاہا کیا، اور جب ہٹلر نے چیکوسلوواکیہ کو تہ و بالا کیا تو سٹالن اس قابل نہ تھا کہ فوجی بھروسے پر اعتراض اٹھائے

چھبیسواں باب

۲ مئی ۱۹۳۵ء کے دن فرانس اور سوویت یونین نے باہمی امداد کے عہد نامہ پر دستخط کر دئے۔ دو ہفتہ کے بعد چیکوسلوواکیہ ریپبلک کی طرف سے ڈاکٹر بنیش اور دوسری طرف سے لتویتوف نے اسی قسم کے ایک اور عہد نامہ پر دستخط کر دئے طے یہ ہوا تھا کہ اگر چیکوسلوواکیہ پر حملہ ہو تو فرانس اور سوویت یونین دونوں حملہ آور کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں گی یعنی دستخط کنندگان پابند تھے کہ بغیر یہ انتظار کئے کہ لیگ آف نیشنز جھگڑے کا فیصلہ کرے ایک دوسرے کی مدد پر فوراً کمربستہ ہو جائیں۔ تقدیروں کا فیصلہ کرنے والے ماہ ستمبر ۱۹۳۸ء تک یہ عہد نامے برقرار رہے اور پھر اس وقت تاریخی تجربے کی کسوٹی پر انکو کسا گیا۔ مئی ۱۹۳۷ء میں فرانس کے وزیر اعظم موسیو بلوم نے کہا کہ اگر" چیکوسلوواکیہ پر حملہ ہوا تو فرانس یہ سمجھے گا کہ حملہ خود فرانس پر ہوا ہے" سوویت روس نے اپنی وفاداری ہیر پیر کے فقروں

سے ظاہر نہیں کی مگر یہ بات مانی جا چکی تھی کہ اگر جرمنی نے کارپیتھنز پر چڑھائی کی تو روس صوبہ یوکرین کے خطرے کے خیال سے لازمی طور پر اپنی ذمہ داری کو پورا کرے گا۔ لتوینوف نے سٹالن پر یہ بات ثابت کر دی تھی کہ اگر جرمنوں نے چیکوں کے علاقہ پر حملہ کیا تو ایک عام یورپی جنگ پھر جائے گی کیونکہ اگر فرانس نے جرمنی پر حملہ کیا تو برطانیہ فرانس کی امداد کرنے پر مجبور ہوگا۔ اور اس لئے چونکہ ریاستہائے متحدہ روس اور جرمنی کے ڈانڈے نہیں ملتے روس کو ایک ایسی رزم آزمائی میں عملی حصہ لینے سے بچنا چاہیئے جس میں کیمونزم کے دشمن غالباً ایک دوسرے کو خود ہی برباد کر دیں گے۔

جسے دوسری امپریلیسٹ جنگ کہا جاتا تھا اس کی پورے وثوق کے ساتھ توقع کی جا رہی تھی۔ جاپان کی چین پر چڑھائی اس جنگ کا ایک جزو تصور کی جاتی تھی، جو برطانیہ، فرانس، اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سرمایہ دارانہ مفاد کے خلاف اس غرض سے لڑی جانے والی نظر آتی تھی کہ دنیا اور حلقہ ہائے اثر کا دوبارہ بٹوارہ کیا جائے۔ سٹالن تو ایک عرصے سے دنیا کی جنگ کو ناگزیر خیال کرتا تھا۔ کانگریس کے سامنے اس کی ایک بھی تقریر مشکل سے ملے گی جس میں اس کا حوالہ موجود نہ ہو۔

مگر اس کا یہ ارادہ کہ اس جنگ میں سوویت یونین پر آنچ نہ آنی چاہیئے رفتہ رفتہ تقویت پکڑتا گیا۔ لتوینوف سے اس نے صرف یہی امید لگائے رکھی کہ اس کی پالیسی مارکسی پیشین گوئیوں کی تکمیل کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

یوں تو لتوینوف اب بھی اس کے سامنے مغرب کے مزاج کی

ترجمانی کرتا رہا۔ مگر ستمبر ۱۹۳۸ء میں، ستالن اس سے اکتانے لگا۔
یہ تو مین ہی نہیں بلکہ ایک دنگ کر دینے والی بات تھی کہ میونک کے غور و خوض کے موقعے پر سوویت یونین کو چھوٹوں بھی نہ پوچھا گیا۔ مغربی شہنشاہی طاقتوں کے کرتا دھرتاؤں نے موسکو کا منہ چھوائے بغیر ہی اپنے جھگڑوں کو خود ہی نمٹانے کا فیصلہ کر لیا یعنی ہٹلر، مسولینی دالاڈئے اور چیمبرلین تو ایک ہی میز پر جا بیٹھیں اور وہاں سوویت کا کوئی قائم مقام بھی نہ ہو، بجائے جنگ آزمائی کرنے کے انھوں نے چیکوں کو صدقہ کا بکرا بنا اپنے آپس میں صلح کر لی، حالات کے ان تیوروں سے مگون اچھا نہیں نکلتا تھا۔
میونک کے بعد فوراً ہی انگریزوں اور جرمنوں کی دوستی کی تحریک شروع ہوگئی اور مغرب میں سوویت روس کو قطعی نظر انداز کر دیا گیا۔ چیکوسلوواکیہ کو جس طرح سے قربان کیا گیا تھا اسے انتہا پسند سیاسین معاف نہیں کر سکتے تھے مگر قربانی تو سب سے پہلے فرانس نے کی۔ برطانیہ کی جانب سے کوئی بدعہدی نہیں ہوئی تھی اور اگرچہ عوام کو چیکوں کی حالت پر افسوس آتا تھا مگر اس لئے کہ امن قایم رہے انھوں نے اسے روا رکھا کہ ناتسیوں کو ان کی من مانی مراد مل جائے۔ ذرا زیادہ ٹکی مزاج سیاسین کو یہ امید لگی رہی کہ جرمن اپنی فتح کی حرص کو مشرق میں بولشویکوں کا حق مار کے پورا کریں گے۔
بایں ہمہ بعض لوگ اپنا فائدہ اسی میں دیکھتے تھے کہ جنگ کے ہوّے کو بنائے رکھیں۔ چیمبرلین اور ہٹلر کے ان باہمی وعدوں کے باوجود کہ ان کے ممالک ایک دوسرے سے نبرد آزما نہ ہوں گے۔ تھوڑے ہی دنوں میں

یہ صاف نظر آنے لگا کہ یہ وعدے ایسے ہی بے سروپا تھے جیسے فرانس کا چیکوسلواکیہ کی امداد کا وعدہ۔ سٹالن اور لتوینوف نے چین کا سانس لیا کیونکہ سرمایہ دار طاقتوں کے گروہ آج بھی ایک دوسرے سے ویسے ہی برسرپیکار نظر آتے تھے جیسے پہلے۔

کوئنسٹرن نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومتوں کو نظر انداز کر کے سرمایہ دار ملکوں کے مزدور پیشہ طبقے اور عوام الناس سے اپیل کی جائے کہ سوویت اتحاد کے عوام الناس سے انھیں ایک مضبوط عزم کے ساتھ باہمی تعلقات استوار کرنے چاہئیں۔ یہ الفاظ ژورژ دیمتروف نے ایک ایسی اپیل میں لکھے تھے جس کے ذریعہ دنیا بھر کے عوام الناس اور مزدوروں کو مخاطب کیا گیا تھا اور جس کا عنوان تھا "میونک کے بعد" اس میں اس نے برطانوی اور فرانسیسی حکومتوں کے زعماء کو رجعت پسند بورژوازی کہہ کر خطاب کیا تھا۔ انگلستان اور فرانس چند ہی دن کے اندر سوویت یونین سے نئے عہد نامے کرنے کے لئے سخت بے قرار نظر آتے تھے خصوصاً وہ یہ چاہتے تھے کہ سٹالن کو اس پر رضامند کر لیں کہ اگر ناتسی پولینڈ پر حملہ آور ہوں تو جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا جائے۔ ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو کمیونسٹ پارٹی کی اٹھارویں کانگرس کو مخاطب کرتے ہوئے سٹالن نے اس تحریک کا پہلی دفعہ یہ جواب دیا "ہمیں چوکنا رہنا چاہئے مبادا وہ جنگ کے شیدائی جو دوسروں کے کندھوں پر بندوق رکھ کر چلانے کے عادی ہیں۔ کہیں اپنے جھگڑوں میں ہم کو نہ گھسیٹ لیں" جب اس نے یہ دیکھ لیا کہ برطانیہ اور فرانس باہمی امداد کا سودا کرنے کے سلسلے میں زبردست طریقے پر جبٹ کے کوشش کر رہے ہیں تو اس نے لتوینوف کو رخصت

کر دیا۔ اور اس کی جگہ مولوتوف کو غیر ملکی معاملات کا کومیسار مقرر کر دیا جس کے معنی یہ تھے کہ پردے میں خود اسٹالن ہی کام کرے گا۔ مولوتوف سست، کند ذہن اور مجہول تھا اور اسے غیر ملکی معاملات سے بڑی ناواقفیت تھی۔ اور اس وجہ سے اس پر پورا بھروسہ کیا جا سکتا تھا کہ وہ ان نئی سلسلہ جنبانیوں کا ایسا مقابلہ کرے گا کہ زچ کر دے۔ اسٹالن یہ مناسب خیال نہیں کرتا تھا کہ بالکل اور فوراً ہی وہ یہ ظاہر کرے کہ وہ فرانس اور انگلستان سے دوستانہ تعلقات قائم کرلے گا کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوتے کہ جرمنوں کی خطرناک دشمنی مول لے لی جائے۔ وہ اسے خلاف قیاس سمجھتا تھا کہ اگر جرمنی نے صرف سوویت ہی کو حملہ کے لئے چنا تو فرانس اور برطانیہ تباہی کو مغرب میں دعوت دیں گے۔ یہ سمجھ میں نہیں آ سکتا تھا کہ ریاستہائے روس کے بچانے کے لئے لندن اور پیرس خود اپنی بربادی کو روا رکھیں گے۔ بازاری زبان میں یہ سب معاہدے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ الّوؤں کے پھنسانے کے جال ہیں۔ جہاں ہر دو فریق اپنے لحاظ سے اشتراک عمل کرنے کے پابند تھے پہلے سے تحریری معاہدے غیر ضروری معلوم ہوتے تھے۔ اشد ضرورت کے مقابلہ میں لفظوں اور عہدناموں کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے اور بجز اشد ضرورت کے بہت کم ملک لڑنے کے لئے آمادہ نظر آتے تھے۔ دھونس کی پالیسی سے جو ان حکومتوں نے اختیار کی تھی جن کا حملہ آوروں میں شمار نہ تھا اسٹالن تنگ آ گیا تھا۔ بجائے دشمن پر دھونس جمانے کے یہ اپنے ہی ملکوں کی آبادی پر دھونس جما رہے تھے۔ اسٹالن کہتا تھا کہ یہ بڑا بھاری اور خطرناک سیاسی کھیل ہے اور ایک دن اس کا نتیجہ خوفناک طریقے پر ظاہر ہوگا۔ اس زمانے میں اس نے اتنی معقول اور سمجھداری کی باتیں

کیں کہ یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ وہ اپنے پیروؤں کی نگاہ میں ایک ہیرو بن گیا
بہر کیف سمجھداری کی باتیں بھی کر لیجئے مگر ایک حکومت کا اس طرح ایک
خطرناک قسم کے کشمکش و پنج سے چھٹکارا نہیں ہو سکتا۔ ستالن اور سوویت
یونین کے فکر اور پریشانی کے اسباب بڑھتے جاتے تھے۔ یہ تو وہ تسلیم کرتے
تھے کہ ایک امپیریلیسٹ جنگ شروع ہو چکی ہے مگر ۱۹۳۹ء میں چین میں
جاپانی فوجوں کی کامیابی نے اسے بجائے ایک مغربی جنگ کے مشرقی جنگ
بنا دیا تھا۔ سوویت کو بجائے مغرب کے مشرق سے زیادہ خطرہ رہتا ہے
وہاں کمیونسٹ دشمن روسی سپاہیوں کی پلٹنیں جاپانیوں سے اشتراک عمل کرتی
رہتی ہیں اور موقعہ تاکتی رہتی ہیں کہ خود سوویت روس میں سے رنگروٹ
بھرتی کریں۔ چین میں لڑنے کے لئے اگر کسی سرخ فوج کو بھیجا جائے تو یہ ڈر
رہتا ہے کہ کہیں وہ آسانی سے فریق ثانی سے نہ مل جائے۔ ایک دفعہ پھر وہاں
مخالفین انقلاب کی ایک بڑی فوج کا مرکز بن گیا تھا۔ برطانیہ فرانس اور امریکہ
نے جاپان کو موقع دے دیا تھا کہ جو چاہے سو کرے۔ اور ستالن بشکل اپنا غصہ
ضبط کر سکتا تھا۔ وہ کہتا تھا "کہ انھوں نے اسے شنگھائی پر قبضہ کر لینے دیا
جو چین میں غیر ملکی سرمایہ کا اہم صدر مقام تھا۔ انھوں نے اسے کینٹن کو ہتھیا لینے
دیا جو برطانیہ کا جنوبی چین میں اجارہ داری کے اثر کا مرکز تھا اور انھوں نے
اسے ہنیان پر بھی قبضہ کر لینے دیا اور ہانگ کانگ کو گھر جانے دیا۔
یہ الفاظ کہے ہوئے ستالن کو تین مہینے نہ گزرے ہوں گے کہ چین
میں برطانیہ کی ناکہ بندی ہونے لگی اور سفید روسیوں نے جاپان کے اس عمل پر
کھلم کھلا شادیانے بجائے۔ علاوہ اس کے کہ جاپان کا مقصد چین کو محکوم بنانا
تھا چین کے مخالفین انقلاب کا مقصد بھی جاپان کے اس اقدام سے پورا

ہوتا تھا۔ مارشل بلوکر کے متعلق جو سوویت کی مشرق بعید کی فوجوں کی سالہا سال سے کمان کر رہا تھا یہ معلوم تھا کہ وہ ستالن اور اس کے دور حکومت کی بعد کی کارروائیوں کا مداح نہ تھا اس میں تو شبہ نہیں کہ ستالن کے ایشیائی مزاج میں تنگی پن ہے مگر سوویت کے سیاسیین اور فوجیوں کا اسے جو کچھ تجربہ ہوا۔ وہ ایسا نہ تھا کہ اس سے اس کے شکوک کا ازالہ ہو جائے۔ یونین میں بحر اسود سے لے کر کچھ تک پولیس کی نگرانی اور اقتدار پھیلا ہوا تھا مگر پھر بھی ستالن کا دل چین سے نہ تھا۔

سید اصغر علی آغا سوی اور ما اصغر علی

ستائیسواں باب

سٹالن حقیقت میں ہے یعنی دورِ حاضر کی اصطلاح میں وہ سیاسیات میں طاقت کا POWER POLITICS کا قائل ہے اور طرفہ یہ ہے کہ وہ رہتا ہے خیالی دنیا میں۔ یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ ایماندار نہیں ہے۔ ذاتی طور پر وہ دھونس کا قائل نہیں ہے۔ دھونس جمانے کا کام اس نے اپنے نائبوں پر چھوڑ رکھا ہے جن کے الفاظ کو وہ سنجیدہ توجہ کے قابل نہیں سمجھتا جب وہ سوویت کے باشندوں کو مخاطب کرنے کے لئے نکلتا ہے تو وہی بات کہتا ہے جو اس کے خیال میں سچ ہوتی ہے۔ اس کی تقریروں میں جھوٹی بات ملنی دشوار ہے۔ ایسی تو بہتیری باتیں نکلیں گی جن سے انسان متفق نہ ہو مگر دانستہ فریب نہیں پایا جائے گا۔ یعنی جو فرضی داستانیں اس کی زبان سے نکلتی ہیں وہ انھیں ایمانداری سے سچ سمجھتا ہے نئے دستور کے پہلے انتخابات کے موقع میں اس نے موسکو کے انتخابی حلقہ کے امیدوار کی حیثیت سے ایک تقریر کی یہ تقریر بولشوائے تھیٹر میں ہوئی جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا جب اس نے سوویت

کے دستور کے متعلق یہ کہا کہ یہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ جمہوری دستور ہے تو لوگوں نے تالیاں بجائیں۔ دوران تقریر میں اس نے کہا: "دنیا کی تمام تاریخ میں ایسے صحیح معنوں میں آزاد اور واقعی جمہوری انتخابات کبھی نہیں ہوئے ہاں کبھی بھی نہیں! تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ بات صرف یہ نہیں ہے کہ ہمارے انتخابات میں کل عاقل اور بالغ باشندے رائے کے حقدار ہیں اور انتخابات مساویانہ، خفیہ اور براہ راست ہوں گے اگرچہ یہ واقعہ بھی اپنی جگہ بڑی اہمیت رکھتا ہے بلکہ بات یہ ہے کہ ہمارے انتخابات آزاد ترین طریقے پر انجام پائیں گے اور اس درجہ جمہوری ہوں گے کہ ایسے دنیا کے کسی ملک میں نہیں پائے جاتے"

بھلا ایک ایسی پارلیمنٹ کا انتخاب جس میں تھوک بندی کا یہ حال ہو کہ سوائے ایک پارٹی کے اور سب پارٹیاں خلاف قانون قرار دے دی گئی ہوں اور اسے آزاد ترین اور جمہوری کہا جائے مگر سٹالن ایمانداری کے ساتھ اسے صحیح سمجھتا تھا۔ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ برطانیہ اور امریکہ کے انتخابات سرمایہ دار لٹھگوں کی سخت قسم کی تکلیف دہ ڈھکوسلا بازی ہے۔ یہ اس کا دل پسند فقرہ ہے یعنی یہ کہ یہ گھڑیال چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں، ٹھیک ہے مگر سمندری بھیڑیا کب چھوڑ دیتا ہے؟ انتخابات کے بعد ٹھاروں کانگرس کے سامنے سٹالن کو حسب ذیل اعلان کرنے کا موقع ملا "ان انتخابات میں ۹۹/۴ فی صدی ووٹ سوویت کے حق میں پڑے"

یعنی ۹۹/۴ فی صدی خود سٹالن کے حق میں! جذباتی اتفاق اور رائے کی اس درجہ یکجہتی تو کبھی ہٹلر کو بھی نصیب نہیں ہوئی اور پھر اس پر سٹالن نے یہ حاشیہ چڑھایا کہ سوویت کے طرز حکومت کے استقلال کی

بنیاد اس پر مبنی ہے" یہ اس نے کچھ طنزیہ طریقہ پر نہیں کہا۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ مخالفت کرنے والوں کے سارے ممکن لیڈروں کو موت کے گھاٹ اتار دینے اور ان کے پیروؤں کو سزا دے دینے کے بعد اس نے مکمل اتفاق قایم کر دیا تھا جب رائے ایک ہی ہو تو آزادئ رائے آپ ہی حاصل ہو جائے گی وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس نے جمہوریت کو ممکن بنا دیا تھا بلکہ اسے قایم کر دیا تھا۔

سوویت اعلیٰ کا انتخاب ہو چکا تھا۔ جس کا کام تحسین و آفریں کہنا تھا۔ برطانوی پارلیمنٹ کی طرح اس کے اختیارات اعلیٰ ترین نہ تھے کیونکہ ایک دوسرا طاقتور سیاسی نظام یعنی کمیونسٹ پارٹی بھی بدستور قایم رہی۔ کمیونسٹ پارٹی بھی سٹالن کی تائید میں زیادہ ٹھوس بنا دی گئی تھی کیونکہ ممبروں کی کاٹ چھانٹ بڑے پیمانہ پر ہوئی تھی۔ ہزاروں کا اخراج کیا گیا تھا خصوصاً اُن پرانے آدمیوں کا جن کے پیش نظر قدیم روایات اور واقعات تھے اور بہت سے نوجوان پارٹی میں نامزد کر دئے گئے تھے۔ جس کانگرس کو سٹالن نے ۱۹۳۹ء میں مخاطب کیا وہ اس سے بہت مختلف تھی جس کے سامنے اس نے ۱۹۳۴ء میں تقریر کی تھی۔ بہت سے مشہور ممبر مر چکے تھے اور بہت سے اخراج کے بعد تعزیری نوآبادیوں میں کام کر رہے تھے یا جیل خانوں میں سڑ رہے تھے

استالن نے کہا "پارٹی میں سے اتفاقی کاہل، جاہ طلب اور صریحاً مخالفت کرنے والے عناصر چھانٹے جا چکے ہیں اب ہمیں یقینی طور پر انبوہ کثیر کو چھانٹنے کا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی"

پارٹی اشتمالیت کی معرکہ آرائی کی منظم طاقت ہے۔ یہ محض تحسین و آفریں کے نعرے بلند کرنے والوں میں نہیں ہے بلکہ یہ جنگجوئی کے لئے قائم ہے۔ یہ پیکارِ جو ہے۔ یہ سٹالن کے سیاسی دشمنوں کی خبر لیتی ہے، اور مخالفین کی خفیہ

سازشوں کے خلاف جد وجہد کرتی ہے، اور لیڈر کی تجویز کی تکمیل کے لئے برادری کی کوششوں کو تیز تر بناتی ہے، یہ غیر ممالک کے متوسط الحال طبقے کے اثرات کے خلاف برسر پرخاش ہے اور باوجود اس نعرے کے کہ "اشتراکیت ایک ملک میں ہو" اس کی سرگرمیوں کا تمامتر رُخ یہ ہے کہ سرمایہ دار ملکوں میں مزدور پیشہ طبقے کو ہمت دلائی جائے اور اس میں خود اپنی قوت پر بھروسہ کرنے اور اپنی آنے والی فتح کا یقین پیدا کیا جائے۔ روس کی کمیونسٹ پارٹی تیسری اشتمالی بین الاقوامی مجلس کی مسلح فوج تصور کرنی چاہیئے یعنی مختصراً کومنٹرن جب تک کہ یہ منتشر نہ ہو سوویت یونین سرمایہ داری کے نظام سے معرکہ آرا رہے گی اور اس کا مقصد ساری دنیا میں انقلاب پیدا کرنا رہے گا۔

کومنٹرن، کے بلا روک ٹوک کام کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام میں کسی قسم کی بے چینی نہ ہو۔ ایک متفقہ سوویت کی جو بظاہر آزادانہ طریق پر منتخب ہوئی ہے اپنی ایک قیمت ہے مگر عوام میں شکوہ وشکایات نہ ہونے چاہئیں سب سے پہلے تو سب کو آذوقہ پہنچنا چاہیئے بناوت کا بھوک سے بڑھ کر کوئی طاقتور سبب نہیں ہوتا۔ ۱۹۳۹ء تک اشتراکیت زندگی کی لازمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے اعتبار سے کوئی شاندار کامیابی تو نہیں سمجھی جا سکتی آدمی اعداد وشمار پر چاہے وہ کتنے ہی دل خوش کن ہوں زندہ نہیں رہ سکتا۔ غیر ملکی ہمدردوں کا یہ بیان کہ ریاستہائے متحدہ روس میں مزدور پیشہ طبقہ کی حالت دنیا بھر میں بہتر ہے دنیا بھر میں انقلاب پیدا کرنے کے مقصد کے لئے تو مفید ہو سکتی ہے مگر ایک پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے روسی مزدور کو یہ رائے کپڑے نہیں پہنا سکتی اور نہ بھوکوں کی قطاریں اس سے چھوٹی ہو سکتی ہیں۔ اور نہ کسی ایسے بدبخت کنبے کی جائے سکونت کہ جو ایک چھوٹی سی گندی کوٹھڑی میں

گھچ پچ ہو کر بس رہا ہو وسیع تر بنا سکتی ہے سوویت یونین کا خود اپنا نجی اور خانگی مسئلہ موجود ہے یعنی یہ کہ انھیں اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے باشندوں کے لئے کم سے کم اتنا آرام و آسایش تو مہیا کر دیں جس سے مزدور پیشہ طبقہ کی متواتر شکایات ختم ہو جائیں۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی ضرورت رزق ہے۔ اگر روٹی اتنی موجود ہے کہ سب کے پیٹ پل جائیں تو مزید کارروائیوں کے جاری رکھنے کے لئے پاؤں ٹکانے کی جگہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ وقتاً فوقتاً خانگی محاذ کی رفتار حالات کی اطلاع ملتی رہے۔ اور یہ رزق کی زبان میں ہو سکتی ہے۔

یہ تو صاف نظر آتا ہے کہ ترقی ہوئی ہے ۱۹۳۳ء میں اجتماعی کسانوں کے ایک گھر کو ٹریکٹر وغیرہ کے استعمال کے سلسلے میں کٹوتی کے بعد اوسطاً سات پونڈ یا ساڑھے تین سیر روزانہ غلہ ملتا تھا۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ سارے کنبے کے لئے کل ساڑھے تین سیر روزانہ، جس سے ساڑھے تین سیر روٹی تو نہیں پکائی جا سکتی مگر ایک موٹا سا اندازہ لگانے کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ ساڑھے تین سیر روٹی ملتی تھی۔ اب اس کی قیمت کا اندازہ کسی ملک کے سکہ کے اعتبار سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۳۳ء میں ایک کاشتکار کے کنبے کی روزانہ آمدنی کیا تھی یہ ظاہر ہے کہ اس میں اڑے ٹھڑے وقت کی گنجایش نہیں، مگر ۱۹۳۵ء میں ایک اجتماعی کاشتکار کے کنبہ کی آمدنی کا اوسط ساڑھے پندرہ پونڈ یعنی پونے آٹھ سیر غلہ سے اوپر پڑنے لگا تھا جو غالباً انگریزی معیار سے ایک پونڈ فی ہفتہ سے زیادہ کی مزدوری نہیں اور امریکہ کے حساب سے پانچ ڈالر فی ہفتہ کی، یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اجتماعی فارم کے مزدور کی

حالت میں اس درجہ ترقی ہو چکی تھی کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ابتدائی ضرورتوں کی وجہ سے جو بے چینی ہو سکتی تھی اس کا بالکل استیصال ہو چکا تھا۔

اور فارم کے مزدوروں کو جو غلہ تقسیم ہوتا ہے اسی سے عوام الناس کی بھوک مٹنے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ مزدور بھی جو سائبیریا اور شمال میں تعزیری محنت مزدوری پر لگے ہوئے ہیں اسی نسبت سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ سٹالن نے مار مار کر کے پیداوار کو اتنا بڑھا دیا ہے کہ وہ فاقہ کشی اور انتہائی مصیبت زدگی کی حد سے اونچی چلی گئی ہے اسے بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ روسیوں نے اس کا ہاتھ بٹانے میں بڑی کوتاہی کی، اگر جرمن سوویت کے طریقۂ پیداوار کو اختیار کرتے تو انھیں بہت بڑی کامیابی ہوتی۔

بہر حال اس بنیاد پر کہ معیشت کے اقل درجہ کے معیار کی پوری ضمانت کر دی گئی تھی سٹالن یہ کہنے کے قابل ہو گیا تھا کہ ریاستہائے متحدہ روس میں اشتراکیت کی عمارت کھڑی کر دی گئی ہے۔ اشتراکیت کی جیت ہو چکی تھی اور فتح مند مزدور پیشہ طبقہ اشتمالیت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ جس اشتمالیت کی طرف یہ بڑھ رہے ہیں وہ ابھی تک مبہم ہے کیونکہ اس کا انحصار تو دنیا بھر میں انقلاب ہونے پر ہے۔ اشتمالیت ہو جانے پر حکومت غائب ہو جاتی ہے، دفتری حکومت، پولیس اور فوج سب کا دفتر تہ ہو جاتا ہے مگر جب تک سوویت کے گرد و پیش بورژوا اور سرمایہ دار حکومتیں موجود ہیں اس دفتر کا تہ کرنا حماقت ہوگی مارچ ۱۹۳۹ء میں سٹالن نے کہا "مگر حکومت باقی نہیں رہے گی اگر سرمایہ داری کا محاصرہ ختم ہو جائے اور اس کی جگہ اشتراکی محاصرہ لے لے تو حکومت عضو معطل ہو کر رہ جائے گی۔

اٹھائیسواں باب

سٹالن کی نگاہ میں ماشیزم یعنی فسطائیت اور مارکسیت میں کسی قسم کی قربت نہیں ہے وہ اسے سرمایہ داری سے تعبیر کرتا ہے اور سرمایہ داری بھی نہایت ہی تیز اور پیکار جو قسم کی، وہ ناتسیزم یا ناتسیست یا فوجی اشتراکیت کو اس نام سے کبھی نہیں پکارتا بلکہ اسے ہمیشہ جرمن فسطائیت کہتا ہے، پولینڈ گورنمنٹ اس کی نگاہ میں پولش فسطائیت ہے اور جاپان ایک فسطائی طاقت ہے۔ فرانس برطانیہ اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کو مخلوط سرمایہ دار ریاستیں تصور کرتا ہے جن میں خطرناک قسم کے فسطائی عناصر موجود ہیں جو کسی دن برسر اقتدار آسکتے ہیں فسطائیوں کو علی الاعلان دشمن قرار دیا گیا ہے اور ڈیموکریٹوں یعنی جمہوریت پسندوں کو یہ مانا جاتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی دشمن بن سکتے ہیں۔ نشر و اشاعت کے ذریعہ سے صورت حالات اس طرح پر پیش کی جاتی ہے کہ ہر طرف دشمن ہی دشمن ہیں اور ملک کی سرحد سے باہر سرمایہ دار دنیا مارکسیت کے خلاف ہتھیار سجائے کھڑی ہے مگر چونکہ مارکسیت خود بھی لڑنے سے گھبراتی نہیں، یہ بھی اپنے دنیا بھر کے

دشمنوں کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ اسی وجہ سے سوویت یونین کو اس میں دشواری پیش آئی کہ حملہ آوروں کے خلاف اسے کہیں ایماندار دوست ملیں۔

مثال کے طور پر جرمنی کے مقابلہ میں پولینڈ کی حمایت کی ضمانت کے معاملے کو لیجئے سوویت کی حکومت پولینڈ کی حکومت سے نفرت کرتی ہے اور اس پر بھروسہ نہیں کرتی، ان کا آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہ کرنے کا معاہدہ ہے مگر اس کی وجہ سے کبھی باہمی بے اعتمادی کا ازالہ نہیں ہوا۔ پولینڈ صوبہ یوکرین کی اقلیت کے ساتھ ایسا برا برتاؤ کرتا ہے کہ اگر ریاستہائے متحدہ روس کی سرحدوں کے اندر حالات میں ذرا اور دل کشی کے سامان پیدا ہو جائیں تو اس کا خطرہ ہوگا کہ پولش یوکرین میں سوویت یونین سے جا ملنے کے حق میں بغاوت ہو جائے۔ دوسری طرف پولینڈ کی یہ صورت نظر آتی ہے کہ جرمنی کی طرح وہاں بھی (گھٹ کے مر جانے کا بے جا ڈر سمایا ہوا ہے) یعنی وہاں یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ وہ چاروں طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور انھیں سانس لینے اور رہنے کے لئے اور وسعت ملنی ضروری ہے بلکہ وہ تو افریقہ کی نوآبادیوں کا بھی خواب دیکھ چکے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وہ یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کے لئے سوائے ہمسایہ قوموں کی سرزمین کے اور کسی طرف پاؤں پھیلانے کی جگہ نہیں طاقت ور رائش یعنی جرمن حکومت سے تو انھیں اپنچ بھر زمین نہیں ملنے والی اس لئے اگر وہ بڑھ سکتے ہیں تو کمزور ترقوتوں کی سرزمین کی طرف بڑھ سکتے ہیں چیکوسلوواکیا کے حصے بخرے کے وقت پولینڈ کیسا بھوکوں کی طرح گرا ہے مگر طیشن کوئی بڑا لقمہ نہیں ثابت ہوا۔ چیکوں کی سرزمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جو کچھ ملا تھا اس سے کہیں زیادہ پولینڈ کو کھو دینے کا ڈر پیدا ہو گیا وہ جرمن جو قبل از جنگ حالات کی واپسی چاہتے تھے انھوں نے اپنے

اس حق کا دعویٰ کیا کہ مغربی اور مشرقی پریشیا کا اتحاد ہو جانا چاہیئے۔ اور اس تجویز سے ایک طرف تو پومیرنیا جاتا ہوا نظر آیا اور دوسری طرف پولینڈ کا بحرہ بالٹک جانے کا راستہ۔ اگر مسلح مقابلہ کیا جاتا تو اس کا یہ نتیجہ ہوتا کہ جرمن نہ صرف اس علاقہ پر قبضہ کر لیتے جسے کوریڈور یا راستہ کہا جاتا ہے بلکہ سارا پریشیا بھی ہاتھ سے جاتا رہتا۔ پولینڈ کی دوبارہ تقسیم کا خطرہ بھی دور نہ ہوا تھا۔ مگر برطانیہ نے آگے بڑھ کر پولینڈ کی حکومت کی آزادی برقرار رکھنے کا ذمہ لے لیا جس کا یہ مطلب معلوم ہوتا تھا کہ پولینڈ کی سرزمین کے برقرار رکھنے کا بھی ذمہ لیا گیا تھا۔

یہ ذمہ لیتے ہی یہ بات صاف نظر آنے لگی کہ سوویت روس کی امداد کے بغیر اس ذمہ داری سے عہدہ برائی ناممکن تھی اور اسٹالن سے ایک معقول استدعا کی گئی کہ وہ اس دشمن کے خلاف جو دونوں کا دشمن ہے اشتراک عمل کرے، درحقیقت اس کا یہ مطلب تھا کہ ایک ایسے دشمن کی جو واقعی برسرپیکار تھا ایک ایسے دشمن کے مقابلہ میں مدد کرے جس کی پرخاش کا صرف احتمال ہی تھا۔ لتونیوف کو اس نازک مسئلہ کے سلسلہ میں طبع آزمائی کا موقع نہیں دیا گیا بلکہ اسٹالن نے خود اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا مگر یہ سمجھنے کے لئے کہ موسکو نے اس معاملے میں کیوں اڑ پکڑ لی تھی ایکوف وغیرہ کے ان سرکاری مقدمات کی جو ۱۹۳۸ء میں ہوئے تھے اس شہادت کو پڑھنا چاہیئے جس میں پولینڈ کے خلاف ذکر آیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ شہادت جی۔ پی یو کی جعلی کارستانی ہو، اگرچہ یہ ان لوگوں کے اقبالی اور مفصل بیانوں پر بظاہر مبنی ہے جنھیں غداری کے جرم میں گولی ماری گئی مگر یہ صاف نہیں ہے تاہم اس سے یہ تو ظاہر ہوتا ہے کہ ریاستہائے متحدہ روس کی سرکاری

رائے پولینڈ کے دوست یا دشمن ہونے کے سلسلہ میں کیا تھی۔ برلن کے سابق وزیر کرستنکی نے اقبال کیا تھا کہ جرمنوں نے بیس لاکھ سونے کے مارکس اس غرض کے لئے دئے تھے کہ سوویت روس پر حملہ کرنے کے لئے جرمن فوجیں پولینڈ میں سے آسانی سے گذر جائیں۔ ہٹلر کے جانشین ایکوف نے یہ اقبال کیا تھا کہ اس نے پولینڈ کے جنرل اسٹاف یعنی فوجی محکمہ کے افسران کے ذریعہ سے جاسوسی کا انتظام کیا تھا۔ بخارن نے اقرار کیا کہ مشن نظر یہ تھا کہ ریاستہائے متحدہ روس کے حصے بخرے کئے جائیں اور مختلف ریاستوں کو صلہ میں علاقے بخشے جائیں۔ پولینڈ میں ایک سازش ہوئی تھی کہ علیحدگی کا مطالبہ کرنے والے سفید روسیوں کو اکسایا اور بھڑکایا جائے تاکہ اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ یہ علاقہ پولینڈ کے زیر حمایت ہے اور ریکوف، بخارن وغیرہ نے اس سازش کی طرف سے چشم پوشی برتی تھی۔ اس تجویز کے مطابق صوبہ پوکرین میں تو جرمن نوآبادی بنائی جاتی مگر پولینڈ اس تمام وسیع علاقہ کو جو پوکرین کے شمال میں ہے اور جسے سفید روس کہتے ہیں اپنی نوآبادی کے واسطے قبضہ میں کر لیتا۔

چنانچہ اس وقت سے ایک ہی سال پہلے جب سوویت روس سے یہ کہا گیا کہ وہ پولینڈ کی امداد کرے سرکاری طور پر یہ بات علم میں آچکی تھی کہ ستالن کے دور حکومت کو زیر و زبر کرنے کی ایک خوفناک سازش ہوئی تھی تاکہ پولینڈ کو موقع دیا جائے کہ وہ سوویت روس کے علاقے کو اپنے ملک میں ملالے، کہا یہ جاتا تھا کہ پولینڈ کی جنگی سامان میں سب سے بڑی کمی بھاری توپوں کی تھی جن کا مہیا کرنا مغربی جمہوریتوں کے لئے عملاً غیر ممکن معلوم ہوتا تھا۔ ساتھ ہی اس کے لئے دے کے سوویت روس ہی تھا جو اس

قابل تھا کہ پولینڈ میں فوراً بھاری توپخانہ بھیج دے۔ کیا خوب! یہ بھاری توپیں اس غرض سے بھیجی جائیں کہ آگے چل کر ان کے منہ خود روس کی طرف موڑ دیے جائیں۔

ایک ایسا مسئلہ پیش ہو گیا تھا جس کے حل کرنے میں، ستالن کے سامنے دشواریاں تھیں۔ جنگ سامنے نظر آ رہی تھی۔ اگر پولینڈ کے ہاتھ سے مغرب کا علاقہ نکل جاتا تو وہ یہی آسان راستہ اختیار کرتا کہ وہ مشرق میں اس کا نعم البدل حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہ بھی امکان تھا کہ اگر جرمن اور پولینڈ کی لڑائی کو پولینڈ کے ملک میں محدود نہ کر دیا گیا تو معاملہ پومیرنیا اور سائلیشیا کی فتح پر نہ ٹھہرتا بلکہ صوبہ پوکرین پر جرمنی کا حملہ تیزی کے ساتھ وقوع پذیر ہونا اس لئے یہ بہتر تھا کہ جرمنی اور اٹلی فرانس اور برطانیہ سے جنگ آزما ہو جائیں مگر سوال یہ تھا کہ وہ کیا ترکیب کی جائے کہ یہ بجلی کل بجائے مشرق پر حملہ آور ہونے کے مغرب پر برس پڑے۔